FBI

معاصرہ

طارق اسمٰعیل ساگر

پیش لفظ

گزشتہ دو سال سے میں اپنے قارئین کی طرف سے باقاعدہ طعنے سن رہا ہوں میرے تمام محبت کرنے والے شاکی تھے کہ میں ان کی توقعات پر پورا نہیں اتر رہا..... ناولوں کے بجائے سارا زور کرنٹ افیئرز سے متعلق کتابوں پر لگا ہے وغیرہ وغیرہ.....

میں سر تسلیم خم کرتا ہوں.....

واقعی گزشتہ دو سال سے میں نے کوئی اور پجنل ناول نہیں لکھا لیکن کیوں؟ اس سوال کا جواب میں نے خود سے کئی مرتبہ مانگا ہے نہیں ملا۔

ناول کیوں لکھا جاتا ہے؟

کیسے لکھا جاتا ہے؟

اس کی ادبی تعریف کیا ہے؟

اسے لکھنے کے لئے کس کس امتحان سے گزرنا پڑتا ہے کن کن اصولوں کی پاسداری لازم ہے اور کون کون سے لوازمات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

اسے میری نالائقی جانئے کہ مجھے ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب معلوم نہیں.....

مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ جو میں لکھتا ہوں وہ ''ناول'' بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ میری رسائی اس ادبی مافیا تک نہیں جہاں سے کسی کے ادیب ہونے کی سند جاری ہوتی ہے.....

اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا ہے وگرنہ شاید میں اتنے ناول کبھی نہ لکھ سکتا۔۔۔۔
شاید مجھے محبت کرنے والے ان لاکھوں قارئین تک رسائی حاصل نہ ہوتی جو ان ادبی ٹھیکے داروں کے علی الرغم مجھے ''ناول نگار'' سمجھتے ہیں.....

میں صرف ایک بات جانتا اور ایمان کی حد تک اس پر یقین بھی رکھتا ہوں کہ میں نے اپنی دانست میں جو کچھ بھی لکھا وہ کسی مقصد' نظریئے اور عزم کے تحت لکھا کوشش کی کہ اپنے پڑھنے والوں کو پاکستان سے محبت کرنا سکھاؤں۔ اس کے خلاف ہونے والی اپنوں اور غیروں کی سازشوں کو اپنے ناقص علم کی حد تک بے نقاب کروں' ان طوفانوں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کروں جو منہ پھاڑے ہماری قومی سالمیت کو نگلنے کے لئے امڈتے چلے آتے ہیں.....

اور.....اللہ کا بے پایاں کرم کہ مجھے اپنے مقصد میں ہمیشہ کامیابی نصیب ہوئی۔
میری شناخت ایک ''جغادری ادیب'' کی حیثیت سے بھلے نہ بن پائے' ایک ایسے پاکستانی کی حیثیت سے ضرور بن گئی ہے جو اپنے ملک اور اس کے بنیادی نظریئے سے بہر صورت محبت کرتا ہے' محبت کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اپنے لوگوں کو بتاتا ہے کہ پاکستان انشاء اللہ تا قیام رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے کیونکہ اس کی بنیادوں میں لاکھوں شہیدوں کا خون شامل ہے اور اتنی مضبوط بنیادیں کوئی ہلا نہیں سکتا.....

یہی میرا حوالہ ہے اور یہی میرا اعزاز.....

یہی میری شناخت ہے.....

اور یہی وہ میڈل ہے جو میں اپنے سینے پر سجائے اللہ کے دربار میں پیش ہونا چاہتا ہوں.....

طارق اسمٰعیل ساگر

مئی 2002ء

انتساب

کروڑوں زندہ درگور پاکستانیوں کے نام

جو سالوں سے ''عوام'' ہونے کی

سزا بھگت رہے ہیں

عنوانات

تل ابیب	9
سازش	18
ایف بی آئی	31
میزبان	44
دام صد رنگ	58
اجنبی محسن	72
کٹ آؤٹ	86
نو پرابلم	98
صاعقہ	113
جوڑ توڑ	133
FINISH	146
ناگہانی آفت	160
پھندہ	170
ڈراپ سین	184
بائی جیک	202
ٹشو پیپرز	219
ہنگامی میٹنگ	240
نیا حملہ	263
دہشت گردی	294
تعاقب اور ...	316
سرپرائز	333
شگاف	349

تل ابیب

۱

فلائیٹ ان ٹائم تھی۔ جہاز نے معمول کے مطابق لینڈنگ کی یہ الگ بات کہ تل ابیب ایئرپورٹ کے اس ٹرمینل سے جہاں جہاز لینڈ ہوا تھا لاؤنج میں پہنچنے تک اسے ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا تھا۔

شکتی کا یہ پہلا غیر ملکی سفر نہیں تھا۔ اب تو اسے اپنے بین الاقوامی ریکارڈ کی گنتی بھی بھولنے لگی تھی۔ شاید دنیا کا کوئی ایسا قابل ذکر ایئرپورٹ تھا جس کی انتظامیہ سے اس کا واسطہ نہ رہا ہو لیکن تل ابیب کی ایڈمنسٹریشن نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

امیگریشن سے کسٹم کلیرنس تک اس کے ساتھ دہشت گردوں کا سا سلوک کیا گیا تھا۔ ہر مرحلے پر تین تین مرتبہ اسے چیک کیا گیا۔ اس نے اپنے آپ سے اب تک متعدد مرتبہ یہ سوال کیا تھا۔

''کیا واقعی یہ سب سچ ہے؟''

اگر ایسا تھا تو ان لوگوں کا سلوک اسے پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا لیکن جس ٹھنڈے مزاج اور حوصلے کے ساتھ اس نے صورت حال کا سامنا کیا اس پر اس نے متعدد

مرتبہ خود کو داد بھی دی تھی۔

ایڈوانی نے اسے وقت رخصت ایک مرتبہ پھر بریفنگ دی تھی۔ بالکل یوں جیسے رنگروٹوں کو سمجھایا جاتا ہے۔

''یار تم کیا مجھے بچہ سمجھتے ہو؟''

اس نے جھنجلا کر کہا تو ایڈوانی بے ساختہ مسکرایا۔

''جس بات پر تمہیں اب غصہ آ رہا ہے۔ اس پر کل حیرانگی ہوگی۔ تم ان لوگوں کو نہیں سمجھتے ہو شکتی۔ بڑے کائیاں لوگ ہیں ان کی ترقی کا یہی ایک راز ہے''۔

اس نے کہا۔

''یار ایڈوانی میں undercover (انڈر کور) جا رہا ہوں۔ ''ڈیل'' کر رہے ہیں ہم..... سرکاری حیثیت ہے میری..... پھر ایسی باتیں.....''

اس نے ایڈوانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''وہ سب ٹھیک ہے لیکن یاد رکھنا موساد کا پہلا اور آخری اصول "Never ever trust" (کبھی بھی اعتبار نہ کرو) ہے اور ''سیکریسی'' کا مطلب تمہیں وہاں جا کر سمجھ آئے گا''۔

اور.....

شکتی کو اس کا مطلب واقعی تل ابیب پر جہاز اترنے کے فوراً بعد ہی سمجھ آ گیا۔

اسے تو امید تھی کہ اپنے ملک کی طرح جب وہ ایئرپورٹ پر اترے گا تو اس کے استقبال کے لئے پہلے سے لوگ موجود ہوں گے اور جہاز سے زمین پر پاؤں دھرنے کے فوراً بعد ایک کار اسے دوسرے راستے سے نکال لے جائے گی۔

لیکن.....

یہاں تو کوئی موجود نہیں تھا نہ کوئی کارڈ پر اس کا نام لکھ کر اس کا منتظر تھا نہ ہی ایئرپورٹ کی کسی ایجنسی کا کوئی ذمہ دار اس سے ٹکرایا۔ معمول کے مطابق جہاز کے عام

مسافروں کی طرح وہ امیگریشن لاؤنج تک آیا یہاں اسے ''غیر ملکی مسافروں'' کی قطار میں کھڑا ہونا پڑا۔

اس قطار میں یوں تو چالیس سے زیادہ مسافر نہیں تھے لیکن امیگریشن کاؤنٹر پر موجود بوڑھی یہودن امیگریشن آفیسر ہر مسافر سے کم از کم پانچ سات منٹ مغزماری کے بعد ہی اپنے پہلو میں لگا بٹن دباتی تھی اور اس کی میز کے دائیں طرف لگا سٹیل کا مضبوط راڈ اوپر اٹھتا مسافر کے وہاں سے گزرنے کے فوراً بعد راڈ دوبارہ ٹھک کی آواز سے اپنی جگہ فٹ ہو جاتا۔

قریباً پچیس منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد جب وہ کاؤنٹر تک پہنچا تو اس کے خون کی گردش خاصی تیز ہو چکی تھی۔

بوڑھی یہودن امیگریشن آفیسر نے سگریٹ لگا کر دھواں فضا میں اچھالا تو شکتی کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی کھیل تماشا دکھانے والے مداری نے منہ میں مٹی کا تیل بھر کر جلتی ہوئی مشعل پر پھونک مار کر آگ بھڑکائی ہو۔

''پاسپورٹ پلیز''۔

امیگریشن آفیسر نے سگریٹ کا کش کھینچ کر اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

نجانے کیوں اسے یہ مسکراہٹ زہر لگی تھی۔

پاسپورٹ اپنے اور اس کے درمیان بنی شیشے کی مضبوط دیوار کے ایک سوراخ سے اس نے آگے بڑھا دیا۔

بوڑھی یہودن نے پاسپورٹ کھول کر اس کا ایک ایک ورق اس طرح چیک کیا تھا جیسے وہ پہلے سے اس بات کا یقین کر چکی ہو کہ پاسپورٹ جعلی ہے پھر اس کا نام پڑھنے کے بعد مسکرا کر عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ترکی میرا پسندیدہ ملک رہا ہے مسٹر بیگ''۔

''Thank you''

شکتی نے بڑے ناگوار لہجے میں کہا۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے وہ شکتی سے سوالات کرتی گئی جس کے بعد اس نے اپنے سامنے دھرے کمپیوٹر کا استعمال شروع کیا تین چار منٹ کمپیوٹر کے ''کی بورڈ'' سے کھیلنے کے بعد مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پاسپورٹ پر سٹیمپ لگائی اور جس راستے سے پاسپورٹ شکتی نے اندر داخل کیا تھا اسی سے لوٹاتے ہوئے کہا۔

''ویل کم ٹو اسرائیل''

''Thank you''

شکتی نے شکریہ بالکل گالی دینے کے انداز میں ادا کیا تھا۔ بوڑھی یہودن نے بٹن دبا کر بیریئر ہٹایا شکتی نے بیریئر عبور کیا اور ٹھک کی آواز کے ساتھ ہی اسے بوڑھی یہودن کی مانوس آواز سنائی دی۔

''Next''

وہ اگلے مسافر کو طلب کر رہی تھی۔

☆O☆

امیگریشن ہال سے اس کی جان سستے میں چھوٹی تھی باقی مراحل پر اس سے بھی زیادہ سختی کا مظاہرہ کیا گیا اور جیسے ہی وہ مین ہال میں آیا تو لمبا سانس لے کر اس نے گویا سارا بوجھ سر سے جھٹک کر الگ کر دیا۔

اب غصے کی جگہ واقعی حیرانگی نے لے لی تھی۔

عین ہال کے باہر سکیورٹی کا رکا ایک اور مضبوط نظام اس کا منتظر تھا۔ یہاں سے ٹیکسی میں سوار ہونے تک تین مرتبہ اس کے نام کا اندراج ہوا اور بالآخر وہ ٹیکسی میں سوار ہونے میں کامیاب ہوا۔

''ہالیڈے ان''.....

اس نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر اپنا ہینڈ بیگ پھینکنے کے بعد ڈرائیور سے کہا۔

''او۔ کے سر''

بحر اوقیانوس کے کنارے جس سڑک پر وہ سفر کر رہے تھے اس کی بناوٹ' سجاوٹ اور سمندر کے ساتھ ساتھ بھاگتی ٹیکسی نے اسے قریباً نارمل کر دیا تھا۔ شکتی تل ابیب کی مشہور سڑک ہارکن سٹریٹ پر اڑا چلا جا رہا تھا۔

دل ہی دل میں وہ کئی مرتبہ یہ بات سوچ چکا تھا کہ آخر اتنا لمبا چوڑا گھڑاک پھیلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ سیدھے سبھاؤ یہاں آتا یا ان کے اسرائیلی دوست دہلی میں آتے اور معاملات طے ہو جاتے لیکن بعد میں اسے اندازہ ہو گیا کہ ''موساد'' کی ان احتیاطی تدابیر ہی نے اسے سی آئی اے کے پلے کی ایجنسی بنا رکھا تھا بلکہ یہ لوگ بعض معاملات میں تو امریکنوں سے بھی بہت آگے نکل چکے تھے۔

شکتی یہاں ایک اہم مشن پر آیا تھا۔ یہ ''موساد'' اور ''را'' کا جوائنٹ آپریشن تھا۔ اسے یہاں ایک کور نام Cover Name اور کور ایڈریس کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ شکتی الف بیگ کے نام سے ترکی کے پاسپورٹ پر سفر کر رہا تھا۔ اسے دہلی سے لندن بھیجا گیا تھا جہاں سے وہ ایک امریکن فلائیٹ پر تل ابیب پہنچا تھا لیکن ایک بات اس نے بطور خاص نوٹ کی تھی کہ اگر اس کے مسافر ساتھیوں کے سامنے کوئی حافا بھی یہ بات کہتا کہ وہ عام مسافر کے بجائے کوئی ''خاص شخصیت'' ہے تو وہ کبھی اسے تسلیم نہ کرتے۔

اور.....

یہی موساد کا کمال تھا۔

وہ بالکل تمام لوگوں کی طرح آپریٹ کرتے تھے اور حیران کن نتائج حاصل کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔

ٹیکسی ''ہالیڈے ان'' میں داخل ہو رہی تھی شکتی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اب کچھ بھی ہوتا اس کے لئے حیرت کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔ یہ اس کی خوبی تھی کسی بھی اجنبی ماحول میں وہ خود کو فوراً ایڈجسٹ کر لیا کرتا تھا اور اس کا چناؤ بڑے اہم مشن کے لئے اس کی اسی خوبی کی بنا

پر کیا جاتا تھا۔

ہوٹل کے مین گیٹ سے ایک ویٹر اس کے ساتھ چپک گیا۔ شکتی کو اندازہ تھا یہ کون ہو سکتا ہے۔ ہوٹل کے کاؤنٹر تک اس نے شکتی کی راہنمائی کی اور مؤدب ہو کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

''یس سر''۔

کاؤنٹر پر کھڑی لمبی تڑنگی لڑکی نے جس کے حسن سے زیادہ اس کی ساخت متاثر کن تھی شکتی کی طرف دیکھ کر مؤدب لہجے میں کہا۔

''کمرہ چاہئے''۔

شکتی نے اس کی نیلی آنکھوں میں ڈرتے ڈرتے جھانکا۔

''آپ کا نام سر''۔

لہجے کی چلبلاہٹ برقرار تھی۔

''الف بیگ''۔

شکتی نے پاسپورٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر الف بیگ فرام ٹرکی''۔

لڑکی نے پاسپورٹ پر نظر ڈالے بغیر پوچھا۔

''یس''۔

شکتی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''You are Welcome Sir''(خوش آمدید جناب) آپ کے نام پر کمرہ پہلے سے ریزرو ہے.....''

اس کے لہجے میں شکتی کے لئے پہلے سے زیادہ گلاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔

اصولی طور پر شکتی کو اب حیران ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ذہنی طور پر اب ہر قسم کے ''سرپرائز'' کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

وہی ویٹر جو مین گیٹ سے یہاں تک اس کے ساتھ آیا تھا۔ اب لفٹ میں اس کے ساتھ کمرہ نمبر پانچ سو ایک کی طرف جا رہا تھا جو بطور خاص شکتی کے لئے مخصوص تھا۔

پانچویں منزل پر لفٹ رکی تو راہداری میں چند قدم چلنے کے بعد وہ کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ اس فلور پر ایک اچٹتی نظر ڈالنے سے شکتی اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ وی آئی پی فلور ہے۔

لیکن.....

اس بات کا اندازہ اسے بھی نہیں تھا کہ اس فلور کے تمام کمرے ''موساد'' کے سیف ہاؤس ہیں جہاں ان کے خصوصی مہمان قیام کرتے ہیں۔ ان کمروں میں ایسے جدید اور خفیہ آلات نصب تھے جو یہاں کے مکینوں کے دور اندر تک جھانک لینے کی صلاحیت رکھتے تھے..... یہ الگ بات کہ چالاک ترین شخص بھی نہ انہیں دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی محسوس کر سکتا تھا۔

''آپ کا کمرہ جناب''

ویٹر نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چابی سے دروازہ کھولا اور ایک طرف مؤدب کھڑے ہونے کے بعد اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

شکتی کمرے میں داخل ہوا تو اسے یوں لگا جیسے طلسم ہوشربا میں آ گیا ہو.....

کمرے کا ماحول ایسا خوابصورت اور خوابناک تھا کہ شکتی کو اطمینان کی ایک لہر اپنے سارے جسم میں سرایت کرتی محسوس ہوئی۔

ویٹر اسے ''سروسز'' سے متعلق راہنمائی دے کر چلا گیا۔

شکتی نے اپنا بیگ ایک کونے میں رکھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو سامنے کے منظر نے رہی سہی کسر بھی پورا کر دی۔

کھڑکی سے سمندر اور اس کے کنارے ریت پر لیٹی ادھ ننگی عورتوں کا نظارہ شکتی کے لئے بڑا ہی متاثر کن تھا۔ کافی دیر تک وہ کھڑکی کے اندر سے نظریں جمائے باہر جھانکتا رہا

پھر پردہ اپنی جگہ سرکانے کے بعد جوتوں سمیت بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

قریباً پندرہ بیس منٹ بعد دروازے پر مؤدب آہٹ نے اسے چونکایا۔

''یس'' Yes

اس نے لیٹے لیٹے کہا اور ایک خوبصورت ویٹرس ٹرالی پر شراب کی مختلف بوتلیں سجائے اندر داخل ہو گئی۔ اتنی قیمتی شرابیں دیکھ کر شکتی کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

''آپ کے میزبان مسٹر ڈیوڈ کی طرف سے آپ کے لئے سر''۔

ویٹرس نے ادائے دلربائی سے جھٹکتے ہوئے شکتی کو مخاطب کیا جو بیڈ سے سپرنگ کی طرح اچھل کر اب قریباً پنجوں کے بل کھڑا تھا کیونکہ ویٹرس کا قد اس سے بھی نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''شکریہ دھنواد''

نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تو ویٹرس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کے لئے پیگ تیار کر دوں سر''

ویٹرس نے ہونٹوں پر جمی دلفریب مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

''اوہ ضرور!''

شکتی سنبھل گیا۔

''کیا پسند فرمائیں گے سر؟''

ویٹرس کی شگفتگی برقرار تھی۔

''سکاچ''۔

شکتی نے ویٹرس اور بوتلوں پر ایک ساتھ نظریں جماتے ہوئے کہا۔

ویٹرس نے مسکراتے ہوئے جام تیار کیا اور پیالے میں دھری برف کے ٹکڑے اس میں ڈال کر شکتی کی طرف بڑھا دیا۔

پیشکش کا یہ انداز شکتی جیسے زمانہ ساز ایجنٹ کے لئے بھی بڑا جان لیوا تھا۔ اس کے سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

ویٹرس نے باقی بوتلیں اس کے سامنے فریج میں سجائیں اور جس طرح آئی تھی اسی طرح بجلیاں گراتی واپس لوٹ گئی نجانے کیوں شکتی کا دل چاہا کہ وہ واپس نہ جاتی۔

جام ہاتھ میں پکڑے وہ دوبارہ کھڑکی کے سامنے پہنچ گیا اور پردہ ہٹا کر ساحل سمندر کا نظارہ کرتے ہوئے اپنا حلق تر کرنے لگا۔

اچانک ہی فون کی گھنٹی نے اسے متوجہ کیا۔

''یس''

اس نے حسب عادت فون پر کہا۔

''میں ڈیوڈ ہوں مسٹر شکتی۔ ویل کم''

دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوہ کیسے ہیں مسٹر ڈیوڈ آپ؟''

شکتی نے لہجے کو بالکل نارمل رکھا تھا۔

''بہت اچھا..... سفر کیسا رہا آپ کا..... معافی چاہتا ہوں اگر کوئی زحمت ہوئی ہو تو ..... ابھی آپ تھکے ہوئے ہیں آرام فرمائیں ہم ڈنر پر ملیں گے''۔

ڈیوڈ نے اس کے ایک ہی سوال میں اگلے تمام سوالوں کے جواب دے کر اسے Wish کیا اور لائن کٹ گئی۔

☆O☆

سازش

شکتی کو ایک پیگ کا ایسا خمار چڑھا کہ کمرے کا ٹی وی چلتا چھوڑ کر وہ دو گھنٹے لمبی تان کر سوتا رہا۔ شاید ٹی وی پر کسی مغنیہ کے زوردار گانے کی آواز نے اسے نیند سے بیدار کیا تھا۔

فون پر اس نے کافی منگوائی اور تھوڑی دیر بعد وہ ذہنی طور پر تیار ہو کر ڈیوڈ کا منتظر ہو گیا۔

ڈیوڈ اس کے بیدار ہونے کے بمشکل آدھے گھنٹے بعد آ گیا۔

دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا تھا۔ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے موسم پر تین چار فقروں کا تبادلہ کیا اور مطلب کی بات پر آ گئے۔

''ہم تھوڑی دیر بعد یہاں سے ایک دوسرے ہوٹل میں جا رہے ہیں یہاں مسٹر کارل سمتھ سے آپ کی ملاقات کروائی جائے گی۔ مسٹر کارل سمتھ نیویارک کے مشہور پرچے ''پاتھیر'' کے ایڈیٹر ساؤتھ ایشین ریجن ہیں''۔

ڈیوڈ نے اسے سمجھانا شروع کیا۔ شکتی اس کے سامنے مسلسل سر ہلا رہا تھا۔ ڈیوڈ نے اپنے بریف کیس سے ایک فائل نکال کر اسے کارل سمتھ کے مکمل جغرافیے سے اس طرح آگاہی دی تھی کہ اسے دیکھے بغیر بھی اب شکتی اسے بھرے مجمع میں پہچان سکتا تھا۔

''او، مسٹر شکتی اب ہمیں چلنا چاہئے''۔

بالآخر ڈیوڈ نے گھڑی کی سوئیوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''چلیے''۔

شکتی اٹھ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ایک آرام دہ کار میں ہوٹل باسل کی طرف جا رہے تھے جو اسی سٹریٹ کے دوسرے کونے پر واقع تھا۔

☆O☆

تین سو انیس اعشاریہ آٹھ مربع میل پر پھیلا نیویارک امریکہ کا اقتصادی اور اعصابی مرکز ہے۔ اس کے سب سے بڑے اور اہم علاقے کوئینز کی پندرہویں سٹریٹ میں واقع ''پاتھیر'' کا دفتر امریکیوں کے نزدیک شاید بطور ایک اہم اخبار کے کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو لیکن ''موساد'' کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے تل ابیب میں اسے ہمیشہ اہم حیثیت حاصل رہی تھی۔

''موساد'' کا پہلا اصول ''دھوکہ دو اور اپنا الو سیدھا کرو'' By Way of Deception تھا۔ دنیا بھر کے اندازوں کے برعکس ''موساد'' سب سے زیادہ ناقابل اعتبار امریکنوں کو سمجھتی تھی خصوصاً سی آئی اے کے ساتھ دنیا کے بیشتر معاملات میں تعاون کے باوجود ''موساد'' کا ہمیشہ یہ اصول رہا کہ ''سی آئی اے ناقابل اعتبار ہے''۔ سی آئی اے بھی اس صورت حال سے بے خبر نہیں تھی!

اس کے کرتا دھرتا بھی اس بات کو جانتے تھے کہ ''موساد'' نے ان کے اندر دور تک نقب لگا رکھی ہے اب تک سی آئی اے کا ''کاؤنٹر سیل'' Counter Cell اس سلسلے میں اپنے بڑے قابل اعتبار ایجنٹوں اور ذمہ داروں کو گرفتار بھی کر چکا تھا لیکن حیرت انگیز

بات یہ تھی کہ جب معاملہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ یا پینٹا گون تک پہنچتا تو اسے دبا دیا جاتا اور سی آئی اے کو جوابی کارروائی کے بجائے خاموشی اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی تھی۔

''موساد'' دنیا کے ہر اس حصے میں موجود ہے جہاں کوئی یہودی پایا جاتا ہے۔ یہ ہے وہ اہم سچائی جس کو دنیا بھر کی انٹیلی جنس ایجنسیاں نہیں بھلا تیں۔

''کوئینز'' کے اس ایریا میں موجود ''پائیر'' کا یہ آفس بھی ''موساد'' کا ہی ایک ''سیف ہاؤس'' تھا لیکن امریکی ایجنسیوں کو کبھی اس کا گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا کیونکہ کارل سمتھ انہیں ڈبل کراس کر رہا تھا۔

ایک طرف تو وہ ''موساد'' کے لئے کام کر رہا تھا اور دوسری طرف ایف بی آئی اس دھوکے کا شکار تھی کہ کارل سمتھ ان کا مخبر ہے.....

اس بات میں کوئی شک بھی نہیں تھا کارل سمتھ نے ایف بی آئی کے لئے خاص خدمات انجام دی تھیں لیکن ایف بی آئی یہ بات نہیں جانتی تھی کہ کارل سمتھ ان کی کوئی بھی خدمت کرنے سے پہلے اس کی اجازت ''موساد'' سے لیتا تھا اور ''موساد'' اس کے ذریعے اکثر ایف بی آئی کو گمراہ کر کے اپنا الو سیدھا کر لیا کرتی تھی۔

کارل سمتھ کے ایف بی آئی سے معاملات معاشی نوعیت کے تھے۔ وہ ایف بی آئی کا مخبر اس لئے تھا کہ اس کو اس کام کا خطیر معاوضہ ملتا تھا۔ نیویارک کے صحافتی حلقوں میں اپنی خاص پہچان رکھنے والے اس صحافی کی ضرورت ایف بی آئی کو ہمیشہ رہتی تھی اور ایک پروفیشنل ہونے کے ناطے وہ ہر ''خدمت'' کا معاوضہ پہلے سے ضرور طے کر لیا کرتا تھا۔

''موساد'' کے ساتھ البتہ اس کے معاملات مختلف تھے۔ اس نے اپنی زندگی کے بمشکل بیس سال اسرائیل میں گزارے تھے اور اب گزشتہ تیس سال سے امریکہ میں فروکش تھا۔ یہاں اس نے برکلے یونیورسٹی سے صحافت کی ڈگری حاصل کی تھی۔ مکمل امریکی ہونے کے باوجود وہ کبھی اپنی اصلیت نہ بھلا پایا۔

آج سے پندرہ سال پہلے جب ''موساد'' کے ایک ''کیٹسا'' CATSA نے اس سے رابطہ کیا اور اسے ایک یہودی ہونے کے ناطے اس کے مذہبی اور ملی فرض سے آگاہ کرنے کے بعد ''موساد'' کے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا تو ان دنوں وہ لاس اینجلس کے ایک مقامی روزنامے میں سب ایڈیٹر کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔

کارل سمتھ کو خود اپنے متعلق یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ ابھی تک ''آرتھوڈکس یہودی'' ہے۔ اس نے تو سوائے ''یوم سبت'' کے کبھی عبادت گاہ کا رخ بھی نہیں کیا تھا لیکن جلد ہی اس کے اندر کبھی نہ مرنے والی یہودیت کو ''موساد'' نے جگا دیا تھا اور اب وہ ایک ''کومیٹڈ یہودی'' کی طرح ''موساد'' کی خدمات انجام دے رہا تھا۔

اپنے کام اور خاندانی معاملات کے سلسلے میں بھی اس کا آنا جانا دو تین ماہ بعد اسرائیل لگا رہتا تھا کیونکہ ابھی تک اس کی بوڑھی ماں اور قریبی رشتہ دار یہیں مقیم تھے لیکن اس مرتبہ اسے بطور خاص تل ابیب بلایا گیا تھا اور اس بات کی ہدایت بھی کی گئی تھی کہ وہ نیویارک سے براہ راست تل ابیب نہیں آئے گا نہ ہی اسرائیل میں اس کی آمد کا کسی کو علم ہو گا۔

کارل سمتھ نے نیویارک سے لندن کی فلائیٹ لی تھی جہاں دوسرے روز اس سے انچارج ''کیٹسا'' نے رابطہ کرنے کے بعد اس کے اسرائیل سفر کی دستاویزات مکمل کی تھیں۔ لندن سے اسرائیل تک اس نے اسرائیلی ایئر لائن کے بجائے ''پین ایم'' کے جہاز سے ان جعلی دستاویزات پر سفر کیا تھا جو اس کے حوالے لندن میں کی گئی تھیں۔ اس کا امریکن پاسپورٹ کسی نے چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ ''موساد'' اس مرتبہ اس کے پاسپورٹ پر اسرائیل میں داخلے یا اخراج کا اندراج نہیں کروانا چاہتی تھی۔ اس کی اسرائیل میں تمام سرگرمیاں ''آف دی ریکارڈ'' رکھی جا رہی تھیں۔

☆O☆

باسل ہوٹل اس کے لئے کوئی نئی جگہ نہیں تھی۔

درجنوں مرتبہ وہ یہاں آ چکا تھا۔ یہاں کے در و دیوار اس سے شناسا تھے ایک خاص کمرہ اس کے لئے ہمیشہ بک رہتا تھا جب کبھی وہ ہوٹل میں آیا اسے اسی کمرے میں ٹھہرایا جاتا تھا۔

اب تو اس کا معمول بن چکا تھا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچتے ہی وہ کمرہ نمبر تین سو تیر کہتا اور ڈیوٹی آفیسر اسے مسکراتے ہوئے چابی پیش کر دیا کرتی تھی۔ اس نے یہاں کبھی کوئی کارڈ یا پرفارما پر کرنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔

آج بھی ایسے ہی ہوا۔ اسے مسکراتے ہوئے لیڈی آفیسر نے خوش آمدید کہا اور ایک مؤدب ویٹرس اس کا چھوٹا سا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس کے آگے آگے چلنے لگی۔ کارل کو یہ کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ امریکی معاشرے نے اسے تکلفات سے عاری ضرور کر دیا تھا لیکن یہاں اس کے ساتھ جو بھی سلوک ہوتا اس پر وہ کوئی کمنٹ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''موساد'' سے تعلق رکھنے والی کسی بھی شخصیت کو اس کے کسی بھی کام پر کمنٹ کرنے، تجسس رکھنے یا اس سے متعلق سوال کرنے کی اجازت نہیں تھی خصوصاً کسی ہوٹل میں قیام کرتے ہوئے اپنے ساتھ ہونے والے کسی بھی سلوک کو اسے بہر صورت قبول کرنا پڑتا تھا۔

کارل سمتھ کو اب الجھن سی ہونے لگی تھی کیونکہ اس مرتبہ وہ تل ابیب آمد پر اپنے کسی عزیز دوست یا رشتہ دار سے ملنے کا مجاز بھی نہیں تھا اور نہ ہی اسے اپنے کمرے سے کہیں باہر سے فون کرنے کی اجازت تھی۔

شاید کوئی بہت اہم مشن اسے سونپا جا رہا ہے؟

اس نے اپنے آپ کو اب تک یہی سوچ سوچ کر تسلی دی تھی اپنی بوریت کا مداوا صرف ٹی وی کے مختلف چینل بدل کر ہی کر سکتا تھا یا پھر فریج میں دھری بیئر اور شراب کی بوتلوں سے شغل کر کے خود کو نارمل رکھ سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے اسے ڈیوڈ کا پیغام ملا کہ وہ اگلے ایک گھنٹے میں اس سے ملنے آ رہا

ہے تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ڈیوڈ کی آمد جس سانولے رنگ اور چھریرے بدن کے شخص کے ساتھ ہوئی تھی وہ پہلی ہی نظر میں کارل سمتھ کو خاصا چالاک دکھائی دیا۔

''مسٹر شکتی..... اور آپ ہیں مسٹر ولسن''۔

ڈیوڈ نے کارل سمتھ کی توقعات کے عین مطابق اس کا شکتی سے غلط نام سے تعارف کروایا۔

''ولسن مسٹر شکتی ہمارے بھارتی دوست ہیں..... ہمیں ان کی توقعات پر پورا اترنا ہے..... بس یہ سمجھ لو یہ ہماری دوستی کی آزمائش بھی ہے اور امتحان بھی''۔

ڈیوڈ نے کہا تو کارل قدرے سنجیدہ ہو کر شکتی کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھوں کا رنگ اسے نجانے کیوں سانپ کی آنکھوں کی طرح بدلتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اپنے انڈین دوستوں کے کام آنا میرے لئے باعث عزت ہوگا جناب''۔

کارل سمتھ نے کاروباری مسکراہٹ شکتی کی طرف اچھالی جس کے ماتھے پر سلوٹیں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔

''مسٹر ولسن مقابلہ مشترکہ دشمن سے ہے اور یہ بات ہمارے دوست بھی جانتے ہیں کہ ہم الگ الگ حیثیت میں مطلوبہ اہداف حاصل نہیں کر سکتے البتہ مل کر ہم دشمن کو آسانی سے زیر کر سکتے ہیں''۔

شکتی نے ڈیوڈ اور کارل کی طرف باری باری دیکھ کر مکارانہ مسکراہٹ ہونٹوں سے چپکا لی۔

''آف کورس مسٹر شکتی''۔

ڈیوڈ نے کہا۔

''میرے خیال سے ہم کام کی بات شروع کر دیں''۔

کارل سمتھ نے کہا۔ اسے نجانے کیوں شکتی کی موجودگی سے الجھن سی ہونے لگی

تھی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں''۔

شکتی نے اپنا ہاتھ سامنے دھرے اپنے بریف کیس کی طرف بڑھایا لیکن اچانک ہی رک گیا۔

دروازے پر آہٹ نے اسے چونکا دیا تھا۔

''یس''

ڈیوڈ نے اونچی آواز سے کہا اور ایک ویٹرس مشروبات کی ٹرالی کھینچتی اندر آ گئی۔ شکتی کو اندازہ تھا کہ یہ کوئی عام ویٹرس نہیں لیکن اس نے پھر بھی اس کی موجودگی میں بریف کیس کھولنا مناسب نہ جانا۔

ویٹرس نے ان کی خواہش کے مطابق مشروبات تیار کر کے ان کی طرف بڑھائے اور ٹرالی وہیں چھوڑ کر جس طرح مؤدب انداز میں آئی تھی واپس لوٹ گئی۔

☆O☆

شکتی نے اب بریف کیس کھول لیا تھا۔

''مسٹر ولسن یہ ہے پیرزادہ صاحب..... تمہارا ٹارگٹ۔ تمہارے بندے نے اس شخص تک رسائی حاصل کرنی ہے.....''

اس کے بعد وہ مسلسل پندرہ بیس منٹ تک پیر مقبول ہاشمی کی تفصیلات بتاتا رہا۔ جس کے بعد ڈیوڈ نے سلسلہ گفتگو آگے بڑھایا۔

ڈیوڈ نے قریباً آدھا گھنٹہ کارل سمتھ کو اس منصوبے پر بریفنگ دی جس پر عمل کرنے میں اسے اہم کردار ادا کرنا تھا۔ اس نے کارل سمتھ سے ''را'' اور ''موساد'' کے مشترکہ منصوبے کی تمام تفصیلات طے کیں اور اسے بتایا کہ یہ آپریشن کتنا اہم ہے اور اس کی کامیابی سے عظیم اسرائیل اور ان کے دوست بھارت کو کیا کیا کامیابیاں مل سکتی تھیں۔

''مسٹر ولسن! تم سے زیادہ اس بات کو کون سمجھ سکتا ہے کہ 11 ستمبر کے واقعے

کے بعد سے امریکہ کی ترجیحات اچانک کس طرح بدل گئی ہیں..... اس صورت حال کو اگر ہم اور ہمارے دوست اپنے حق میں استعمال نہ کر سکے تو پھر شاید اگلے کئی سو سال تک ہمیں تاریخ ایسا موقعہ دوبارہ نہیں دے گی''۔

ڈیوڈ نے آخر میں کہا۔

''ونڈرفل''

بے ساختہ کارل سمتھ کے منہ سے نکلا۔ اس نے دل ہی دل میں اپنے یہودی مالکان کو داد دی۔ اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ ایسے شیطانی منصوبے کا خیال صرف ''موساد'' کو ہی آ سکتا ہے۔

''اگر ہمیں آپ کی معاونت میسر رہی تو ہم یہ معرکہ ضرور سر کر لیں گے''۔

شکتی نے قدرے جوش کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن مسٹر شکتی! اس بات کا خیال رہے کہ یہاں غلطی کی گنجائش ہرگز نہیں۔ تم جانتے ہی ہو تمہارا مقابلہ کن لوگوں سے ہے..... اس سے پہلے بھی ہمارے دونوں آپریشن صرف تم لوگوں کی غلطی کی وجہ سے ناکام ہوئے ہیں''۔

ڈیوڈ نے اپنا عندیہ ظاہر کر دیا۔

''مسٹر ڈیوڈ..... اس مرتبہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں خود سارے آپریشن کی نگرانی کروں گا''۔

شکتی نے بڑے تیقن سے کہا۔

''معاملے کی انتہائی سنگین نوعیت کے تحت میں چاہوں گا کہ ہمارا ''سبجیکٹ'' Subject کسی بھی طرح بچنے نہ پائے''۔

کارل سمتھ نے قریباً ضمانت طلب کرنے کے انداز میں بات کہی تھی۔

''نتائج کچھ بھی نکلیں مسٹر ولسن لیکن اس بات کا یقین میں آپ کو دلاتا ہوں کہ ہم ''سبجیکٹ'' کو زندہ واپس نہیں لوٹنے دیں گے..... اور یہی نہیں..... اس کھیل کے سارے

مہرے کھیل ختم ہونے سے پہلے ہی ضائع کر دیئے جائیں گے.....''

شکتی نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

''او۔کے مسٹر ڈیوڈ..... یہ بتائیں آپ کب آپریشن شروع کرنا چاہتے ہیں''۔

کارل سمتھ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اگلے دو روز کے بعد.....''

ڈیوڈ کے بجائے شکتی نے جواب دیا۔

''ہاں منگل کے دن سے..... برا مت مانیے مسٹر شکتی منگل ہمارے لئے مبارک دن ہے شاید آپ اسے منحوس خیال کرتے ہیں''۔

ڈیوڈ نے شکتی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آپریشن کی کامیابی کے بعد میں اپنے نظریات تبدیل کرلوں گا مسٹر ڈیوڈ؟''

شکتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کارل سمتھ بے ساختہ مسکرا دیا۔

تینوں قریباً اڑھائی گھنٹے تک منصوبے کی تفصیلات طے کرتے رہے اس دوران کارل سمتھ نے دونوں سے متعدد امکانات اور نتائج پر بات کی تھی۔اس نے مکمل کرا اپنے تمام خدشات بیان کرنے کے بعد شکتی سے ضمانتیں طلب کی تھیں۔

اور..... شکتی کمار اس کے ذہن میں پیدا ہوئے شک کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔اس بات کا احساس اسے شدت سے تھا کہ دونوں اسے خود سے کمتر خیال کر رہے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟.....

☆O☆

وہ جانتا تھا ماضی میں اس کی ایجنسی کی نااہلی نے انہیں اسرائیلیوں کی نظروں میں کیسا رسوا کیا تھا۔وہ ان کی پیشہ وارانہ استعداد کار کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور موجودہ آپریشن میں بھی انہوں نے صرف اسی شرط پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ انہیں ایک ایک

پل کی تفصیلات سے آگاہ رکھا جائے گا خصوصاً اپنا کوئی بھی ایکشن پلان کرنے سے پہلے ''را'' انہیں اعتماد میں ضرور لے گی۔

شکتی کپور نے اپنے سینئرز کے احکامات کے تابع ان لوگوں کی ہاں میں بہر صورت ہاں ملانی تھی اور انہیں بہر طور مطمئن کرنا تھا۔

تاریخ کا پہیہ تیزی سے گھوم رہا تھا۔

پاکستان کو دنیا کی نظروں میں گرانے کے لئے انہوں نے آج تک جو کوششیں کی تھیں اب ان کو ثمر لگنے کا وقت آیا تھا لیکن اپنا ہی..11 ستمبر کی دہشت گردی نے کایا ہی پلٹ کر رکھ دی تھی اور وہ ہیرو بنتے بنتے زیرو بن گئے تھے۔

انہیں فوراً کچھ کرنا تھا۔

کوئی بھی ایسا کام جو ان کے دشمن کو دنیا کی نظروں میں گرا سکے۔ان کے شیطانی مقاصد کی بجا آوری کر سکے..... سرکار کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا۔ایجنسی کے بڑے بڑے شہ دماغ سر جوڑے دنوں سے یہ معمہ حل کرنے کے لئے کوشاں تھے جب اچانک شکتی کپور کے شیطانی دماغ نے یہ منصوبہ ان کے سامنے پیش کیا.....

ایک مرتبہ تو وہاں موجود بڑے بڑے شہ دماغ ہل کر رہ گئے پھر سب اس کی تجویز پر عش عش کر اٹھے۔وزیر داخلہ کو انہوں نے جب تجویز کا ''بلیو پرنٹ'' پیش کیا تو بے ساختہ اپنی جگہ سے یوں اٹھ کر کھڑا ہوا تھا جیسے کرسی کی گدی میں لگے سپرنگوں نے اسے فضا میں اچھال دیا ہو.....

''وہ مارا''

وزیر داخلہ نے فائل پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

''سر؟''

ڈی جی نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''او۔کے۔فوراً عمل کرو۔فنڈز کی پرواہ نہ کرنا۔کسی منسٹری سے بات کرنے کی

ضرورت نہیں۔فنانس منسٹر کو سپیشل انسٹرکشنز مل جائیں گی.....ڈیفنس منسٹری کا سیکرٹ بجٹ تمہارے ڈسپوزل پر ہے اور اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں تمہاری میٹنگ ''موساد'' سے ارینج کروادی جائے گی.....''

وزیر داخلہ نے اتنے زور وشور اور جوش وخروش سے یہ بات کہی تھی کہ اس کے منہ سے تھوک کے چھینٹے فائل پر گر رہے تھے۔

''تھینک یو سر!''

ڈی جی نے کھڑے ہو کر اسے تعظیم دی۔

''مجھے صدفی صد رزلٹ چاہئے.....صدفی صد.....''

وزیر داخلہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس سے بھی زیادہ سر! اس سے بھی زیادہ.....''

ڈائریکٹر جنرل ''را'' نے حسب عادت اپنے بائیں بازو کو زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا اور سلیوٹ مار کر باہر آ گیا۔

''اب دیکھوں گا میں انہیں.....''

ڈی جی کے باہر نکلتے ہی وزیر داخلہ نے اپنی مونچھوں پر الٹا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔اس کے چہرہ پر پھیلا کردہ پن پہلے سے دوچند ہو گیا تھا۔

☆O☆

''مسٹر شکتی! تم اس آپریشن کی کمانڈ کرو گے.....''

ڈی جی نے اگلی شام ''موساد'' کے نمائندوں کے ساتھ وزارت خارجہ میں ہونے والی خفیہ گفتگو سے واپس لوٹنے کے بعد شکتی سے کہا۔

''میری خوش قسمتی سر!''

شکتی نے سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

''شکتی کپور فنڈز کی پرواہ نہ کرنا.....میں نے تمہیں سینئرز کو نظر انداز کر کے اس

آپریشن کی کمانڈ اس لئے دی ہے کہ یہ منصوبہ تم نے پیش کیا ہے اور ادھر کام کرنے کا بھی تمہیں زیادہ تجربہ ہے تم ہائی کمیشن میں تین سال گزار چکے ہو.....لیکن ایک بات یاد رکھنا''۔

شکتی نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''یس سر؟''

''رزلٹ سو فی صد سے کم نہیں ملنا چاہئے.....سو فی صد۔میری بات کا مطلب سمجھتے ہو ناں تم.....''

ڈائریکٹر جنرل نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''یس سر.....ایسا ہی ہو گا سر! میں آپ کے اعتماد پر ضرور پورا اتروں گا سر.....ضرور پورا اتروں گا.....''

شکتی نے بڑے تیقن سے کہا۔

''گو آہیڈ.....''

ڈی جی نے اپنے سامنے دھری فائل پر دستخط کر کے فائل بند کی اور اپنے دائیں ہاتھ رکھے ٹرے میں پھینک دی۔

''سر''۔

شکتی نے کھڑے ہو کر قدم جمائے اور اسے تعظیم دی۔

''کل شام کی فلائیٹ سے تم لندن جا رہے ہو.....اور اگلے روز تین بجے وہاں سے تل ابیب''۔

ڈی جی نے اسے مطلع کیا۔

شکتی ڈی جی کو سلیوٹ مار کر آؤٹ ہو گیا۔اب اسے لندن جانے کی تیاری کرنی تھی جہاں بھارتی ہائی کمیشن میں موجود ان کے ساتھی نے اسرائیلی سفارت خانے کے ذریعے سارے بندوبست کر لئے تھے۔

دہلی سے لندن اور وہاں سے تل ابیب تک اس کا سفر ایگزیکٹو کلاس میں ہوا تھا

جس سے اسے خود بھی اپنی خصوصی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا۔

☆O☆

ایف بی آئی

کارل سمتھ دو روز ہوٹل سے باہر گزارنے کے بعد جب لندن میں موجود اپنے ہوٹل کے کمرے میں پہنچا تو یہ خوشگوار حیرت اس کی منتظر تھی کہ وہ لندن سے باہر نہیں گیا۔ ہوٹل گارڈین میں گزشتہ تین روز سے وہ نہ صرف موجود تھا بلکہ باقاعدہ اسی کے نام پر اس کے کمرے میں ''سروس'' ہوتی رہی تھی۔ اسی کے نام سے ٹرانسپورٹ بک ہوتی رہی تھی۔ دنیا کی کسی بھی ایجنسی کے لئے اس کی گزشتہ دو دنوں سے لندن کے گارڈین ہوٹل سے پراسرار گمشدگی ثابت کرنا بظاہر ناممکن ہو چکا تھا۔

یہ ''موساد'' کے مقامی ''کیٹسا'' کا کمال تھا.....

اسی روز شام کی فلائیٹ سے وہ نیویارک واپس جا رہا تھا۔ نیویارک کے ''الو گاڈیا'' ایئرپورٹ پر اس کے دفتر کی گاڑی اس کی منتظر تھی۔ کارل سمتھ لندن میں ایک خاص ''نیوز سٹوری'' پر کام کرنے گیا تھا جو اب تحریری صورت میں اس سے بریف کیس میں موجود تھی۔ اسی طرح اس کے لندن میں قیام کا جواز بھی فراہم کر دیا گیا تھا۔

آفس پہنچنے پر حسب سابق اس کا استقبال سب سے پہلے لیزا مارٹن نے کیا۔

لیزا تین چار ماہ پہلے ہی ''پائنیر'' میں آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک ہفت روزہ سے منسلک تھی۔ لیزا کو ''پائنیر'' میں صرف کارل سمتھ لایا تھا۔

گزشتہ تین سال سے وہ کارل سمتھ ایکسکلوژو سٹوریاں پڑھ پڑھ کر اس کی فین بن چکی تھی۔ ہر دوسرے تیسرے ماہ کارل سمتھ کوئی نہ کوئی اہم خبر لا کر سب کو حیران کر دیا کرتا تھا گو کہ اس کے دفتر کے ساتھی اسے کارل کی ایجنسیوں کے ساتھ دوستی کا شاخسانہ قرار دیا کرتے تھے لیکن لیزا مارٹن نے کبھی یہ بات تسلیم نہیں کی تھی۔ اس نے کارل سمتھ کو محنت کرتے دیکھا تھا۔ اپنے کام سے اس کی لگن کی لیزا عینی شاہد تھی۔ اس کی ہمیشہ سے خواہش رہی تھی کہ وہ بھی کارل سمتھ کی طرح کوئی ایسی بڑی سٹوری نکالے جو اخباری ہیڈ لائن بنے..... جس پر مباحثہ ہو۔ جس پر لوگ گلی بازار میں بات کریں اور الیکٹرانک میڈیا جس کا نوٹس لے.....

لیکن..... ایسا وہ صرف سوچ سکتی تھی کیونکہ اس کے اتنے زیادہ ''ذرائع'' نہیں تھے کہ کوئی بڑی خبر نکال سکے۔

''ہیلو لیزا''.....

کارل نے بیٹھے بیٹھے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیزا اس کے آفس میں ہی چلی آئی تھی۔

''کمال کر دیا سر آپ نے اس مرتبہ تو.....''

لیزا بڑے جوش و خروش سے اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

''تم بھی کوئی سکوپ مارو ناں''۔

کارل نے اس کے سامنے دانہ پھینکا۔

''اپنی ایسی قسمت کہاں سر''

لیزا نے قدرے مایوسی سے سر ہلایا۔

''دیکھو لیزا..... میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ یہ قسمت وغیرہ کو میں نہیں مانتا ..... کم ہمت لوگوں نے اپنی ڈکشنریاں الگ سے بنائی ہوتی ہیں جن میں ایسے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں..... میں تو ایک بات کا قائل ہوں لیزا..... ہمت مرداں مدد خدا''۔

اس نے لیزا کے سامنے فوم کے کپ میں تیار کافی رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن سر چانس ملنے کی بات بھی تو ہے..... ہمیں تو کوئی چانس ہی نہیں دیتا''۔

لیزا نے شکریہ کہہ کر کپ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

''چانس تمہیں میں دیتا ہوں.....''

اس نے لیزا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''واقعی سر''۔

لیزا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''واقعی''.....

کارل نے اس کی خوبصورت نیلی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم پاکستان جانے کی تیاری کرو..... وہاں بڑی بڑی کہانیاں تمہاری منتظر ہیں''۔

لیزا کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ 11 ستمبر کے بعد سے گو کہ سارا مغربی پریس پاکستان پر جھپٹ پڑا تھا لیکن لیزا مارٹن نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے کسی ایسے ایڈونچر کے قابل سمجھا جائے گا۔

''اوہ مائی گاڈ..... سر آپ سیریس ہیں ناں''۔

اس نے قریباً کارل سمتھ پر جھکتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

''اپنی جگہ مطمئن ہو کر بیٹھو..... ایسی باتیں مذاق میں نہیں کی جاتیں''۔

اس نے لیزا کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سر! ایسا ہو جائے تو.....''

شدت جذبات سے اس سے آگے وہ کوئی بات نہ کہہ سکی۔

''دیکھو لیزا میرا اصول ہے کہ نوجوانوں کو موقعہ ملنا چاہئے ..... انہیں اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقعہ ضرور ملنا چاہئے اور میں خزانے پر سانپ بن کر بیٹھنے کا قائل نہیں ہوں۔ آسمان سب کے لئے کھلا ہونا چاہئے ہر کوئی اپنی قوت پرواز کو آزمائے..... کیا خیال ہے تمہارا؟''

اس نے لیزا کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''سر! مجھے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا سر.....''

لیزا نے احساس تشکر سے اپنی آنکھیں جھکا رکھی تھیں۔

''لیکن ایک بات ہے لیزا''.....

اچانک اس نے پینترا بدلا۔

''کیا سر! کیا بات ہے؟''

لیزا نے قریباً گھبراتے ہوئے کہا۔

''دیکھو لیزا مارٹن امریکہ کے افغانستان پر حملے کے بعد سے ساری دنیا کا پریس وہاں موجود ہے..... معمول کی خبریں سب لوگ دے رہے ہیں۔ خصوصی سکوپ مارنے کے لئے تمہیں تھوڑی محنت کرنی پڑے گی.....''

اس نے لیزا مارٹن پر نفسیاتی دباؤ بڑھایا۔

''سر میں ایسا کر سکتی ہوں..... میں گھبرانے والی نہیں سر''۔

لیزا نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''میں تمہیں ایک خصوصی جاب دے رہا ہوں لیزا..... انٹرویو تمہارا میدان ہے۔ اگر تم تھوڑی ہمت اور عقل استعمال کر کے پاکستان سے اس شخص کا انٹرویو لے آؤ تو تم دنیا کو بڑی خبر دے سکو گی''۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی دراز سے ایک تصویر نکالی اور لیزا مارٹن کی طرف پھینک

دی۔

لیزا نے بے قراری سے ہاتھ بڑھا کر تصویر اٹھالی۔

یہ قریباً ساٹھ سالہ باریش شخص کی تصویر تھی۔ لمبے قد اور چھریرے بدن کے اس شخص کی آنکھوں سے کچھ ایسی ذہانت ٹپک رہی تھی جس نے لیزا کو بھی متاثر کر دیا۔

''کون ہے یہ؟''

اس نے تصویر سے نظریں اٹھائے بغیر اس سے دریافت کیا۔

''پیرزادہ صاحب..... یہی ہے اس کا نام۔ اس نام سے مشہور ہے یہ شخص۔ سی آئی اے' ایف بی آئی اور ایم آئی-6 کے نزدیک یہ مشتبہ دہشت گرد ہے..... امریکہ میں ہونے والے دہشت گردوں کے دو اہم واقعات میں اس کے ملوث ہونے کا شک کیا جا رہا ہے۔ یہ شخص امریکہ میں رہتا تھا۔ دس سال اس نے یہاں تبلیغ کی اور سینکڑوں لوگوں کو مسلمان کیا..... حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں مسلمان ہونے والے اس کے ''فدائی'' بن کر زندہ رہتے ہیں۔ اس حکم پر آنکھیں بند کر کے موت کے کنویں میں چھلانگ لگا سکتے ہیں..... اس کی سرگرمیاں بہت پراسرار ہیں لیزا..... اسے اس بات کا علم ہے کہ جلد یا بدیر اسے گرفتار کر لیا جائے گا اس لئے بہت محتاط ہو گیا ہے..... دنیا بھر سے اس کے نو مسلم مرید اس کو ملنے جاتے ہیں اور وہاں سے نیا مشن لے کر یہاں آ جاتے ہیں..... لندن' جرمنی اور پیرس میں دہشت گردی کے واقعات میں اس کے مرید گرفتار ہوئے ہیں لیکن کیا مجال انہوں نے پیرزادہ کا نام منہ سے نکالا ہو..... ایجنسیوں کے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہوتا ہے کہ گرفتار ہونے والے نے آخری ملاقات پیرزادہ سے کی تھی اسی کی ہدایت اور حکم پر یہ وارداتیں کی ہے لیکن پکڑے جانے والے اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اسے اپنا روحانی پیشوا تو مانتے ہیں لیکن یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ تخریبی کارروائیاں اس کے حکم پر ہو رہی ہیں.....''

کارل سمتھ پیرزادہ سے متعلق تفصیلات لیزا مارٹن کو سنا رہا تھا اور لیزا مارٹن کی

دلچسپی بڑھتی چلی جارہی تھی۔ قریباً ایک گھنٹہ بعد جب وہ کارل سمتھ کے کمرے سے باہر نکل رہی تھی تو اس کی صرف اور صرف ایک ہی خواہش تھی کہ وہ کسی بھی طرح اڑ کر پاکستان پہنچے اور پیرزادہ کے منہ سے کوئی ایسی بات اگلوالے جس کے ذریعے وہ سارے میڈیا پر چھا سکے۔

☆O☆

اگلے چوبیس گھنٹوں میں لیزا مارٹن کو اس کا پاسپورٹ پاکستانی ویزے سمیت مل گیا۔ پی آئی اے کی ایگزیکٹو کلاس میں اس کے لئے سیٹ بک ہو چکی تھی۔ اسے دو روز بعد پاکستان جانا تھا۔ نیویارک سے اسلام آباد اور پھر اسلام آباد سے کوئٹہ جہاں ایک فائیو سٹار ہوٹل میں اس کے لئے کمرہ بک ہو چکا تھا۔

''وہاں بہت سی خبریں تمہاری منتظر ہوں گی لیزا..... لیکن اچھا صحافی وہ ہے جو بھیڑ کے پیچھے نہ بھاگے بلکہ اپنی الگ شناخت برقرار رکھے..... تمہارا ٹارگٹ پیرزادہ ہے پیرزادہ..... بہرصورت اس کا انٹرویو حاصل کرو خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے..... میں تمہیں وہاں اپنا ایک ''سورس'' دوں گا..... بڑا ذہین لڑکا ہے نوید اختر..... میرے لئے اس نے بہت کام کیا ہے جب میں وہاں سٹیشن انچارج تھا۔ تم اس سے کھل کر ہر بات کر سکتی ہو۔ اسے اعتماد میں لے کر کوئی بھی بڑا ایڈونچر کر سکتی ہو..... بہت وفادار لڑکا ہے..... بس اس کا ذرا خیال رکھنا.....''

اس نے دمِ رخصت لیزا مارٹن کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ مطمئن رہیں اور دیکھتے جائیں میں آپ کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہوں ..... سر! ایسا ''بریک تھرو'' کروں گی کہ سب حیران رہ جائیں گے.....''

لیزا نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ تو ہے''.....

کارل سمتھ نے ذومعنی بات کہہ کر خود ہی قہقہہ لگایا۔

لیزا کو اس کی بات تو سمجھ نہ آئی لیکن اخلاقاً اس نے بھی دانت نکال دیئے کیونکہ کارل سمتھ اس کا ''باس'' تھا اور ایک امریکن کمپنی کی ملازمہ کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی ہوتی تھی کہ ''باس ہمیشہ درست ہوتا ہے''

''او۔ کے تم تیاری کرو جانے کی..... وش یو آل دی بیسٹ'' Wish you all the best

کارل نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے لیزا نے گرم جوشی سے تھام کر دو تین مرتبہ دبایا اور احساس تشکر سے باہر آ گئی۔ جہاں ہال کمرے میں اس کے ساتھی اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ ان کے لئے یہ بات بڑی حیران کن تھی کہ اتنے جونیئر صحافی ہونے کے ناطے اسے آخر کس طرح اتنی اہم رپورٹنگ کی اجازت مل گئی۔

''تمہیں اس کی اصل کوالی فیکیشن کا تو علم ہی نہیں''۔

سمارتھا نے بڑے جلے کٹے لہجے میں فقرہ اچھالا۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے مس سمارتھا لیکن ٹیلنٹ بہرحال اپنی اہمیت منوا کر رہتا ہے.....''

بوڑھے جان ہاک نے طنز کیا۔

''جی ہاں اگر ٹیلنٹ یہودی بھی ہو تو کیا کہنے؟''.....

سمارتھا بھی جلی بھنی بیٹھی تھی۔

''یہودی تو میں بھی ہوں ڈارلنگ..... اپنی اپنی قسمت کی بات ہے''۔

ڈھلتی عمر کی ایڈیٹر انچارج ایشلی نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ میں لیزا جیسی گرم جوشی باقی نہیں رہی میڈم''۔

بوڑھے جان ہاک کی بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔

☆O☆

جیکسن ہائیڈ پر آصف شاہ کی آمد کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس کا آنا جانا

یہاں لگا ہی رہتا تھا۔ خصوصاً یہاں کا گجراتی ریسٹورنٹ اس کا پسندیدہ ہوٹل تھا جہاں کے گجراتی اور مدراسی کھانے آصف شاہ کو خاصے مرغوب تھے۔

''ڈوسا مصالحہ''.....

اس نے کاؤنٹر کے قریب کھڑے ہو کر اپنے خصوصی ویٹر سے کہا اور وہاں موجود شناسا چہروں سے باری باری ہاتھ ملاتا بالآخر کونے کی میز پر جا کر بیٹھ گیا۔

عین ان لمحات میں جب وہ گجراتی ہوٹل میں داخل ہوا۔ ایک مقامی کالے نے اپنے موبائل فون سے اس کی آمد اور ہوٹل میں موجودگی کا پیغام آگے پہنچا دیا تھا۔

ایف بی آئی کا یہ مخبر گزشتہ پندرہ روز سے آصف شاہ کے ساتھ سائے کی طرح چپکا ہوا تھا اور اس کی سارا دن کی سرگرمیاں تفصیل کے ساتھ ایف بی آئی کے کمپیوٹر کو نوٹ کروا رہا تھا۔

آصف شاہ سے متعلق ایف بی آئی کو پکا یقین تھا کہ پاکستان میں موجود پیرزادہ سے اس کا گہرا تعلق ہے اور امریکہ سے پیرزادہ کے لئے جو فنڈنگ ہوتی ہے اس کا ایک اہم ذریعہ آصف شاہ ہی ہے۔

لیکن.....ایف بی آئی یقین کی حد تک قائم کردہ اس مفروضے کا ابھی تک کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکی تھی۔ انہوں نے آصف شاہ کی معمول کی نگرانی کی تھی اور کبھی خاطر خواہ نتائج برآمد نہ کر سکے۔

11 ستمبر کے بعد سے صورت حال میں اچانک جو شدت پیدا ہو گئی تھی اس نے ایف بی آئی کو ماضی کے تمام بھولے سبق یاد دلا دیئے تھے۔

آصف شاہ کی چھ سات ماہ پہلے بند ہو جانے والی فائل دوبارہ کھل گئی اور امریکہ میں موجود دیگر ہزاروں ''مشتبہ پاکستانیوں'' کی طرح ایف بی آئی نے اس کے گرد بھی مخبروں کا جال پھیلا دیا۔ ایف بی آئی کے مقامی باس نے اس سلسلے میں جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی اس میں ناکامی کے چانسز بہت کم تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ ''مشتبہ'' پر مسلسل نظر رکھو

اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو.....ملزم کتنا بھی چالاک ہو کبھی نہ کبھی وہ کوئی ایسی غلطی ضرور کرتا ہے جس سے اس کی اصلیت بے نقاب ہو جائے.....اور آج آصف شاہ نے بھی اتفاق سے وہی غلطی دہرائی تھی.....

اس بات کا تو اسے علم تھا کہ اس کے گھر اور آفس کے فون ''بگ'' ہو رہے ہیں لیکن یہ گمان اسے نہیں تھا کہ نیویارک کے تمام ایسے فون بوتھ جہاں پاکستانیوں کی آمد متوقع ہو پر ایف بی آئی کی نظر ہے۔

اس نے کھانے سے فارغ ہو کر پے کارڈ کے ذریعے گجراتی ہوٹل میں نصب فون بوتھ سے انٹرنیشنل کال ملائی تھی۔

پاکستان میں یہ کال کسی ''ملک صاحب'' نے موصول کی اور آصف شاہ نے بھی اپنے اصلی نام کے بجائے ''چودھری'' کے نام سے بات کی تھی..... دونوں نے ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی۔ کاروبار سے متعلق معلومات کا تبادلہ کیا اور ''چودھری'' نے ''ملک صاحب'' سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے دو روز میں وہ رقم ان تک پہنچا دے گا۔

فون بند کرنے پر وہ دوبارہ ہوٹل کے کاؤنٹر پر آیا اپنے کریڈٹ کارڈ سے اس نے بل ادا کیا اور اپنی راہ لی.....

اگلے دو روز بعد اس نے معمول کے مطابق مقامی مارکیٹ میں ''ہنڈی'' کا کاروبار کرنے والے مقامی ایجنٹ کے ذریعے رقم ملک صاحب کو پہنچا دی.....

☆O☆

دوسرے روز آصف شاہ اپنے گھر سے معمول کے مطابق آفس جانے کے لئے روانہ ہوا اور اس پارکنگ لاٹ تک پہنچا جہاں وہ گاڑی کھڑی کیا کرتا تھا۔ ابھی اس نے گاڑی دروازے کے طرف بمشکل ہاتھ ہی بڑھایا تھا جب اچانک اس کے نزدیک ایک کار کے پہیے زوردار آواز سے چرچرائے اور دو لمبے تڑنگے نوجوان اگلے دروازوں سے باہر نکل کر اس کی طرف بڑھے.....

''ایف بی آئی''.....

دونوں نے اپنے خصوصی کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا.....

''یس سر''.....

آصف شاہ نے خود کو نارمل رکھا۔

''مسٹر شاہ آپ کو ہمارے ساتھ جانا ہے''.....

ایف بی آئی مارشل نے اسے حکم سنایا۔

''لیکن کیوں؟''.....

آصف شاہ نے بظاہر حیرانگی ظاہر کی۔

''ابھی ہم بتا نہیں سکتے''.....

اسی مارشل نے بڑے سرد لہجے میں پستول اس کے منہ کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

عام حالات میں شاید آصف شاہ اس صورت حال کو برداشت نہ کرتا اور اسے کھری کھری سنا بھی دیتا لیکن 11 ستمبر کے بعد سے یہاں پاکستانیوں کی پولیس اور ایف بی آئی کے ہاتھوں جو درگت بن رہی تھی اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ چلا جائے اس نے اب تک ایسے درجنوں ''پاکستانی امریکن'' کی کہانیاں سن لی تھیں جنہوں نے اپنا قانونی استحقاق جتانا چاہا جواب میں پولیس اور ایف بی آئی نے ان کی اچھی خاص ٹھکائی کرنے کے بعد انہیں اٹھا کر اپنی گاڑی میں پھینکا اور چل دیئے۔

آصف شاہ کو پاکستان سے آئے بارہ سال ہو رہے تھے وہ پاکستان سے امریکہ پاکستانی پولیس کے ظلم و تشدد اور انتقامی کارروائیوں کا شکار ہونے کے بعد ہی غیر قانونی طریقے سے بھاگ کر آیا تھا اور امریکہ میں پانچ چھ سال تک اس کا موضوع سخن عموماً پاکستانی پولیس ہی رہا کرتی تھی۔

لیکن..... یہاں گزشتہ چند روز سے جو سلوک خصوصاً پاکستانیوں کے ساتھ ہو رہا تھا اس کے بعد سے اسے امریکنوں کے مقابلے میں پاکستانی پولیس فرشتہ دکھائی دیتی تھی۔

☆O☆

احتجاج کا ایک لفظ اپنے منہ سے نکالے بغیر وہ چپ چاپ ایف بی آئی والوں کی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اگلے پندرہ منٹ بعد وہ ایف بی آئی کے مقامی آفس میں ملزموں کی طرح ایک کرسی پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

اس کے سامنے وہ دونوں مارشل موجود تھے جو اسے یہاں تک لائے تھے۔ دونوں کے درمیان ایک لکڑی کی بھاری میز بھی دھری تھی لیکن نجانے کیوں آصف شاہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی یہ لکڑی کی میز دونوں کے درمیان سے ہٹے گی اور ایف بی آئی کے یہ مارشل اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیں گے۔

ان کی آنکھوں سے جھانکتی نفرت اور زہر اگلتی زبانوں کا قہر کوڑوں کی طرح آصف شاہ کے دل و دماغ پر برس رہا تھا۔

''اسے جانتے ہو مسٹر شاہ؟''

مارشل نے پیرزادہ کی ایک تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

''ہاں''.....

آصف شاہ کے لئے جھوٹ بولنا ممکن نہیں تھا۔

''کیسے؟''

اگلا سوال خاصے تلخ لہجے میں کیا گیا تھا۔

''ایک دینی راہنما کی حیثیت سے۔ اس کی تصویر اخبارات میں چھپتی رہی ہے اور پاکستان میں اس کی شہرت ایک پیر کی سی ہے''۔

آصف شاہ نے بظاہر چالاکی دکھائی۔

''اس سے زیادہ نہیں؟''

دوسرے مارشل نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں''.....

آصف نے قدرے سنبھل کر کہا۔

''پیرزادہ سے تمہاری کوئی ڈیلنگ تو نہیں رہی ناں؟''

''نہیں.....کبھی نہیں''.....

آصف نے اصرار کیا۔

''مسٹر شاہ میں نے تمہیں شروع میں کہہ دیا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا اسی طرح تم بچ سکو گے.....لیکن یوں لگتا ہے کبھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا.....''

مارشل کو غصہ آنے لگا تھا۔

''دیکھو مسٹر مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

آصف کو تو یقین تھا کہ اس نے کوئی ایسی غلطی یا بے احتیاطی نہیں کی جس کی وجہ سے اس کا پیرزادہ سے کوئی تعلق ظاہر ہو۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو مسٹر شاہ.....نہ صرف تمہارا اس سے تعلق ہے بلکہ تم اسے ہنڈی کے ذریعے ڈرگ منی بھیجتے ہو اور جعلی نام اور شناخت کے ساتھ یہ سب غیر قانونی کام کر رہے ہو''.....

مارشل نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر کہا۔ دونوں کے درمیان میز موجود تھی لیکن غصے سے اس کے منہ سے جو شعلے نکل رہے تھے ان کی تپش آصف شاہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

''کک کیا.....ڈرگ منی.....م میں سمجھا نہیں''۔

آصف شاہ واقعی گڑبڑا گیا تھا.....

''ابھی سمجھ جاؤ گے''.....

دوسرے مارشل نے کہا اور ایک ٹیپ کا سوئچ آن کر دیا۔

اس میں موجود کیسٹ پر اسی گفتگو کی ریکارڈنگ موجود تھی جو اس نے گجراتی ہوٹل سے کی تھی۔ آصف شاہ کو شدید سردی میں اپنا بدن پسینے میں بھیگتا محسوس ہو رہا تھا۔

''لیکن میں نے تو اپنے کزن ملک امجد سے بات کی ہے''.....

آصف شاہ نے بظاہر سنبھلنا چاہا۔

''لک مسٹر شاہ..... ہمارے پاس یہاں سے بذریعہ ہنڈی پچاس ہزار ڈالر پیرزادہ کو بھیجنے اور اس کے پاکستان میں موصول کرنے کا پورا ریکارڈ موجود ہے.....تم جتنا جھوٹ بولو گے اتنا ہی زیادہ پھنستے جاؤ گے.....جانتے ہو پیرزادہ دہشت گردی میں مطلوب ہے.....اس کے وارنٹ ہم جاری کرنے والے ہیں''.....

مارشل کی ایک ہی دھمکی نے آصف شاہ کو لٹا دیا۔

''یہ مت بھولو مسٹر شاہ کہ تم آج بھی پاکستانی پولیس کو کئی کیسوں میں مطلوب ہو۔ اگر ہم نے تمہیں پاکستانی پولیس کے حوالے کر دیا تو ساری زندگی جیل میں گزارو گے.....''

دوسرے مارشل کی دھمکی نے تو اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

''تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''.....

آصف شاہ نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

''یہ ہوئی ناں بات''.....

مارشل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆O☆

میزبان

پی آئی اے کی جس پرواز سے لیزا مارٹن پاکستان کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی یوں دکھائی دیتا تھا اس کا سارا عملہ اسی کی خدمت کی تنخواہ لے رہا ہے۔ نیویارک سے فرینکفرٹ تک ایگزیکٹو کلاس کی تینوں ایئر ہوسٹس اس سے چپکی رہی تھیں انہوں نے لیزا مارٹن کی یوں پذیرائی کی تھی جیسے اس کا تعلق صدر امریکہ کے پرسنل سٹاف سے ہو۔

لیزا مارٹن کی خدمت میں سرگرم ان فضائی میزبانوں کو دیکھ کر کوئی اندھا بھی یہ بات حلفاً کہہ سکتا تھا کہ پی آئی اے کی خدمت کی روایت دنیا بھر کی ایئر لائنوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ انہوں نے گرم ٹھنڈے مشروبات اور انواع و اقسام کے کھانوں سے لیکر لیزا مارٹن کے گرم اور ٹھنڈے تولیے سے ہاتھ دھلوانے تک اس انداز سے اس کی عزت افزائی کی تھی جیسی مغلیہ دور کی کنیزیں اپنے بادشاہوں کی دانستاؤں کی کیا کرتی تھیں۔

لیزا مارٹن نے زندگی میں کبھی ایسی پذیرائی کا تصور نہیں کیا تھا۔ اس کی ساری جھجک ختم ہو گئی تھی اور اسے یوں لگتا تھا جیسے پاکستان میں اس کے لئے سرخ قالین بچھ گئے

ہیں اور وہ آسانی سے پیرزادہ سے انٹرویو کا معرکہ سر کر کے کوئی بڑا "بریک تھرو" کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

اس نے کرنا بھی کیا تھا؟

پیرزادہ کو اپنے ناز و انداز اور چرب زبانی سے امریکہ کے خلاف لغویات بکنے پر مائل کرنا اور اسی کے منہ سے دہشت گردوں کے حق میں کلمہ خیر کہلانا.....

"ہونہہ..... یہ بھی بھلا کوئی کام ہے"..... اس نے بڑی نخوت سے زیر لب مسکراتے ہوئے خود سے کہا۔

فرینکفرٹ کے بعد ان کی اگلی منزل اسلام آباد تھی۔ فرینکفرٹ سے اس کے ساتھ والی خالی سیٹ پر کوئی بڑا پاکستانی سرکاری افسر سوار ہوا تھا۔ شاید وہ یہاں کسی اہم سرکاری مشن پر آیا اور اب وطن واپس جا رہا تھا۔ ابتدائی تعارف پر لیزا مارٹن کی امریکی شہریت کے انکشاف نے افسر اعلیٰ کی ذہنی اور جسمانی کیفیت ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ سب کچھ بھول بھلا کر صرف لیزا مارٹن کی پاکستان میں خدمت کا کوئی بہانہ تلاش کرنے کے مشن پر ہی یہاں آیا تھا۔

اس نے لیزا مارٹن کے سامنے اپنی افسری اور اثر و رسوخ کی ایسی ایسی داستانیں بیان کی تھیں جنہیں سن کر لیزا مارٹن کو وہ سی آئی اے کی ڈائریکٹر سے بھی زیادہ اہم شخصیت محسوس ہونے لگا۔

"کوئی بھی خدمت میرے لائق ہو..... نو پرابلم..... کسی سرکاری ڈاکومنٹ کی ضرورت پڑے..... بندہ حاضر ہے..... افغان ڈائریکٹوریٹ میرے ماتحت ہے..... کسی کی جرأت نہیں میرا کوئی حکم ٹال سکے..... مجھے بہت خوشی ہو گی آپ کی کوئی بھی خدمت کر کے..... گاڑی، بنگلہ، ڈرائیور کچھ بھی فرمائیں..... سب حاضر ہے....."

اسلام آباد پر لینڈنگ سے پہلے اس نے اپنی ٹپکتی رال کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے لیزا مارٹن کو اس عاجزی سے اپنی خدمات کی پیشکش کی تھی کہ لیزا مارٹن گڑبڑا کر ہی رہ

گئی۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے گریبان پر گیا اور نامحسوس انداز میں اس نے اپنی گرم بنیان کو گردن تک کھینچ لیا.....

اپنے وزنگ کارڈ پر دو تین خصوصی موبائل نمبروں کا اندراج کرنے کے بعد اس نے اپنا کارڈ لیزا کے پرس کی اگلی جیب میں زبردستی ڈال دیا..... وہ تو لیزا کو اپنا موبائل بھی دینے پر تلا ہوا تھا تاکہ "رابطے" میں کوئی پرابلم نہ رہے لیکن لیزا مارٹن کے لئے یہ ممکن نہیں تھا اسے سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ اس نوعیت کی کوئی پیشکش قبول نہ کرے.....

ایئرپورٹ پر اعلیٰ افسر کو Receive کرنے کے لئے اس کے ماتحت جہاز کی سیڑھیوں کے پاس موجود تھے۔ اس نے لیزا مارٹن کے سامنے سوائے ہاتھ باندھنے کے باقی ہر حربہ استعمال کر لیا تھا کہ وہ یہیں سے اس کے ساتھ کار میں سوار ہو کر جائے لیکن اب نجانے کیوں لیزا مارٹن کو اس سے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا۔

"تھینک یو مسٹر خان..... تھینک یو ویری مچ..... مجھے ایمبیسی کے لوگ لینے آئے ہوں گے۔ پھر سہی....."I'l be in touch"

اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی افسر اعلیٰ کے ساتھ جھوٹ بول کر اپنی جان بخشی کروائی۔ افسر اعلیٰ کا سامان اس کے ماتحتوں نے وصول کرنا تھا۔ وہ یہاں سے ایک لمبی کار میں سوار ہو گیا تھا اور رن وے پر کافی دور تک پچھلی سیٹ سے گردن باہر نکال کر لیزا کو ہاتھ لہراتا رہا۔ لیزا کو یہی دھڑکا لگا رہا کہیں وہ اپنے بھاری بھرکم جسم سمیت کھڑکی سے باہر ہی نہ گر پڑے۔

☆O☆

پیرزادہ کے فون کی گھنٹی شاید ہی کبھی خاموش رہی تھی..... لیکن وہ کبھی کوئی فون براہ راست نہیں اٹھاتا تھا..... ماضی کے تلخ تجربات نے اسے بہت محتاط کر دیا تھا۔ وہ ہر عمل کا محاسبہ کرنے لگا تھا اور اس بات کے لئے کوشاں رہتا تھا کہ اس کی کوئی بھی سرگرمی خلاف معمول دکھائی نہ دے کیونکہ ملکی اور غیر ملکی ایجنسیوں کی نظر کرم اس پر ضرورت سے

زیادہ ہی رہی تھی۔

پیرزادہ کا اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں تھا کہ اس کا تعلق ایک دیندار گھرانے سے تھا اور اپنی خاندانی روایات کے برعکس اس کے والد نے ابتداء میں اسے انگریزی زبان میں تعلیم دلائی تھی۔ جونیئر اور سینئر کیمبرج اس نے لندن سے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی دینی تعلیم بھی جاری رکھی۔ مصر کی جامعہ ازہر سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد تبلیغ سے منسلک ہوا اور ساری دنیا گھومتا بالآخر امریکہ میں فروکش ہو گیا۔

پیرزادہ کے دینی شعور نے اس میں ملی غیرت کا جذبہ بھی اجاگر کر دیا تھا۔ وہ اپنے ملک کے خلاف کسی حرکت پر بھی ایسے ہی ردعمل کا اظہار کرتا تھا۔ جیسے اس کے مذہب کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو۔ وہ عجیب دور تھا جب پیرزادہ نے امریکہ میں ڈیرے جمائے۔

ایک طرف تو اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہونے والے امریکنوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف اس کے کشف و کرامات کی دھوم پڑی تھی..... عملیات کے ذریعے بیماریوں کا علاج اسے وراثت میں ملا تھا۔ اس نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق "چلہ کشی" کر کے قرآنی علوم کے ذریعے جسمانی اور نفسیاتی عوارض کا علاج کرنا شروع کیا اور اپنے اخلاص کی وجہ سے اس میں شہرت حاصل کرتا گیا.....

پیرزادہ نے اپنے والد کی اجازت سے یہاں کی نومسلم عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس طرح امریکہ میں اسے قانونی حیثیت سے قیام کی سہولت بھی میسر آ گئی۔ ون بدن جہاں اس کے مریدوں اور متوسلین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا وہاں اس کی مخالفت بھی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس مخالفت میں پیش پیش یہاں کی وہ ہندو لابی تھی جو اسے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتی تھی۔

پیرزادہ نے دوران قیام نہ صرف دو مسجدیں بنوا دی تھیں بلکہ ایک جدید طرز اور سہولیات کا حامل دینی مدرسہ بھی قائم کر دیا تھا یہاں سینکڑوں کی تعداد میں نومسلم بچے اور بچیاں دینی تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ ممکن ہے اس حد تک وہ قابل برداشت رہتا لیکن جب

ایک روز اس نے فلسطین، کشمیر اور دنیا کے دیگر ممالک میں مظلوم و مقہور مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کے خلاف بطور احتجاج اپنے مریدین سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھوائی خصوصاً مقامی انڈین قونصلیٹ نے اسے اپنے لئے خطرہ جاننا شروع کر دیا۔

امریکہ کی اس ریاست میں بھارتی امریکنوں نے مضبوطی سے اپنے پاؤں رکھے تھے۔ مقامی کانگریس مین اور سینٹرز سے ان کے روابط بڑے مضبوط تھے جن پر پیرزادہ نے نقب لگائی تھی اور پہلی مرتبہ اس کی کوششوں سے مقامی سینٹرز کی طرف سے مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے بھارتی مظالم کے خلاف ایک قرارداد مذمت امریکن سینٹ میں پیش کی گئی تو انڈین قونصلیٹ کا ماتھا ٹھنکا۔

بھارتی قونصلیٹ نے اس کے بعد سے پیرزادہ کے خلاف باقاعدہ مہم کا آغاز کر دیا جس میں اس کے مخالف اسی کے ہم وطنوں کی خدمات بھارتیوں کو اتفاق سے حاصل ہو گئیں کیونکہ پیرزادہ کی یہاں آمد کے بعد سے کچھ پاکستانی امریکن خواہ مخواہ اسے اپنے لئے بھی خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔

پیرزادہ نے بھارتی سازشوں کی طرف اپنا دھیان بٹانے کے بجائے اپنے کام پر توجہ زیادہ مرکوز رکھی اس کی تنظیم کی طرف سے کشمیری اور دیگر مظلوم مسلمانوں کے لئے فنڈ کی فراہمی کو بھارتی قونصلیٹ نے دہشت گردی کا رنگ دینا شروع کیا اور جلد ہی انہیں اپنے مشن میں کامیابی بھی مل گئی جب ایک روز امریکن حکومت کی طرف سے پیرزادہ کو امریکہ چھوڑ دینے کا حکم ملا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ حکم ''آف دی ریکارڈ'' ہے لیکن اسے بہرحال اس کی تعمیل کرنی ہے بصورت دیگر اس کے خلاف خطرناک مقدمات قائم ہو جائیں گے۔

پیرزادہ نے عافیت یہاں سے نکل جانے ہی میں جانی اور پاکستان چلا آیا۔ لیکن اپنے مریدوں سے اس کا روحانی تعلق ٹوٹنے کے بجائے مزید مضبوط ہوتا چلا گیا وہ پیرزادہ اپنے مرشد کی حیثیت سے نذرانہ تسلسل سے بھیجتے رہے..... پیرزادہ اس رقم کو جہاد کرنے والوں کی معاونت پر صرف کرنے لگا اور جلد ہی اس کی شہرت امریکی بیوی رکھنے والے ایک

ایسے روحانی عامل اور پیر کی حیثیت سے پھیلنے لگی جو انگریزی زبان بڑی مہارت اور روانی سے بولتا تھا اور جس کے پاس تبلیغ اور جہاد کے لئے جدید ترین ذرائع موجود تھے۔

مقامی ایجنسیوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ دہشت گرد نہیں البتہ جذباتی حد تک مسلک اور مذہب سے عقیدت رکھنے والا پڑھا لکھا سائنسی امور پر عبور رکھنے والا پیر ہے جسے اب اپنی شہرت کا شوق بھی چرانے لگا ہے۔ ان کا آنا جانا پیرزادہ کے ہاں لگا رہتا تھا۔

دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک تھا جہاں پیرزادہ کے جانثار موجود نہ رہے ہوں۔ آصف شاہ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ پاکستان کا اشتہاری ملزم آصف شاہ جو امریکہ میں گرین کارڈ ہولڈر تھا ان دنوں پیرزادہ کے آستانے تک پہنچا جب اس کی شہرت خاصی پھیل چکی تھی۔ آصف شاہ کو پیرزادہ کی شخصیت کے سحر نے ایسا جکڑا کہ اس کی زندگی کا رنگ ڈھنگ ہی بدل کر رہ گیا.....

پیرزادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اس کا شمار اب پیرزادہ کے مریدین کے حلقہ خاص میں ہونے لگا تھا۔ وہ دل سے اس حقیقت کا قائل تھا کہ پیرزادہ اپنے دین اور ملک کا خدمت گار ہے.....

پیرزادہ کے امریکہ سے جانے کے بعد یہاں ہونے والی دہشت گردی کی وارداتوں میں ہندو اور یہودی پریس کی طرف سے پیرزادہ کا نام لیا جانے لگا جس پر ان کے مرید کچھ محتاط ہو گئے اور مخصوص ماضی رکھنے کی وجہ سے آصف شاہ یوں بھی بڑا محتاط تھا اس لئے اس نے اپنی رہائش تبدیل کر لی تھی اور کیلی فورنیا سے اب نیویارک آ گیا تھا۔ پیرزادہ سے البتہ اس کا تعلق روز بروز مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔

پیرزادہ کے نزدیک بھی اس کا شمار اپنے خاص مریدوں میں ہوتا تھا جن سے وہ کئی معاملات پر مشاورت بھی کیا کرتا تھا۔

☆O☆

فون کی گھنٹی بجنے پر جب پیرزادہ کے خادم نے بتایا کہ آصف شاہ کا نیویارک سے

فون آیا ہے تو وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک کر رہ گیا کیونکہ آصف شاہ اپنے اصلی نام کے بجائے عموماً چودھری کے نام سے بات کیا کرتا تھا۔

پیرزادہ نے سوچا ممکن ہے اس نے ایسی ضرورت نہ سمجھی ہو اور فون کی طرف متوجہ ہوا۔ دوسری طرف سے دعا سلام کے بعد جب آصف شاہ نے اچانک جہاد اور طالبان کے حوالے سے بات شروع کی تو پیرزادہ چونکا اور سمجھ گیا کہ اس پر جال پھینکا جا رہا ہے۔

اس نے آصف شاہ کو قریباً ڈانٹتے ہوئے کہا کہ اس کا ذہنی توازن تو خراب نہیں ہو گیا..... کون سے طالبان اور کیسا جہاد؟ اور وہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ اس نے آصف شاہ کو وظائف پڑھنے کی تلقین کی اور اپنی زبان سے ایک بھی ایسا لفظ نہ نکالا جو ان لوگوں کے لئے مددگار ثابت ہوتا جو آصف شاہ کو بلیک میل کرنے میں کامیاب ہونے کے بعد پیرزادہ کے خلاف یہ سازش کر رہے تھے۔

''آج کے بعد اس کی کوئی کال مجھے تھرو نہ کرنا..... جیسے ہی اس کا فون آئے فون بند کر دو.....''

اس نے اپنے خادم کو ہدایت کی۔

11 ستمبر کے بعد سے پیرزادہ خاصا چوکنا ہو گیا تھا۔

اسے اس بات کا تو علم تھا کہ اس کے خلاف ہندو لابی اور کچھ امریکنوں کی مہربانیوں سے ایف بی آئی سرگرم ہے اور جلد یا بدیر یہ لوگ اسے کسی نہ کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کریں گے لیکن 11 ستمبر کے حادثے کے بعد سے جس طرح دنیا بھر میں جہاد سے دلچسپی رکھنے والے مسلمانوں پر زمین تنگ ہو رہی تھی اس کے بعد سے پیرزادہ بھی محتاط ہو گیا تھا۔

اس نے یہ ضرور چاہا تھا کہ دنیا بھر میں اپنی آزادی اور عزت نفس کے حصول کے لئے سرگرم عمل مجاہدین کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہو اپنے مریدوں کی طرف سے ملنے والے نذرانوں کے ذریعے وہ ان مجاہدین کی خدمت بھی کرتا رہتا تھا لیکن آج تک اس نے

کسی دہشت گردی میں براہ راست کردار ادا کرنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے کام کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر وہ اس سلسلے میں متحرک ہوتا تو اس کے لئے لاینحل مسائل پیدا ہو جاتے۔ جہاں ایک شاندار زندگی کے بدلے وہ پابند سلاسل ہو جاتا وہیں اس کی ہر ماہ مریدوں کے نذرانوں کے ذریعے ہونے والی لاکھوں روپے کی آمدن بھی داؤ پر لگ جاتی اور امریکہ کے بعد دنیا کے دوسرے ممالک بھی اس کی سفری سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دیتے۔

یہ پیرزادہ کے لئے بڑا مہنگا سودا تھا۔

اس کی کوشش تھی کہ وہ مغربی پریس کے ذریعے اپنی پوزیشن صاف کرے اور اپنے پر لگا دہشت گردی کا دھبہ ختم کرے۔

پیرزادہ کو اس تلخ سچائی کا شدت سے احساس تھا کہ 11 ستمبر کے بعد سے امریکن جسے اور جب چاہیں دہشت گرد قرار دے کر اپنے قبضے میں لے سکتے ہیں۔

اس نے یہی کچھ سوچ کر اپنے ایک ''مقامی دوست'' کا فون ملایا تھا۔ یہ وہ ''دوست'' تھا جس پر اس کے بے شمار احسانات تھے اپنے مریدوں کے ذریعے اس نے ماضی میں اس ''دوست'' کے لئے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اپنی خدمات کی بنیاد پر اس کا دوست چھوٹے عہدوں سے ترقی کر کے اچانک بڑا افسر بن گیا تھا۔ پیرزادہ نے کبھی اس سے کوئی کام نہیں لیا تھا لیکن اب حالات ایسے ہو رہے تھے خصوصاً آصف شاہ کے فون کے بعد سے وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ ایف بی آئی اس کے گرد جال بن رہی ہے اور کسی بھی وقت وہ شکنجے میں پھنس سکتا ہے۔

پیرزادہ کے اس ''دوست'' کے امریکی حلقوں میں اچھے خاصے مراسم تھے اور اسے امید تھی کہ اپنے اس احسان مند دوست کے ذریعے وہ امریکنوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہی کچھ سوچ کر اس نے فون ملایا تھا۔

''یس''

دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی غالباً اس کے کسی ماتحت کی آواز تھی۔

''مجھے سمیع صاحب سے بات کرنی ہے''۔

پیرزادہ نے معمول کے مطابق کہا اسے امید تھی کہ اس ڈیپارٹمنٹ میں شاید ہی کوئی ایسا افسر ہوگا جو اس کی آواز نہ پہچانتا ہو.....

''آپ کون صاحب ہیں؟''.....

دوسری طرف سے اکھڑ لہجے میں پوچھا گیا۔

''پیرزادہ''

اس نے اپنا نام اور فون نمبر بتایا۔

چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی کہ سمیع صاحب تو پندرہ روز پہلے یہاں سے جا چکے ہیں اور فون بند کر دیا گیا۔

''ناممکن''.....

پیرزادہ فون رکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کے ذرائع اطلاعات بڑے مستند تھے۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ سمیع صاحب اسی جگہ موجود ہے اور اپنے ادارے کا ڈپٹی ڈائریکٹر بن چکا ہے لیکن اس کے ساتھ ایسا سلوک ہوگا؟ اس کا پیرزادہ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''احسان فراموش''

اس نے زیر لب کہا اور خاموشی سے فون کی طرف دیکھنے لگا جس کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی تھی۔ خادم نے فون اٹھایا تو پیرزادہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جس کا مطلب تھا کہ اب وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا۔

☆O☆

ایف بی آئی کے آپریشنل ونگ کا مقامی انچارج اب تک دس پندرہ مرتبہ کیسٹ ریورس کر کے آصف شاہ اور پیرزادہ کی گفتگو سن چکا تھا۔

''ڈیم اٹ''.....

اس نے غصے سے میز پر مکہ مارا۔

''بہت چالاک آدمی ہے سر! میرا واسطہ اس سے پڑ چکا ہے میں نے کیلے فورنیا سے اپنی سروس کا آغاز کیا تھا''.....

مارشل آسٹن بولا۔

''کچھ بھی ہو بچ کر نہیں جا سکتا یہ ہم سے.....''

انچارج کا غصہ بدستور قائم تھا۔

''لیکن سر! کسی ثبوت کے بغیر آخر کس طرح ہم.....''

''بے وقوف اب کیسا ثبوت۔ 11 ستمبر کے بعد ہمیں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اب تو موقعہ ملا ہے ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کا''.....

انچارج نے مارشل آسٹن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''لیکن سر! یہ تو بے انصافی ہوگی''.....

مارشل آسٹن کہے بغیر نہ رہ سکا۔

''دیکھو آسٹن میں کسی کورٹ کا جج نہیں نہ ہی ہم یہاں لوگوں کو انصاف دینے بیٹھے ہیں۔ ہمارا کام ملزموں کو پکڑ کر ''کورٹ آف جسٹس'' تک پہنچانا ہے تاکہ انہیں مناسب انصاف مل سکے''۔

انچارج نے عجیب سے لہجے میں ایسی بات کہہ دی جو مارشل آسٹن کے لئے ناقابل یقین تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایف بی آئی بھی انتقام کی اسی آگ کا ایندھن بن جائے گی۔ جو کچھ گزشتہ پندرہ بیس روز سے وہ عربی اور پاکستانی مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے وہ اس کے لئے ناقابل تصور تھا لیکن ایک ڈسپلن کا حصہ ہونے کے ناطے

وہ احتجاج نہیں کر سکتا تھا۔

آصف شاہ کی فائل اسے سونپی گئی تھی اور اس نے آصف شاہ کی مدد سے پیرزادہ کو دہشت گرد ثابت کروانا تھا۔ ابھی تک آصف شاہ ان کی تحویل میں تھا اس نے ایف بی آئی کے دباؤ پر پیرزادہ کو فون کر دیا تھا اور پہلے سے از بر کروائی گئی گفتگو بھی دہرا دی تھی لیکن اس کا ضمیر اسے شدت سے ملامت کر رہا تھا۔

وہ کرتا بھی کیا؟ بصورت دیگر اسے صرف پاکستانی پولیس ہی کو سونپ دیا جاتا تو اس کا کیا حشر ہوتا؟

آج اسے گھر جانے کی اجازت ملی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنی گرفتاری اور اس واقعہ کا تذکرہ کسی سے نہیں کرے گا۔

امریکہ میں اس کی بیوی اور دو بچے اس کے پاؤں کی زنجیر بن چکے تھے ورنہ اس کے لئے کوئی اور راستہ بھی کھل سکتا تھا۔

لیکن..... اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا اب اسے وہی کرنا تھا جس کا حکم ایف بی آئی کی طرف سے ملتا۔

☆O☆

لیزا مارٹن کو ئٹہ پہنچی تو ایئرپورٹ پر نوید اختر اس کا منتظر تھا۔ چھریرے بدن کا لمبا تڑنگا نوید اختر اپنی ظاہری شخصیت کے برعکس بڑا شریف آدمی دکھائی دے رہا تھا وہ لیزا کو بھی میڈم کہہ کر مخاطب کرتا تھا شاید اس سے پہلے امریکنوں کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے وہ انہیں نام کے بجائے "سر" اور "میڈم" کہہ کر پکارنے کا عادی ہو چکا تھا۔

لیزا مارٹن کے لئے شہر کے بہترین ہوٹل میں کمرہ بک تھا۔ ہوٹل مڈوے کا کمرہ نمبر 210 نوید اختر نے پہلے ہی سے اس کے لئے بک کروا رکھا تھا اس کی آمد کے بمشکل ایک گھنٹہ بعد نیویارک سے کارل سمتھ کا فون آ گیا جس نے اس کے بخیر و عافیت پہنچ جانے کی تصدیق حاصل کرنے کے بعد اس سے کہا تھا کہ ابھی دو چار دن وہ نارمل رپورٹنگ کرے اور

پیرزادہ سے ملاقات کو اگلے دو تین روز پر ڈال دے۔ اس کے آمد کے فوراً بعد پیرزادہ سے متعلق اس کا تجسس اس کے لئے مسائل نہ کھڑے کر دے۔

"بے فکر رہیں سر! یہ تو بڑے بے وقوف لوگ ہیں سر! گوری چمڑی والی لڑکی جو امریکن بھی ہو ان کے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہے آپ شاید اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے سر!"

یہ کہہ کر اس نے جہاز میں افسر اعلیٰ خان صاحب سے ملاقات اور اس کی فراخدلانہ پیشکش کا تذکرہ ہنستے ہنستے کیا۔

"ویل ڈن..... بڑی مگڑی مرغی پھانسی ہے۔ اسے قابو میں رکھنا لیکن زیادہ توجہ اپنے کام پر رہے..... صرف کرنسی کال کرتی رہنا کبھی کبھی..... اس کے مطلب کا کام نکلا تو ضرور بتاؤں گا..... اور ہاں بس دور دور ہی سے صاحب سلامت رکھنا۔ نزدیک سے یہ لوگ کبھی کبھی خلاف توقع بڑے خطرناک ثابت ہوتے ہیں"۔

کارل سمتھ نے دوسری طرف سے قہقہہ لگایا اور فون بند کر دیا۔

اگلے دس منٹ بعد کارل سمتھ اور لیزا مارٹن کے درمیان فون پر ہونے والی اس گفتگو کا ٹیپ کرنل ورگ کی میز پر پڑا تھا۔ کیپٹن راحیل اور کرنل ورگ بیٹھے اسے سن رہے تھے۔

"ہاں بھئی جوان؟"

کرنل ورگ نے حسب عادت بڑی غیر تکلفی سے کیپٹن راحیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف مخاطب کیا تھا۔

"سر! میں نے تو اندھیرے میں تیر چلایا تھا..... وہ تو "سورس" نے اطلاع دی تھی کہ مس لیزا مارٹن کا تعلق "پائیر" سے ہے گو کہ یہ کوئی بڑا اخبار نہیں لیکن پاکستان کے خلاف اس میں عموماً بڑی بڑی خبریں موجود ہوتی ہیں اس لئے میں کچھ چوکنا تھا پہلے سے....."

کیپٹن راحیل اچانک مل جانے والی اس کامیابی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

''ویل ڈن جوان..... یہ ذرا پی آئی اے کی اسی فلائیٹ سے آنے والے افسر اعلیٰ خان صاحب کا پتہ تو کرو..... اس کا تو دماغ درست کرنے کا کچھ بندوبست کریں''۔

کرنل وردگ نے کہا۔

''او۔ کے سر''.....

کیپٹن راحیل نے جواب دیا۔

اچانک ہی انٹرکام کی گھنٹی بجی تھی جو کیپٹن راحیل نے ہی اٹھائی۔

''یس''.....

دوسری طرف سے اس کے ''سورس'' کی آمد کی اطلاع موجود تھی۔

''اسے میٹنگ روم میں چائے پلاؤ میں ابھی آتا ہوں''.....

اس نے کسی کو ہدایت دی اور تھوڑی دیر بعد کرنل وردگ سے مزید ہدایات لیں اور آئندہ حکمت عملی پلان کرنے کے بعد وہ ایجنسی کے میٹنگ روم میں موجود تھا جہاں لیزا مارٹن کا میزبان نوید اختر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''تمہاری میڈم بڑی زبردست عورت لگتی ہے بھئی''.....

کیپٹن راحیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مہمان کبھی عام لوگ نہیں ہوتے راحیل صاحب''۔

اس نے بڑی بے تکلفی سے جواب دیا۔

''اس کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا..... کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا تکلف بتانا''۔

راحیل نے اسے پیشکش کی۔

''فی الحال تو میڈم آرام فرما رہی ہیں..... کل ہم چمن جائیں گے اس کے بعد شاید میڈم کو سپن بلدگ ہی جانا پڑے.....''

نوید اختر نے خیال ظاہر کیا۔

''اس کا بندوبست ہو جائے گا فکر نہ کرنا''۔

اس نے راحیل سے کہا اور اسے کچھ ہدایات دینے کے بعد رخصت کر دیا۔ لیزا مارٹن کے کمرے میں انہوں نے نوید اختر کے ذریعے ہی بگ لگایا تھا اور بہترین نتائج کی توقع کر رہے تھے۔

☆O☆

دام صد رنگ

قندوز سے قندھار اور اب سپین بلدگ تک اس نے جو کچھ دیکھا اور برداشت کیا ایک ڈراؤنے خواب کی طرح اس کے دل و دماغ پر مسلط تھا۔ کمانڈر رشید کی قیادت میں سب شمالی اتحاد کے خلاف سرگرم جہاد تھے جب اچانک 11 ستمبر کا واقعہ پیش آیا اور اچانک صورت حال بدل کر رہ گئی۔

وہ دشمن جو ان کی کسی محاذ پر آمد کی خبر پا کر ہی بھاگ جایا کرتا تھا اب بڑھ چڑھ کر ان پر حملے کر رہا تھا۔ ان کے مددگاروں کی تعداد گنتے گنتے نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی خصوصاً پاکستان میں جہاد سے ہمدردی رکھنے والوں پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا۔

قندوز میں کمانڈر رشید کی قیادت میں عباس اور اس کے ساتھیوں نے جان توڑ معرکہ لڑا تھا۔ عملاً وہ مسلسل سات روز سے آنکھ نہیں جھپک پائے تھے۔ زمینی راستوں سے نہیں انڈا چلا آتا تھا اور آسمان سے امریکی طیارے ان پر جہنم برسا رہے تھے۔

عباس نے اپنی آنکھوں سے ایسے مناظر دیکھے تھے جن پر ابھی تک یقین کرنے

اس کا دل نہیں مانتا تھا۔ ''ڈیزی کٹر'' بم ان سے سینکڑوں گز کی دوری پر پھٹتا اور پہاڑ کی کھوہ میں چھپے ان کے ساتھیوں کے کانوں اور ناک سے خون کے فوارے جاری ہو جاتے۔ ماہی بے آب کی طرح وہ تڑپتے ہوئے ان کی آنکھوں کے سامنے جان ہار جاتے اور وہ انہیں مرتے ہوئے بے بسی سے دیکھتے رہتے۔

وہ عرب شہزادے جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر دنیا میں آئے تھے۔ جن کے دسترخوان پر آج بھی سینکڑوں بھوکے شکم سیر ہوتے تھے ان کے ساتھ کئی روز سے بھوکے پیاسے راہ شہادت پر رواں دواں تھے۔ ان کے معصوم بچے اور بلاد عرب کی وہ سید زادیاں جن کے سروں سے اگر چادر ڈھلکتی تو فرشتے شرما کر منہ چھپا لیتے..... عیش و عشرت کی گود میں پلنے والی مغرب کی یونیورسٹیوں کی فارغ التحصیل عرب سید زادیاں جو اپنے آرام و آسائش کو تج کر اپنے معصوم بچوں سمیت افغانستان میں اپنے مجاہد خاوندوں کے ساتھ چلی آئی تھیں کہ یہاں سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک جنم لیتی دکھائی دے رہی تھی تہی دامن، تہی دست پتھریلے غاروں میں اپنے معصوموں کو سینوں سے چمٹائے مجاہدین کے شانہ بشانہ زمین اور آسمان سے برستے قہر کا ایندھن بنی ہوئی تھیں۔

جس روز تاجک کمانڈر ارسلا خان امریکیوں کا نمائندہ بن کر ان سے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش لے کر آیا تو اس نے کمانڈر رشید اور عباس کو باری باری کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''بے وقوف مت بنو۔ جان سے زیادہ قیمتی شے اور کیا ہے تمہارے نزدیک۔ میں ایک افغان تمہیں اس بات کی ضمانت دے رہا ہوں کہ تمہاری جانیں محفوظ رہیں گی۔ تم پاکستان بحفاظت پہنچا دیئے جاؤ گے۔ ہم تمہیں پاکستانی فورسز کے حوالے بھی نہیں کریں گے کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا لیکن یہ غیر ملکی جو تمہارے ساتھ موجود ہیں انہیں ہم ایسی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے''.....

اس کی اس بات پر زخموں سے چور کمانڈر ارشد نے رعد کی طرح کڑک کر کہا۔

''بے غیرت خدا کا شکر ادا کر تو یہاں ہمارے دشمن کا سفیر بن کر آیا ہے ورنہ تجھے علم ہو جاتا کہ جنہیں غیر ملکی کہہ رہا ہے وہ کون ہیں''؟

اس نے اپنے ساتھ موجود کمانڈر سیف الاسلام کی طرف اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''اسے جانتے ہو۔ گزشتہ چھ ماہ سے تمہارے قبیلے کے سینکڑوں مرد عورتیں اور بچے اس کے دسترخوان پر پل رہے ہیں ورنہ قحط سے وہ سب کتے کی موت مر چکے ہوتے۔ ارے بد بخت! مدینۃ النبی ﷺ سے اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ اس جہنم میں یہ کیا کرنے آیا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کیا؟ ارسلا خان ڈر اس دن سے جب قیامت کے روز ختمی مرتبت ﷺ تجھ سے پوچھیں گے کہ ان کی آل نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنے جا رہے ہو؟ خدائے وحدہ لاشریک کی قسم اگر مدینہ کی ایک بکری بھی ہماری پناہ ہو اور اس کی حفاظت کے لئے ہماری ساری نسل قربان ہو جائے تو بھی ہم اسے اپنے لئے سعادت جانیں گے۔ پہلے ہم مریں گے تب ہی تم ان سید زادوں شہزادوں تک پہنچ پاؤ گے''.....

''کمانڈر رشید یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ مل کر روسیوں کے خلاف جنگ لڑی ہے تم ایک بہادر انسان ہو ہمارے دلوں میں تمہاری قدر و منزلت ہے اسی ناطے سے میں یہاں چلا آیا ہوں..... تم جانتے ہو اب ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے''.....

بوڑھے ارسلا خان نے آخری بات اس سے نظریں ملائے بغیر کی تھی۔

''ارسلا خان اگر تم نے اپنی ماں کا ہی دودھ پیا ہے تو امریکنوں کو اپنے اور ہمارے درمیان سے ہٹا دو..... اس کے بعد تمہیں ہماری اور اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا''.....

عباس نے تڑپ کر کہا۔

ارسلا خان نے اس کی طرف بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''نوجوان خون کچھ زیادہ ہی گرم دکھائی دے رہا ہے''.....

اس نے طنزیہ انداز میں عباس سے کہا۔

''تم اس گرمی کا نظارہ کر چکے ہو ارسلا خان..... بزدلوں کی طرح ہم سے مطالبات کرنے کے بجائے اپنے آقاؤں سے کہو ابھی تمام مسلمان بے غیرت نہیں ہوئے''۔

کمانڈر رشید نے کہا تو ارسلا خان تڑپ کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے میں نے اپنا فرض ادا کر دیا..... تمہاری مرضی.....''

☆O☆

ارسلا خان کی روانگی کے بعد ان پر امریکی طیاروں کی بمباری میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ امریکی مسلسل ان پر آتش و آہن کی بارش کر رہے تھے اور مجاہدین کے پاس سوائے بے بسی کے ساتھیوں کی شہادت کا تماشا دیکھنے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تھا ان کی بندوقوں کی گولیاں ہزاروں فٹ بلند جہازوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ مسلسل گولہ باری اور بمباری سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے تھے۔

اگلے روز ایک بم سیدھا اس غار پر گرا جہاں کمانڈر سیف الاسلام اور اس کے ساتھیوں کی بیویاں اور بچے پناہ لئے ہوئے تھے ان میں سے جو زندہ بچ پائے وہ اگلے چند گھنٹوں میں طبی امداد نہ ملنے کے سبب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اس روز شام ڈھلے کمانڈر سیف الاسلام نے کمانڈر رشید اور اس کے بچے کھچے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اب کوئی صورت بظاہر بچنے کی دکھائی نہیں دیتی..... ہمارے ساتھیوں کے لئے فرار ممکن نہیں یوں بھی ہم یہاں جس مقصد کے لئے آئے تھے اب وہ منزل کی صورت سامنے دکھائی دے رہا ہے اگر ہم یہاں سے بچ بھی گئے تو ہمارے حکمران ہمیں پابند سلاسل کر کے مار ڈالیں گے۔ موت ہمارا مقدر ہے تو کیوں نہ شہادت کی موت قبول کر لیں البتہ آپ لوگوں کے لئے بحفاظت واپسی کا امکان اور راستہ محفوظ ہے۔

میں اللہ کو گواہ کر کے قسم کھاتا ہوں کہ آپ نے اپنی استعداد سے بڑھ کر حق دوستی ادا کر دیا۔ ہم سب اس پر صاد کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی جانوں کو کبھی ہم سے الگ نہیں جانا لیکن میری درخواست ہے کہ آج رات آپ یہاں سے نکل جائیں ہماری طرف سے آپ کو اس کی اجازت ہے.....

حسینی سید کمانڈر سیف الاسلام نے اپنے اجداد کی سنت نبھاتے ہوئے ان سے کہا تو کمانڈر رشید کو میدان کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا خطاب یاد آ گیا۔ اس کا کلیجہ پھٹنے کو آ رہا تھا۔ باری باری اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جن کے سر نفی میں ہل رہے تھے اور کمانڈر سیف سے کہا۔

''نہیں میرے بھائی ہمارا جینا مرنا ایک ساتھ ہوگا۔''

کمانڈر رشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

حملوں کی شدت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

عباس کو صرف اتنا یاد رہ گیا تھا کہ آخری لمحات میں ان کے ''غنڈ'' (مورچہ) پر کمانڈر رشید اور وہ خود بمشکل زندہ بچ سکے تھے ایک ایک کر کے ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ کمانڈر سیف کے پیٹ میں بم پھٹنے سے ایک لوہے کا ٹکڑا لگا اور اس کا پیٹ کاٹ کر رکھ دیا۔ زخم اتنا بڑا تھا کہ آنتیں تک باہر آ رہی تھیں۔ کمانڈر رشید اور اس نے مل کر کسی نہ کسی طرح ایک چادر سے زخم کو باندھ دیا تھا اس کے علاوہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔

دونوں باری باری سیف کو کندھے پر اٹھائے ڈھلوان کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے تعاقب میں ہونے والی گولہ باری سے پہاڑ لرز رہے تھے۔ بمشکل وہ ایک چشمے تک پہنچے جہاں انہوں نے کمانڈر سیف کو پانی کے چند گھونٹ پلائے۔ یہاں بھی اس نے دونوں سے درخواست کی تھی کہ اسے چھوڑ کر اپنی جان بچائیں لیکن انہوں نے اس کی بات سننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

سپن بلدگ تک کا سفر انہوں نے جیسے تیسے طے کر لیا تھا۔ طالبان اس علاقے کو

خالی کر کے پہاڑوں کی طرف پسپا ہو رہے تھے۔ کمانڈر رشید نے بمشکل ایک عارضی مرکز سے جہاں ابھی کچھ مجاہدین موجود تھے کمانڈر سیف کی مرہم پٹی کروائی۔ مسلسل خون بہنے سے اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی لیکن وہ کسی بھی ہسپتال تک جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ یہاں صورت حال بالکل غیر واضح تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون کہاں قابض ہے؟

سپن بلدگ پر خانہ جنگی کی سی کیفیت طاری تھی۔

ایک طالبان کمانڈر کی فراہم کردہ کار کے ذریعے وہ کسی نہ کسی طرح پاکستانی سرحد کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے جہاں سے کمانڈر رشید ایک خفیہ راستے کے ذریعے چمن کی طرف آنا چاہتا تھا۔ طالبان سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق چمن سرحد کے چپے چپے پر پہریدار موجود تھے جن کی مدد کے لئے پاکستانی ایجنسیاں ہمراہ تھیں۔

ایک مرتبہ پھر رات کے اندھیرے میں وہ کمانڈر سیف کو کندھے پر اٹھائے ایک خفیہ مقام سے سرحد عبور کرنے کی کوشش کر رہے تھے جب اچانک ٹارچ کی روشنی ان پر پڑی۔

''ہالٹ..... ہالٹ..... خبردار..... رک جاؤ..... ہینڈز اپ''

زوردار آوازیں سنائی دیں۔

سیف الاسلام کو انہوں نے آہستہ سے زمین پر لٹایا اور دونوں کے ہاتھ فوراً اپنی گنوں کی طرف گئے۔

''خبردار''

اچانک سیف کی نحیف آواز سنائی دی۔

دونوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا.....

''یہ پاکستانی ملیشیا ہے کمانڈر رشید ..... ان کے خلاف ہم نے گولی نہیں چلانی.....''

اس نے اپنی بات بمشکل مکمل کی۔

''لیکن کمانڈر صاحب وہ آپ کو امریکنوں کے حوالے کر دیں گے..... ہمیں اپنی پرواہ نہیں''۔

عباس نے چاہا اسے صورت حال کی سنگینی سے خبردار کر دے۔

''وہ کچھ بھی کریں..... اگر تم ابھی تک خود کو کسی نظم کا پابند سمجھتے ہو تو تمہارا سینئر کمانڈر ہونے کے ناطے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ پاکستانی ملیشیا پر فائرنگ نہیں کرنی.....''

دونوں کی گردنیں جھک گئیں۔

دوسری طرف سے مسلسل وہی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

''عباس کمانڈر رشید میری درخواست ہے کہ تم نکل جاؤ..... معلوم نہیں میں اس زخم سے جانبر بھی ہو سکوں گا یا نہیں..... لیکن تمہاری ابھی بہت ضرورت ہے''.....

سیف نے ان کے چہروں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

سامنے موجود پاکستانی ملیشیا کے جوان شاید انہیں مقابلے پر آمادہ پا کر ان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے کیونکہ وہ انہیں زندہ گرفتار کر کے امریکنوں کے سامنے پیش کرنے کے مشن پر مامور تھے.....

''یہ ناممکن ہے کمانڈر سیف''۔

کمانڈر رشید نے نفی میں سر ہلایا۔

''خدا کے لئے اپنے ایک مرتے ہوئے ساتھی کی آخری خواہش جان کر میری بات مان لو''۔

سیف نے بمشکل ان کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

دوستوں نے باری باری بے اختیار اس کے ہاتھ چوم لئے۔

''فی امان اللہ''.....

کمانڈر سیف نے ان کی طرف دیکھا اور بمشکل گردن دوسری طرف پھیر لی۔

''فی امان اللہ''.....

دونوں کے گلے رُندھ گئے۔

☆O☆

کمانڈر سیف کو چھوڑ کر دونوں جس راستے سے آئے تھے اسی پر واپس لوٹ گئے۔ ساری رات وہ پہاڑی سلسلے میں بھٹکتے رہے۔ ان کے چاروں طرف گولیاں اور گولے پھٹ رہے تھے۔ پاکستانی ملیشیا کے جوان ان کے قریب سے متعدد مرتبہ گزرے۔ وہ چاہتے تو ان پر گھات لگا سکتے تھے.....

لیکن..... انہوں نے اپنے سپریم کمانڈر کی اطاعت میں ایسا نہ کیا۔

انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں پر گولی نہیں چلانی۔ قندوز میں طالبان کمانڈر نے ان سے آخری خطاب میں کہا تھا کہ پاکستان ان کے لئے مسجد کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اسے نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور کبھی اپنے محسنوں پر گولی نہیں چلائیں گے خواہ ان کے ساتھ کیسا ہی سلوک کیوں نہ کیا جائے۔

عباس صرف مجاہد تھا۔

وہ سیاستدانوں کی طرح تصویر کے تمام پہلو دیکھنے پر قادر نہیں تھا۔ اس نے صرف اطاعت امیر کا سبق پڑھا تھا اور اس پر عمل بھی کرنا تھا۔

کمانڈر رشید کے ساتھ وہ چھ روز تک پہاڑوں کی خاک چھانتا رہا..... اس دوران سپن بلدگ پر مخالف کمانڈروں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔ اب ان کے لئے اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھنا بھی ممکن نہیں رہا تھا کیونکہ اتحادی فوجوں کی طرف سے مقامی کمانڈروں کو حکم دیا گیا تھا کہ کسی بھی مسلح شخص کو بے دریغ گولی مار دی جائے۔

دونوں نے خود پر جبر کر کے اپنے ہتھیار ضائع کئے تھے اور مقامی آبادی کا حصہ بنے پاکستانی سرحد کی طرف آ رہے تھے۔

سپن بلدگ میں موجود مافیا گروپ جو اپنی لوٹ مار کے لئے ماضی میں بھی بڑی

شہرت رکھتا تھا۔ طالبان کے شہر خالی کرنے کے ساتھ ہی متحرک ہو گیا۔ لٹیروں کے مختلف گروپ ایک دوسرے کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ شہر میں شورش بڑھتی جا رہی تھی اور دونوں کے لئے اس فضا میں چپکے سے نکل جانا ممکن ہو گیا تھا۔

کسی نہ کسی طرح دونوں نے سرحد عبور کی اور چمن آ گئے۔

☆O☆

''دوسری زندگی مبارک''۔

گھر آنے پر نبیلہ نے اس سے کہا تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

''ہاں نبیلہ شاید قدرت نے یہ زندگی مجھے تمہارے لئے عطا کی ہے.....''

اسے دو سال پرانے واقعات یاد آ گئے۔

لیکن..... وہ انہیں بھولا ہی کب تھا۔

یہی دن تھے۔ سردیوں کی آمد آمد جب وہ اوھم پور کے اس معرکے سے بمشکل جانبر ہوا تھا۔ تین دن سے بھارتی فوج کے ساتھ ان کا سانپ سیڑھی کا کھیل جاری تھا۔

انہیں بڑے خطرناک مشن پر بھیجا گیا تھا اور بدقسمتی سے کام ہونے سے پہلے ہی ان کی مخبری بھی ہو گئی تھی لیکن تینوں ساتھی کسی نہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

کمانڈر رشید نے عباس کو اس معرکے کی سربراہی سونپی تھی۔ وہ مقامی مجاہد تھے اور عباس.....

پہاڑی بھول بھلیوں اور جنگلات کے طویل سلسلے میں وہ مسلسل تین روز سے بھاگ رہے تھے کبھی کبھی رات کو چند گھنٹے ستانے کا موقع مل جاتا یہی ان کے لئے غنیمت تھا۔ کسی نہ کسی طرح بالآخر وہ اوھم پور سے نکل کر جموں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

ان کا ایک ''سیف ہاؤس'' یہاں موجود تھا لیکن مخبری کا شبہ ہونے کی وجہ سے عباس نے کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہ سمجھا اور ادھر کا رخ کرنے کے بجائے یہیں رک کر خود نکلنے کی کوشش کی۔ اپنے دونوں مقامی ساتھیوں کو اس نے اوھم پور سے بحفاظت نکل آنے پر خود سے الگ کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا دونوں یہاں محفوظ ہیں اور خود الگ قسمت آزمائی

کا فیصلہ کیا تھا۔

یہ سرحد اس کے لئے کوئی نئی سرحد نہیں تھی۔

دس بارہ مرتبہ وہ آر پار آ جا چکا تھا گو کہ یہاں شاید ہی کوئی ایسی جگہ رہی ہو گی جہاں بھارتی فوج نے خاردار تاروں کا جال نہ بچھا رکھا ہو لیکن عباس کے لئے ابھی کئی محفوظ راستے باقی تھے۔ وہ کسی نہ کسی راستے سے اپنے ساتھیوں اور سامان سمیت اندر داخل ہوتا اور اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس بیس کیمپ کی طرف لوٹ جایا کرتا تھا۔

لیکن..... آج قسمت اس سے یاوری نہیں کر رہی تھی۔

جس پوائنٹ کو محفوظ جان کر اس کی طرف بڑھتا وہاں پہلے سے بھارتی سکیورٹی فورسز کو موجود پاتا۔ دشمن باخبر تھا اور اسے شاید اندازہ بھی تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت اس طرف سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ اپنے زاویہ راہ کا جائزہ لے کر اس نے اچانک بھارت کے اندر چھپ کر ''اچھے وقت'' کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا اور بجائے سرحد کی طرف جانے کے دہلی کا رخ کر لیا۔

☆O☆

دہلی میں اسے ''مدد'' میسر آ سکتی تھی اور یہاں سے وہ اپنی مرکزی کمان کے ساتھ رابطہ کر کے اگلی حکمت عملی بھی طے کر سکتا تھا۔ سرحدی علاقوں سے ایسی کوئی بھی کوشش ان حالات میں اسے کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

جموں سے براہ راست دہلی جانے کے بجائے اس نے مختلف مقامات پر رک کر اور گاڑیاں تبدیل کرتے ہوئے دہلی تک جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ دس گھنٹے کا سفر اس نے بائیس گھنٹے میں طے کیا لیکن بحفاظت دہلی پہنچ گیا۔

رات ایک قدرے مناسب سرائے میں بسر کرنے کے بعد اس نے ایک پی سی او کے ذریعے مرکزی کمان سے رابطہ کیا اور اگلی ہدایات طلب کیں تو اسے ''مقامی مدد'' حاصل کرنے کی اجازت مل گئی۔

اس روز شام گئے اس نے اپنے مقامی ہمدرد سے رابطہ کر کے اگلا لائحہ عمل طے کر لیا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے سلیم کو فون کیا تھا۔

سلیم سے عباس کی مجاہد تنظیم نے پہلی مرتبہ کام کے سلسلے میں رابطہ کیا تھا۔

سلیم کا تعلق دہلی کے ایک روایتی گھرانے سے تھا اور اس کا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ پاکستان آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ''پھیرے بازی'' کے بزنس سے منسلک سلیم کا رابطہ جلد ہی ''را'' کے مقامی باس شکلا سے ہو گیا جس نے سلیم میں ایسی خصوصیات دیکھ لی تھیں جو انہیں اپنے کام کے لئے درکار ہوتی ہیں۔

شکلا نے سلیم کو پہلے ہی جھٹکے میں چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ پہلے پہلے تو سلیم نے کچھ ''ہیکڑی'' دکھائی لیکن بمشکل پندرہ منٹ ''را'' کے سیف ہاؤس پر گزارنے کے بعد اس کا پتہ پانی ہونے لگا اور اگلے چند منٹ بعد وہ شکلا کا بندہ بے دام بن چکا تھا۔

''ایک بات یاد رکھنا تمہارے ماں باپ بہن بھائی رشتہ دار سب یہاں بھارت میں رہتے ہیں۔ اس لئے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ کتے کی موت مارے جاؤ گے..... یہ بات ذہن میں رہے کہ تم ہمیں کوئی چکر دے کر پاکستان میں غائب نہیں ہو سکتے..... یہاں تمہارے عزیز رشتہ داروں کے ساتھ جو کچھ ہو گا وہ تو تم جانتے ہی ہو..... لیکن وہاں بھی ہم تمہیں چھوڑیں گے نہیں..... یا تو ہمارے ہاتھوں مارے جاؤ گے یا پھر وہاں کوئی ایجنسی تمہیں مار ڈالے گی ہم تمہارے خلاف ایسے ایسے ثبوت ان تک پہنچا دیں گے کہ تم ان کے ہاتھوں بچ نہیں پاؤ گے..... میری بات سمجھ رہے ہو ناں''.....

شکلا نے اسے آخری نفسیاتی دھچکا لگایا۔

''اللہ کا شکر کرو سلیم میاں جو شکلا صاحب کے ہاتھ لگے ہو..... ارے ان کی دوستی تمہیں دنوں میں کروڑ پتی بنا دے گی..... دنوں میں..... موجیں کرو گے موجیں اور تمہیں کرنا بھی کیا ہے بس ایک آدھ شکار ہی تو پھانس کر دینا ہو گا..... کبھی کبھی کوئی پٹاخہ چلا دیا اور..... ارے میاں تم جیسے درجنوں بھاڑے کے ٹٹو یہاں دہلی میں موجود ہیں وہ تو شکلا صاحب

کی مہربانی ہے جو تمہارا انتخاب کیا''.....

شکلا کے ماتحت عبداللہ نے کہا اور سلیم نے بے اختیار دانت نکال دیئے۔ وہ اچھی طرح یہ بات سمجھ گیا تھا کہ ایک مرتبہ ان لوگوں کی نظروں میں گرنے کے بعد اس کا بچ نکلنا اب ممکن نہیں رہا..... پھر یہ کوئی مہنگا سودا بھی نہیں تھا۔

عبداللہ میاں سچ تو کہہ رہے تھے اسے کرنا ہی کیا تھا؟

اور..... اس نے شکلا کی ہدایت پر اپنے دوسرے ہی پھیرے میں کمانڈر رشید کی مجاہد تنظیم سے رابطہ کر لیا۔ اپنی چرب زبان سے اس نے سیدھے سادے مجاہدوں کو جلد ہی شیشے میں اتار لیا۔

اگلے دو تین پھیروں میں اس نے مجاہدوں کی طرف سے سونپے گئے کام بھی کر کے دکھا دیئے جو ان کی توقعات سے بڑھ کر کامیاب تھے۔ اس بات کا تو انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ جال ''را'' نے بچھایا ہے اور اب تک سلیم کی مدد سے وہ ان کے تین محفوظ ٹھکانوں تک پہنچ چکے ہیں۔

☆O☆

عباس کا فون ملتے ہی سلیم نے شکلا صاحب سے رابطہ کیا تھا۔

''ویل ڈن..... یہ ہوئی ناں بات۔ کہاں ملو گے اس سے''؟

''پرتاب نگر کے ہوٹل ریکس کا ٹائم دیا ہے سرکار''.....

سلیم نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا..... خبردار اگر اسے کوئی شک ہونے دیا تو..... بالکل نارمل رہنا..... اور ہاں یہ بات دماغ میں رہے کہ وہ مسلح ہو گا اگر اسے تم پر ذرا سا بھی شک گزرا تو تمہیں بہرصورت گولی مار دے گا''.....

شکلا نے اسے بریفنگ دیتے ہوئے کہا۔

''مگر سرکار..... یہ تو.....''

سلیم کے منہ سے ڈھنگ سے بات نہیں نکل پا رہی تھی۔ اس نے مجاہدین کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد کم از کم اس بات کا اندازہ ضرور کر لیا تھا کہ ان لوگوں کے لئے سب سے زیادہ غیر اہم چیز ان کی اپنی جان ہے جس کی یہ کبھی پرواہ نہیں کرتے اور جو لوگ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوں ان کے لئے دوسروں کی جان لے لینا کچھ معانی نہیں رکھتا۔

''ارے بھئی کیوں مرے جا رہے ہو..... ہم لوگ وہاں ہوں گے ناں تمہاری حفاظت کے لئے''.....

انسپکٹر شرما نے اس کی ہمت بندھائی۔

''جی سرکار..... جیسے آپ کا حکم''.....

سلیم ابھی سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔

''اگر وہاں بھی اس طرح تمہارے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں جیسے یہاں اڑ رہی ہیں تو تمہاری زندگی کی ضمانت ہم سب لوگ مل کر بھی نہیں دے پائیں گے..... سمجھے ناں''.....

شکلا نے اسے وارننگ دی تو سلیم نے بمشکل خود کو نارمل کر لیا.....

انہوں نے سلیم کے کپڑوں میں ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر چھپا دیا تھا۔ یہ ٹیپ ریکارڈ اتنی چھوٹی اور مختصر جسامت کا تھا کہ سلیم کے لئے اس کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔

''نارمل رہنا..... بس اسی میں تمہاری بقا ہے..... یہ لو اپنا پیشگی انعام''.....

شکلا نے یہ کہتے ہوئے نوٹوں کا ایک بنڈل اس کی طرف بڑھایا اور سلیم کی رال ٹپکنے لگی۔ اب وہ واقعی نارمل ہو گیا تھا۔

☆O☆

عباس نے پرتاب نگر کے ہوٹل ریکس کے اب تک تین چکر لگا لئے تھے اور یہ اسے کوئی غیر معمولی حرکت دکھائی نہیں دی تھی وہ مطمئن تھا اور اب شام سات بجنے کا انتظار

کر رہا تھا کہ سلیم سے ملاقات کر کے اس سے زادِ راہ موصول کرے اور اس کی ہدایات پر اگلے سفر کے انتظامات بھی کر لے.....

اس نے سلیم کو صرف ایک مرتبہ بیس کیمپ پر دیکھا تھا جب کمانڈر رشید نے اس کا تعارف ایک بھارتی مسلمان بھائی کی حیثیت سے کروایا تھا۔ یہ ملاقات بہت ہی مختصر تھی۔ عباس کو صرف اس بات کا علم تھا کہ سلیم ایک کاروباری خاندان کا نوجوان ہے جس کا آنا جانا پاکستان لگا رہتا ہے اور جو مجاہدین کے جذبہ جہاد سے بہت متاثر ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان ہونے کے ناطے ان کی خدمت کرنا چاہتا ہے اس نے ''نظم'' کے لئے اب تک کچھ خدمات بھی انجام دی تھیں۔ ان خدمات کی نوعیت کیا تھی؟

یہ جاننا اس کے لئے غیر ضروری تھا۔ یوں بھی حالات اور کمانڈر رشید کی تربیت نے ان سب کو بڑا محتاط بنا دیا تھا اور وہ اپنے مشن سے متعلق معلومات کے علاوہ ایک دوسرے سے متعلق تجسس بھی نہیں کرتے تھے۔

سلیم کا نام مرکز کی طرف سے ملنے کے بعد وہ خاصا مطمئن بھی تھا کیونکہ اس نے مختصر ملاقات میں سلیم کا جوش و خروش دیکھ لیا تھا اور اسے امید تھی کہ ایک ہوشیار نوجوان ہونے کے ناطے وہ ضرور اس کے لئے کارآمد ہوگا۔

اس نے اپنی تربیت کے مطابق سلیم سے ملاقات کرنے سے پہلے ملاقات کی جگہ کے محفوظ ہونے سے متعلق تحقیق کر لی تھی۔ دوپہر کو وہ اسی ہوٹل میں کھانا کھانے کے بہانے آدھا گھنٹہ گزارنے کے بعد سہ پہر کو چائے پینے کے بہانے بھی صورت حال کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس نے ہوٹل کو آنے اور جانے کے راستے دیکھ لئے تھے ممکنہ خطرے کی صورت میں فرار کے امکانات کا جائزہ لے لیا تھا اور فرار کے لئے مناسب راستوں کا تعین بھی کر لیا تھا۔ اب اسے سات بجنے کا انتظار تھا۔

☆O☆

اجنبی محسن

سات بجے وہ ہوٹل کے دروازے کے سامنے کھڑا سلیم کا منتظر تھا۔ جسے اس نے سات بجنے سے چند سیکنڈ پہلے ایک ٹیکسی سے اتر کر اس کی طرف آتے دیکھا تھا اور اس بات کا اطمینان ہونے کے بعد کہ کوئی سلیم کا تعاقب نہیں کر رہا اب وہ سلیم کی میز کی طرف آ رہا تھا جو بے چینی سے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالتے ہوئے بار بار پہلو بدل رہا تھا۔

سات بج کر تین منٹ ہو رہے تھے اور ابھی تک اسے عباس کی صورت دکھائی نہیں دی تھی اگر اگلے دو منٹ تک وہ نہ آیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا ہے۔ عباس نے اسے یہی بتایا تھا۔

اور..... سلیم کا یہ سوچ کر دل ڈوبا جا رہا تھا کہ اگر عباس نہ آیا تو شکلا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ لوگ کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے کہ ایسا اس کی غلطی کے سبب نہیں ہوا بلکہ یہی شک کیا جائے گا کہ اس نے ''را'' کو ڈبل کراس کیا ہے جس کا مطلب ہوگا طویل تفتیش سے گزرنے کے بعد زندگی کا باقی حصہ کسی کال کوٹھڑی کی بھینٹ چڑھ جائے گا! پھر ایک اذیت ناک موت اس کا مقدر بننے والی ہے۔

اس بات کا اسے علم تھا کہ ''را'' کو دونوں کی ''آر۔ وی'' (جہاں دو ایجنٹ آپس ملتے ہیں) کا علم ہے اور یہ بات کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر تھی کہ یہاں کے چپے چپے کو پولیس نے گھیرے میں نہ لے رکھا ہو لیکن ابھی تک اسے یہاں کوئی شناسا چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

وہ دل ہی دل میں اپنے آقاؤں کو داد دے رہا تھا جنہوں نے کمال احتیاط سے اس ہوٹل کو گھیرے میں لیا تھا کہ سلیم کو بھی کسی پر شک نہیں گزر سکتا تھا۔

سات بج کر ٹھیک پانچ منٹ پر جب اس نے عباس کو اپنے سامنے موجود پایا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ عباس نجانے کس راستے سے اندر آیا تھا اور سیدھا اس کے دائیں ہاتھ کھڑا ہو گیا تھا اس نے اچانک سلیم کو ''پانڈے جی'' کہہ کر مخاطب کیا تو سلیم چونکا۔

یہی وہ ''کوڈ نام'' تھا جس سے اس نے سلیم کی شناخت کرنی تھی۔

''دیش مکھ جی''

سلیم اپنی تمام توانائیاں مجتمع کر کے کھڑا ہوا اور اس سے معانقہ کرتے ہوئے عباس کی کمر کے پیچھے سے اپنے ہاتھوں کا مخصوص اشارہ کر کے وہ سگنل دے دیا جس کی اسے ''را'' نے ہدایت کی تھی۔

عباس کی اچانک آمد کو کہ اس کا دل دہلا دینے کے لئے کافی تھی لیکن جلد ہی وہ مطمئن ہو گیا اس نے سکھ کا لمبا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ اب کم از کم شکلا صاحب اس پر شک نہیں کرے گا اس نے شکار کو پھندے تک پہنچا دیا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی۔ عباس اسے بالکل مطمئن دکھائی دے رہا تھا البتہ اس نے خود کو نارمل رکھنے کے لئے خود پر بڑا جبر کر رکھا تھا۔ شکلا کی یہ بات اس کے دل و دماغ میں ابھی تک گونج پیدا کر رہی تھی کہ اگر عباس کو اس پر معمولی سا بھی شک گزرا تو وہ اسے گولی مار کر بھاگ جائے گا۔

چائے آ گئی.....

عباس نے اس سے مطلب کی گفتگو کا آغاز کیا اور ابھی سلیم اسے بتا ہی ر
اس نے عباس کو بھارت سے محفوظ فرار کروانے کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی
اچانک عباس کی چھٹی حس نے اس کی گردن دائیں طرف گھما دی اس نے کنکھیوں سے
کونے کی میز سے دو نوجوانوں کو اٹھ کر اپنی طرف آتے دیکھا تھا اس سے پہلے کہ وہ
سے ایک ڈھنگ سے اپنی پستول اس کی طرف سیدھی کر پاتا۔

اچانک ہی عباس نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ سلیم کے منہ پر مارا اور
ساتھ ہی اس کی ٹانگ چلی اور میز سلیم پر الٹ گئی۔ میز اس انداز سے الٹی تھی کہ اردگرد
تین میزوں پر بیٹھے لوگ گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی سلیم نے ایک
ڈھال بنایا اور اپنی طرف لپکتے پستول بردار پر اسی طرح پھینکا جیسے کوئی ماہر فٹ بالر ٹھوکر
فٹ بال کو مخصوص جگہ پر پہنچا دے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ہال سے منسلک کچن کی
چھلانگ لگائی اور اس میں جا گھسا۔

اس سے پہلے کہ کچن میں موجود باورچی کو صورت حال کی سمجھ آئے عباس
دوسرے جالی والے دروازے کو ٹھوکر ماری اور ہوٹل کی پشت پر موجود لان میں پہنچ گیا۔
چند سیکنڈ بعد اس نے دیوار پھلانگی اور سڑک پر آ گیا۔

چار پانچ فٹ کی یہ دیوار اس کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئی تھی ا
بات کا اسے علم تھا کہ ہال سے ملحقہ کچن کا دروازہ باہر لان میں کھلتا ہے۔ صبح سے اب
اس نے ہوٹل کے دو چکر یونہی نہیں لگائے تھے۔

اپنے عقب میں اسے فائرنگ کی آواز تو ضرور سنائی دے رہی تھی لیکن گردن
کر اس نے یہ دیکھنے کا تکلف نہیں کیا تھا کہ تعاقب میں کون آ رہا ہے۔

وہ بھاگتا چلا جا رہا تھا.....

اچانک ہی عباس دائیں ہاتھ گھوم گیا اور جیسے ہی سیدھا ہوا ایک کار سے جا ٹکرا
وہ تو خدا کا شکر ہوا کہ کار کی رفتار بہت کم تھی ورنہ اس سے بچنے کے امکانات نہ ہونے

برابر رہ جاتے۔

☆O☆

عباس جیسے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا کار کا اگلا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت لڑکی کی شکل
اسے دکھائی دی۔

''کم آن''.....

اس نے عباس سے کہا اور حیرت زدہ عباس نے اس کی طرف عجیب سی نظروں
سے دیکھا۔

''بے وقوف مت بنو وہ تمہارے پیچھے آ رہے ہیں''.....

لڑکی کے منہ سے نکلے الفاظ کے ساتھ ہی عباس نے اپنے عقب سے گولی کی
آواز سنی اور دو سفید پوش اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔

''کم آن.....جلدی کرو''.....

لڑکی نے بے چینی دکھائی۔

اور.....عباس تن بہ تقدیر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا کیونکہ دونوں کے ہاتھوں میں
پستول لہرا رہے تھے اور وہ تہی دست تھا۔ اس بات کا اسے احساس تھا کہ سلیم نے ''ڈبل
کراس'' کیا ہے اور یہاں صرف یہ دو نہیں ایسے اور کئی سفید پوش اسے گھیرے میں لے چکے
ہیں۔

لڑکی تائید غیبی بن کر آئی تھی.....

فی الوقت وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس نے تیزی سے دروازہ بند
کیا۔ لڑکی نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ شاید
اس راستے پر اس کے صیادوں نے کوئی گاڑی نہیں رکھی تھی اس لئے اس کی جان بچ گئی۔

لڑکی نے ملحقہ آبادی کی تین چار سڑکوں پر اس تیزی سے چکر کاٹے تھے کہ اگر

کوئی ان کا تعاقب کر بھی رہا ہوتا تو کبھی اسے نہ پکڑ پاتا۔

ابھی تک دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ البتہ عباس نے اندرونی شیشے کے ساتھ ایک چھوٹا سا خوبصورت پلاسٹک کا کتبہ لٹکتے دیکھ لیا تھا جس پر سفر کی دعا لکھی تھی..... اسے حوصلہ سا ہوا۔ لڑکی بار بار کار کے اندرونی اور بیرونی شیشے سے پیچھے نظر دوڑا کر شاید اس بات کا اطمینان کر رہی تھی کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔

دونوں ابھی تک خاموش تھے.....

''دھنواد.....''

عباس نے بھی ہمت کی اور جان بوجھ کر اپنی شناخت چھپائی۔

''اس کی ضرورت نہیں.....''

لڑکی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سامنے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

کار کی ونڈ سکرین پر اب تک ہونے والی بوندا باندی نے اچانک تیز بارش کا روپ دھار لیا تھا۔

لڑکی بڑی ہوشیاری سے کار دہلی کی مختلف سڑکوں پر گھماتی اب ایک ماڈرن آبادی تک چلی آئی تھی۔

''آپ نے بہت کشٹ اٹھایا۔ مجھے یہاں اتار دیں''.....

عباس نے اگلی بات کی۔

''نہیں..... ابھی تم محفوظ نہیں ہوئے''۔

لڑکی نے اس کی طرف گردن گھما کر پہلی مرتبہ دیکھا تو عباس کو اس کی آنکھیں اپنے اندر دھنستی محسوس ہوئیں۔ اس نے پہلی مرتبہ اس بات پر غور کیا تھا کہ لڑکی نے سکارف باندھ رکھا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اترنے پر اصرار نہ کیا حالانکہ احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اتر کر اپنی راہ لیتا۔

عباس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ باہر بارش کے ساتھ آندھی کا

زور بڑھنے لگا تھا۔

دہلی کا موسم طوفانی ہو رہا تھا اور عباس کے اندر اس سے زیادہ بڑا لیکن خاموش طوفان جنم لے رہا تھا۔ اس نے فی الوقت اس طوفان کو اندر ہی دبائے رکھنے اور خاموشی سے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس بات کا اسے ایمان کی حد تک یقین تھا کہ جس اللہ نے اسے سلیم جیسے غدار کے چنگل سے نکال لیا ہے وہ اسے آئندہ بھی محفوظ رکھے گا اور اگر کوئی آزمائش اس کی منتظر ہے تو اسے ٹالنا بھی عباس کے بس کی بات نہیں۔

☆O☆

دونوں ایک ماڈرن بنگلے کے سامنے کھڑے تھے۔ جیسے ہی اس کی کار کی گیٹ کا دروازہ کھلا۔ سرپر چھتری تانے ایک چوکیدار برآمد ہوا اور دوسرے ہی لمحے اس نے گیٹ کھول دیا۔ لڑکی کار کو اندر پورچ تک لے آئی اور دونوں کار سے اتر کر برآمدے میں آ گئے۔ لڑکی اس کے آگے چلنے لگی۔ عباس جھجک کر رک گیا۔

''آ جاؤ.....''

لڑکی نے اس کی طرف گردن موڑ کر دیکھا اور عباس کسی طلسم زدہ معمول کی طرح اس کے تعاقب میں ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کی دیواروں پر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے بڑے بڑے پورٹریٹ آویزاں دیکھ کر اس نے مزید حوصلہ پایا تھا۔

ہال نما کمرے کے ایک کونے میں لگی سنگ مرمر کی سیڑھیاں چڑھتے دونوں ایک اور کمرے تک پہنچ گئے شاید یہ اس لڑکی کا بیڈ روم تھا جہاں اس کے سرہانے کارنس پر ایک فریم میں جہادی لباس پہنے ایک نوجوان کے ساتھ اس لڑکی کی تصویر نے عباس کو مزید مطمئن کر دیا۔

''بیٹھئے.....''

لڑکی نے ایک کونے میں دھرے صوفے کی طرف اشارہ لیا۔

عباس خاموشی سے صوفے میں دھنس گیا۔

''میرا نام نبیلہ ہے آپ کا نام''؟

لڑکی نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے اگلا سوال داغا۔

''پرکاش مہرہ''۔

عباس نے جانے کیوں جھوٹ بولا۔

''اچھا.....'' لڑکی نے اتنا کہہ کر طویل سانس لی اور طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا..... ''یہ تو آپ کا شبھ نام ہوا ناں..... میں نے آپ کا اسم گرامی جاننا چاہا تھا''.....

''کیا مطلب ہے آپ کا..... میں سمجھا نہیں''.....

عباس لڑکی کی شخصیت سے دب گیا تھا..... اسے امید نہیں تھی کہ اس کا جھوٹ پکڑا جائے گا۔

''دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو صرف ایک بات یاد رکھنا کہ میں نے تمہاری مدد کوئی بدمعاش لٹیرا جان کر نہیں بلکہ ایک مجاہد جان کر کی ہے''.....

لڑکی کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''لیکن آپ نے میرے متعلق یہ اندازہ کیسا لگا لیا کہ میں.....''

''تم روحانیت پر یقین رکھتے ہو''.....

لڑکی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں''.....

عباس نے کہا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ قدرت نے مجھے وہاں اس ہوٹل میں بھیجا ہی تمہاری مدد کے لئے تھا تو شاید تمہیں اس بات کا یقین نہ آئے..... ہاں مسٹر تم جو کوئی بھی ہو..... میں ہوٹل ریکس زندگی میں پہلی مرتبہ گئی تھی اپنی ایک دوست سے ملنے جو وہاں اکاؤنٹ آفیسر ہے اور

نے اس کے کمرے میں ان دونوں لوگوں کو پہلے سے بیٹھے دیکھا تھا۔ دونوں خفیہ کے ی تھے۔ انہوں نے میری دوست کے کمرے سے فون پر بات کی اور باہر آ گئے..... رے تجسس پر میری دوست نے بتایا کہ ان لوگوں نے صبح ہی سے ہوٹل کے سارے عملے کو فال بنا رکھا ہے..... کچھ پتا نہیں بس یہ کہہ رہے ہیں کہ آج رات تک وہ یہیں رہیں گے ... میں تھوڑی دیر بعد جب اس کے کمرے سے نکلی تو میں نے ان دونوں کو پستول تانے ہماری طرف بڑھتے دیکھا اور اپنی گاڑی لے کر تیزی سے باہر آ گئی.....''

اس نے خاموش ہو کر عباس کی طرف دیکھا۔

''لیکن.....''

''ٹھہرو ٹھہرو مجھے بات مکمل کرنے دو ممکن ہے اس کے بعد تمہیں کسی سوال کی ضرورت باقی نہ رہے..... مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ ''دہشت گرد'' پکڑنے آئے ہیں کوئی غیر مسلم نہیں ہو سکتا..... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری مدد کیوں کی.....

''تم یہ تصویر دیکھ رہے ہو.....''

اس نے سامنے دھری تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ میرا بھائی ہے عدنان..... لندن سے جہاد کرنے کشمیر آیا تھا۔ شہید ہو گیا ... کاش میں کاش.....''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''بہت دکھ ہوا ہے.....''

عباس اس کی جذباتی حالت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''اور اب آخری بات.....'' لڑکی نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا..... ''اگر تم واقعی پرکاش مہرہ ہو تو اپنے کرما کا بندوبست بھی کر لو کم از کم اب میں تمہیں یہاں سے زندہ جانے کی اجازت نہیں دے سکتی''.....

ڈرامائی انداز میں اس نے اچانک اپنے دائیں ہاتھ دھری میز کا دراز کھول کر اس

سے پستول نکال کر عباس کی طرف تان لیا.....

عباس خوفزدہ تو نہیں البتہ حیرت زدہ ضرور تھا۔ یہ اس نوعیت کا پستول ہے مجاہدین اپنے پاس رکھتے ہیں.....

''غالباً یہ پستول آپ کے شہید بھائی کا ہے''.....

اس نے اطمینان سے کہا۔

''ہاں تمہیں کیسے علم ہے اس بات کا''.....

نبیلہ نے اس کی طرف بدستور پستول تانے ہوئے کہا۔

''کیونکہ میرا تعلق بھی آپ کے شہید بھائی جیسے لوگوں سے ہے.....اسے دراز میں رکھ دیجئے.....میرا نام عباس ہے''.....

اس نے اپنی بات مکمل کی تو نبیلہ نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے پستول رکھ دیا۔

☆O☆

نبیلہ اور عباس کا یہ پہلا لیکن بھرپور تعارف تھا۔

اس روز نجانے اسے اپنی مرحومہ دادی کی وہ بات کیوں بار بار یاد آ رہی تھی جوڑے آسمانوں پر بنا کرتے ہیں۔ نبیلہ اچانک اور حادثاتی طور پر اس کی زندگی میں آ گی اور اسے اس طرح چند گھنٹوں ہی میں اپنی زلفوں کا اسیر کر لے گی اس کا اندازہ اسے تھا۔

اس گھر میں نبیلہ اپنے والد اور نوکروں کے ساتھ رہتی تھی۔ ان کا سارا خاندان لندن میں آباد تھا صرف والدین اور ایک بہن یہاں دہلی میں تھے۔ نبیلہ اور اس کے عدنان کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی باقی سب شادی شدہ تھے۔

نبیلہ نے عباس کا تعارف اپنے باپ سے عدنان کے دوست کی حیثیت کروایا تھا جس نے اس کی توقع سے بڑھ کر پذیرائی کی تھی۔ اس کا باپ خان بہادر صاد

خاموش طبع انسان تھا یا پھر اسے جوان بیٹے کی شہادت نے ایسا بنا دیا تھا۔ سارا دن وہ یا تو چپ چاپ اخبارات پڑھتا رہتا یا پھر باغبانی میں مصروف ہو جاتا۔ اس نے عباس کی شناخت میں زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی جس کی وجہ سے عباس کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ یہ لوگ ذہنی طور پر خاصے تربیت یافتہ ہیں اور مجاہدین سے ان کا رابطہ بھی رہتا ہے۔ اس بات کا علم تو اسے پہلے سے تھا کہ بھارت میں بھی ایسے مسلمان موجود ہیں جو مجاہدین کی مدد کرنے سے نہیں چوکتے اور جنہوں نے کئی مرتبہ بڑے نامساعد حالات میں مجاہدین کی مدد کی ہے.....

نبیلہ کے گھر اس کا قیام تین روز تک رہا۔

اس دوران دونوں کے درمیان ایک ایسا مضبوط قلبی تعلق قائم ہو گیا تھا جس نے دونوں کو ایک دوسرے کے لئے ناگزیر بنا دیا تھا۔

تیسرے روز شام کو اچانک خان صاحب نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا۔

''بیٹا میں لگی لپٹی رکھنے کا عادی نہیں.....شاید نبیلہ نے تمہیں ساری کہانی نہیں سنائی۔ عدنان کے دوست حارث سے نبیلہ کی نسبت طے پا چکی تھی۔ دونوں کا نکاح ہو چکا تھا لیکن بمشکل ایک ہفتہ گزارنے کے بعد ہی وہ عدنان کے ساتھ کشمیر چلا گیا۔ عدنان کو جہاد کی طرف اسی نے راغب کیا تھا۔ دونوں اکٹھے شہید ہوئے تھے۔

لیکن آج تک میری بیٹی خود کو بیوہ تسلیم نہیں کرتی.....اس کا کہنا ہے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور وہ کسی مردہ کی بیوی کہلوانا نہیں چاہتی۔

''سبحان اللہ''.....

بے ساختہ عباس کے منہ سے نکلا.....

اسے حیرانگی اس بات پر تھی کہ ایسے عظیم نظریات کی حامل نبیلہ آخر اتنی ماڈرن کیوں ہے؟ جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ مغرب میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ابھی تک نبیلہ کے اطوار مشرقی ہی تھے۔

نبیلہ نے اسے بتایا تھا کہ ایک بڑے خاندان کی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ دہلی کی اعلیٰ سوسائٹی میں جانی پہچانی جاتی ہے لیکن ابھی تک انہوں نے مصلحت کے تحت کسی کو یہ نہیں بتایا کہ اس کے خاوند اور بھائی کا تعلق مجاہدین سے تھا بلکہ یہی کہا تھا کہ دونوں مقبوضہ کشمیر میں ایک حادثے میں مارے گئے ہیں بدقسمتی سے ان کی لاشیں نہیں مل سکیں۔

واقعات پے در پے اور بہت تیزی سے رونما پذیر ہوئے تھے۔ خان صاحب نے اسے کہا تھا کہ وہ اب بونس کی زندگی جی رہے ہیں اور ان کے خاندان والوں کو سوائے ان کی دولت کے اور کسی بات سے دلچسپی نہیں جبکہ ان کی بیٹی کے لئے عباس سے زیادہ آئیڈیل شوہر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

عباس پر جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی۔

اسے سکتہ ہو گیا تھا اور وہ سوائے اثبات میں گردن ہلانے کے اور کوئی جواب دیئے بغیر تیزی سے شرما کر باہر آ گیا۔

شام کو جب دونوں اکٹھے ہوئے تو اس نے نبیلہ سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے نبیلہ سے کہا تھا کہ اس کی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کے خاوند اور بھائی کی طرح وہ کسی بھی لمحے اس سے جدا ہو سکتا ہے کیا وہ ایک مرتبہ پھر شہید کی بیوہ بننا پسند کرے گی؟

نبیلہ نے جذباتی انداز میں اس کے دونوں ہاتھ تھام کر کہا تھا اس مرتبہ وہ ایسا نہیں ہونے دے گی اب دونوں کا جینا مرنا ایک ساتھ ہو گا۔

''عباس ہم دونوں نے پہلے بھی ایسا ہی عہد کیا تھا لیکن حارث کے ساتھ میں وعدہ نہیں نبھا سکی۔ اس نے مجھے بتایا نہیں تھا کہ وہ ایسے مشن پر جا رہا ہے جہاں جان بھی جا سکتا ہے ورنہ وہ کبھی اکیلا نہ ہوتا..... لیکن اب ایسا نہیں ہو گا.....''

اس نے عباس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

عباس لرز کر رہ گیا۔

دہلی کے اس ماڈرن بنگلے سے پاکستان تک بحفاظت واپسی کا سفر اسے آج بھی مکمل تفصیلات کے ساتھ یاد تھا۔ خان بہادر صاحب کی دوستی اور اثر و رسوخ نے دونوں کے لئے ہر بند دروازہ کھول دیا تھا۔

دنوں میں عباس کا پاسپورٹ بھارتی شہری کی حیثیت سے تیار ہو گیا۔

دونوں کا نکاح ہو گیا.....

دونوں ہنی مون منانے کے بہانے نیپال آ گئے جہاں سے اگلے ہی روز ہوائی جہاز نے انہیں پاکستان پہنچا دیا۔

پاکستان پہنچنے کے چند دن بعد ہی عباس کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ نبیلہ اس کے لئے اللہ کا انعام تھا۔

اس نے عباس کے چھوٹے بھائی اسحاق اس کی بہن اور ماں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ان کا گھر پہلے ہی سے مجاہدین کا مہمان خانہ تھا۔ یہاں مجاہدوں کی آمد لگی رہتی تھی اور نبیلہ کی زندگی کا واحد مقصد مجاہدوں کی دن رات خدمت کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

شادی کے بمشکل چار ماہ بعد ہی جب وہ افغانستان جا رہا تھا تو نبیلہ بضد رہی کہ اس کے ساتھ جائے گی لیکن عباس نے اپنی تنظیمی مجبوریوں کا احساس دلا کر اسے روکا۔ اس نے عباس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنی بطور خاص حفاظت کرے گا۔ اس کے آئندہ مشن سے متعلق ایک ایک تفصیل اس نے عباس سے بالکل اسی طرح حاصل کی تھی جس طرح وہ اس سے پہلے عباس کے گھر مہمان آنے والے مجاہد کمانڈروں سے متعلق تفصیلات حاصل کیا کرتی تھی.....

یہ اس کے شوق جہاد کی انتہا تھی یا پھر اس کا اخلاص تھا کہ مجاہد کمانڈروں کے ساتھ وہ پردے میں گھنٹوں ان کے جاری جہاد اور سرگرمیوں کے حوالے سے باتیں کیا کرتی اور ان کی تزویراتی منصوبہ بندیوں میں اپنا حصہ بھی ضرور ڈالتی..... اس کے مشوروں کو مجاہدین بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور عباس کی زندگی پر رشک کیا کرتے تھے۔

☆○☆

قندوز سے واپس لوٹے آج اسے پانچ دن ہونے کو آئے تھے۔ یہ پانچ دن اس کے لئے پانچ صدیوں پر محیط تھے۔ طالبان کی پسپائی نے اس کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس نے اپنے قریبی ساتھیوں کو گاجر مولی کی طرح اپنی آنکھوں کے سامنے کٹتے دیکھا تھا۔ اب ایک آگ سی اس کے دل میں لگی تھی وہ دشمن کو اسی آگ میں جلا کر بھسم کر دینے پر تلا تھا خواہ اس کے بدلے میں خود وہ ہی کیوں نہ اس آگ کا ایندھن بن جائے۔

اس روز اچانک ہی اسے کمانڈر رشید کا فون آیا تھا جس کے بعد اس نے سفر کی تیاری شروع کر دی تھی۔

''کدھر کے ارادے ہیں''؟

نبیلہ نے ادائے دلربائی سے پوچھا۔ ''کہیں کے بھی نہیں..... گھر بیٹھے بیٹھے دل اکتانے لگا ہے..... پیرزادہ صاحب کے پاس جا رہا ہوں شاید کل واپسی ہو جائے..... کمانڈر صاحب کے ساتھ ہی ان سے ملاقات کروں گا''۔

اس نے نبیلہ سے کہا۔

''پیرزادہ صاحب کے ہاں''؟

نبیلہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

''ہاں کمانڈر صاحب ان سے ملنا چاہتے ہیں''۔

اس نے نبیلہ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''اچھا..... اللہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اپنا خیال رکھئے گا''.....

نبیلہ نے حسب سابق اس کا حوصلہ بڑھایا اور عباس چلا گیا۔

''کئی روز سے ابو کا فون نہیں آیا لندن سے''.....

اس نے عباس کی روانگی کے بعد اپنی ساس سے کہا۔

''ارے بیٹی تم خود فون کر لو ناں.....''

عباس کی بوڑھی والدہ نے اپنی بہو کے احساس تنہائی کو دور کرنا چاہا۔

''کوئی بات نہیں آنٹی آ جائے گا آج کل..... مصروف ہوں گے۔ آپ نہیں جانتی وہاں کی زندگی کیسی ہوتی ہے..... بس دن رات کا پتہ ہی نہیں چلتا''.....

نبیلہ نے اتمام حجت کیا۔

''ارے بیٹی میں جو کہہ رہی ہوں کر لو تم فون..... کتنی بری بات ہے ہر دفعہ وہی زحمت کرتے ہیں.....''

بوڑھی ساس کو اپنی بہو کا کچھ زیادہ ہی خیال رہتا تھا۔

''ہاں بھابی..... پلیز کر لیجئے ناں آپ''.....

عباس کی بہن نے بھی حوصلہ افزائی کی۔

اور.....

اگلے پندرہ منٹ بعد اس کا رابطہ لندن میں اپنے ڈیڈی سے ہو چکا تھا۔ جنہوں نے اس کا فون ملتے ہی کال بیک کیا تا کہ اپنی بیٹی سے لمبی بات کر سکیں۔ نبیلہ اپنے ڈیڈی کو بڑے ذوق و شوق سے اپنی ساس اور سسر کی تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے یہاں کے حالات سنا رہی تھی۔ اپنے ڈیڈی کے دریافت کرنے پر کہ عباس کا کیا حال ہے؟ اس نے انہیں بتایا کہ وہ ابھی گئے ہیں کراچی پیرزادہ صاحب سے ملاقات کرنے.....

تھوڑی دیر بعد اس کے ڈیڈی نے اسے بہترین مستقبل کی دعائیں دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔

''آنٹی ابو آپ کو بہت سلام کہہ رہے تھے''.....

ساس کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے کہا۔

''اللہ انہیں اپنی امان میں رکھے۔ صحت عطا فرمائے۔ ایسے نیک لوگ اب کہاں باقی رہ گئے ہیں بیٹی..... لیکن قسمت والی ہے تو جس نے ایسے نیک والدین کے ہاں جنم لیا''.....

انہوں نے اپنے سمدھی کو دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

☆O☆

کٹ آؤٹ

اسرائیلی قونصلیٹ سے برآمد ہونے والی اس کار کے شیشے گہرے سیاہ رنگ کے تھے جن کے اندر جھانکنا ناممکن تھا البتہ کار کے اندر موجود لوگ باہر کا نظارہ بخوبی کر سکتے تھے۔ دہلی کی کشادہ سڑکوں پر دوڑتی کار کے آگے اور پیچھے دو کاریں اس کی حفاظت پر مامور تھیں۔ یہ اہتمام بطور خاص اسرائیلی سفارت کاروں کے لئے کیا گیا تھا ایسا پروٹوکول انڈین امریکنوں کو بھی نہیں دیا کرتے تھے لیکن جس تیزی سے بھارت اور اسرائیل کے تعلقات قائم ہو رہے تھے اسی تیزی سے دونوں کے ایک دوسرے سے متعلق جذبات میں بھی گرمی پیدا ہو رہی تھی۔

لودھی روڈ کی طرف مڑتے ہوئے کار نے اچانک ہی ایک چھوٹا موڑ کاٹا اور ''را'' کے اس ذیلی آفس کے گیٹ کے سامنے پہنچ گئی جس پر کسی امپورٹ ایکسپورٹ کارپوریشن کی بڑا سا بورڈ نمایاں دکھائی دے رہا تھا عام لوگوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہاں سے کیا درآمد اور برآمد کیا جاتا ہے۔

''را'' کا ڈائریکٹر آپریشن شکتی کپور اسرائیلی قونصلیٹ سے گاڑی نکلنے کا پیغام ملتے ہی سٹینڈ بائی ہو چکا تھا۔ وہ اس بات سے ابھی تک آگاہ نہیں تھا کہ اسے ملنے کے لئے آنے والوں کے کیا نام اور عہدے ہیں؟

''موساد'' کی طرف سے رازداری کا اس نوعیت کا اہتمام اب اسے کھلنے لگا تھا لیکن مصلحت اسی میں تھی کہ وہ خاموش رہے۔

کار اب بلڈنگ کے اندر داخل ہو چکی تھی اور اس کے بلاک کے برآمدے میں آ کر رک گئی تھی۔ شکتی برآمدے میں کار سواروں کے استقبال کے لئے خود موجود تھا۔ کار سے برآمد ہونے والی پہلی شخصیت ڈیوڈ کی تھی جس کے ساتھ ''موساد'' کے دوسرے ذمہ دار بیٹھے تھے۔ یہ لوگ بظاہر اسرائیلی ملٹری اٹیچی کے معاونین کی حیثیت سے یہاں موجود تھے لیکن شکتی کپور سے ان کی اصلیت پوشیدہ نہیں تھی کیونکہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی حکومت نے اسرائیلیوں کی خدمات سے استفادہ شروع کر رکھا تھا اور اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اسرائیل اس ''خصوصی معاونت'' کی آڑ میں اپنے مقاصد پورے کرنے کی بھی فکر نہ کرے۔

شکتی نے ڈیوڈ اور اس کے ساتھیوں سے بڑا گرم جوش مصافحہ کیا تھا اور اب وہ لوگ اس خصوصی محفوظ اور ساؤنڈ پروف کمرے میں موجود تھے جہاں سے کسی راز کا باہر جانا بظاہر ناممکن تھا۔

شکتی نے سامنے دیوار پر لگے چارٹ کی مدد سے اپنی بریفنگ کا آغاز کیا اور انہیں بتانا شروع کیا کہ ''را'' نے کیا منصوبہ پلان کیا ہے۔

''لیزا مارٹن کا انتخاب ہی اس بنیاد پر ہوا ہے کہ وہ خاصی ''ایڈونچرس'' اور خود کو نمایاں کرنے کے لئے کچھ بھی کر گزرنے والی لڑکی ہے۔''

ڈیوڈ نے اپنی باری آنے پر ''را'' کی ٹیم کو بتانا شروع کیا۔

''لیکن امریکی پریس کیا اس کے اغوا کو اہمیت دے گا میرا مطلب ہے وہ عام

درجے کی صحافی ہے''؟

شکتی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''مسٹر شکتی ہم امریکنوں کی نفسیات سے آگاہ ہی نہیں بلکہ ان کے ''ٹرینڈ سیٹر'' بھی ہیں۔ امریکنوں کی کون سی رگ کو کب دبانا ہے اور کس حد تک؟..... اس کا بھی ہمیں علم ہے..... اس لئے تم یہ بھول جاؤ کہ اس اغوا کا ردعمل وہاں کیا ہوگا..... یہ ہمارا کام ہے..... ہم امریکن الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں آگ لگا دیں گے۔ امریکی صدر کے لئے یہ مسئلہ "Do or Die" والا مسئلہ بن جائیگا..... اسے یا تو ہماری توقعات کے مطابق ردعمل ظاہر کرنا پڑے گا یا پھر اس کا سیاسی مستقبل تاریک بلکہ ہولناک ہو جائے گا..... مسٹر شکتی امریکہ میں حکومت تو امریکنوں کی ہو سکتی ہے لیکن میڈیا ہمارا ہے خواہ وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا''.....

ڈیوڈ نے بڑے اعتماد اور فیصلہ کن لہجے میں بتایا۔

''بس ہمیں ضمانت یہ چاہئے کہ آپ لوگوں کی طرف سے کوئی ڈھیل نہ ہو کیونکہ وہاں پاکستان میں ''آپریشنل'' ہم نہیں آپ ہوں گے مسٹر شکتی کپور''۔

ڈیوڈ کے دوسرے ساتھی نے جس کی سانپ ایسی آنکھیں شکتی کپور کو سامنے دیوار پر لٹکے نقشے میں سوراخ کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''اس بات کی طرف سے آپ بے فکر ہو جایئے۔ بس ایف بی آئی والا مسئلہ کمزور نہیں پڑنا چاہئے''.....

شکتی نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

''ایف بی آئی''.....

ڈیوڈ کے ساتھی نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔

''ایف بی آئی کس چڑیا کا نام ہے مسٹر شکتی..... ہم نے انہیں اپنے کام پر لگایا ہے۔ پیرزادہ کی بند فائلیں کھلوا دی ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر پیرزادہ کا بھوت سوار کروا

ہے ان تک ایسے مشکوک اشارے پہنچانے شروع کر دیئے ہیں جن کی بنیاد پر وہ یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ پیرزادہ کا 11 ستمبر کے حادثے سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ''.....

ڈیوڈ نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویل ڈن مسٹر ڈیوڈ۔ پیرزادہ مشکوک ہے۔ لیزا مارٹن پیرزادہ سے انٹرویو کے چکر میں ہے اور اغوا ہو جائے گی..... واہ واہ! ونڈرفل۔ زبردست بات بنائی ہے آپ نے بڑی ہنگامہ آرائی ہوگی''.....

شکتی کپور نے ''موساد'' کے منصوبے کو سراہتے ہوئے کہا۔

''مسٹر شکتی ہمارے حصے کا کام مکمل مربوط اور جامع ہے اب تمہاری طرف سے کوئی ڈھیل نہیں ہونی چاہئے۔ یہ بات یاد رکھنا حالات بار بار مواقع فراہم نہیں کیا کرتے۔ اگر اس مرحلے پر آپ لوگوں نے اپنے کارڈ کامیابی سے کھیلے تو بازی پلٹ سکتی ہے''۔

ڈیوڈ نے شکتی کپور کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہم نے ترپ چال چلی ہے شکتی صاحب''۔

سانپ جیسی آنکھوں والے ڈیوڈ کے ساتھی نے کہا۔

''اور ہاں یہ بات ابھی سے ذہن میں رکھنا کہ جوابی وار بہت سخت ہوگا۔ زخمی سانپ بڑا خطرناک ہوتا ہے مسٹر شکتی..... اس کھیل کو انجام تک نہ پہنچایا گیا تو.....''

ڈیوڈ نے اپنی بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی تھی۔

شکتی جانتا تھا کہ ڈیوڈ کا اشارہ آئی ایس آئی کی طرف ہے.....

لیکن..... وہ تہیہ کر چکے تھے کہ اب دشمن کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہیں دیں گے۔

☆O☆

نوید اختر دوزانو اس کے سامنے بیٹھا تھا.....

''یار تم میرے سامنے اس طرح نہ بیٹھا کرو..... میں کوئی روایتی پیر نہیں..... میں

تو سیدھا سادا مسلمان ہوں کوشش کرتا ہوں کہ اللہ کے احکامات کی بجا آوری ہوتی رہے''.....

پیرزادہ نے اپنے سامنے قالین پر بیٹھے نوید اختر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

نوید اختر صبح ہی ان سے ملنے چلا آیا تھا۔

پیرزادہ اور اس کا تعارف زیادہ پرانا تو نہیں تھا لیکن پیرزادہ کا خاصا قرب نوید اختر کو حاصل تھا۔ اس کا آنا جانا ''پیر صاحب'' کے پاس لگا رہتا تھا۔ یہ اس کا ''کمال فن'' تھا یا پھر پیرزادہ کی ''سادگی'' کہ نوید اختر کا شمار پیرزادہ اپنے انتہائی مخلص عقیدت مندوں میں کرنے لگا تھا۔

اس کے نزدیک انگریزی زبان میں مہارت رکھنے والا کوئٹہ کے ایک فائیو سٹار ہوٹل کا میڈیا منیجر یہ نوجوان بڑا سادہ لوح اور درد دل رکھنے والا مسلمان تھا جس کی دل ہمدردیاں مجاہدین کے ساتھ تھیں اور ان کی خدمت کرنے کے لئے ہمیشہ بے تاب رہتا تھا۔

پیرزادہ کو اس بات کا علم تھا کہ نوید اختر کا رابطہ مغربی صحافیوں سے اکثر رہتا ہے اور وہ غیر ملکیوں کے لئے ایک طرح سے گائیڈ کی خدمات بھی انجام دیتا رہتا ہے۔

آج وہ پیرزادہ کے پاس ایک اہم کام سے آیا تھا۔ اس نے پیرزادہ کو بتایا کہ جس طرح یہودی پریس ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا ہے اس صورت حال پر نوید اختر بڑا دل گرفتہ ہے اور اس کی کوشش تھی کہ پیرزادہ صاحب کی شخصیت سے متعلق غلط پراپیگنڈہ کا توڑ جواب دینے کے لئے اسے کوئی اچھا اخبار ملے جو کم از کم امریکہ میں رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو.....

اور.....خوش قسمتی سے اسے یہ موقعہ مل گیا ہے۔

''لیزا مارٹن اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر نوجوان صحافی ہے پیر صاحب''۔

اس نے پیرزادہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''ماشاءاللہ.....آج کل امریکنوں خصوصاً صحافیوں نے کچھ زیادہ ہی متاثر نہیں

ہونا شروع کر دیا اسلام سے''.....

پیرزادہ کا طنز بہت گہرا تھا لیکن نوید اختر نے یہی تاثر دیا جیسے وہ اس کی بات سمجھ نہیں سکا۔

''حضور وہ شاید امریکہ میں آپ کے مریدوں سے مل چکی ہے اور آپ کی شخصیت سے خاصی متاثر بھی ہے۔ آپ سے انٹرویو کرنے کی خواہش رکھتی ہے''.....

اس نے پیرزادہ کو بالآخر ''آمدم برسر مطلب'' سے آگاہ کر ہی دیا۔

''دیکھو برخوردار یہ تو یہودیوں کی کارستانی ہے جنہوں نے خواہ مخواہ مجھے ایک پراسرار شخصیت بنا رکھا ہے ورنہ اس فقیر کا کچھ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں.....میرا طریق کار ذرا مختلف ہے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دشمن کے پراپیگنڈہ کا جواب دینے میں اپنی صلاحیتیں اور وقت ضائع کرنے کے بجائے میرے لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ میں اپنا کام جاری رکھوں۔ یوں بھی 11 ستمبر کے بعد جو صورت حال بن رہی ہے اس میں میرا منظر عام پر آنا میری صحت کے لئے بھی کچھ فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا''.....

پیرزادہ نے نوید اختر کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے وضاحت کی۔

''لیکن حضور میرا خیال ذرا مختلف ہے میرے خیال سے یہی بہترین وقت ہے امریکنوں کو بتانے کا کہ آپ نہ تو دہشت گرد ہیں اور نہ ہی اسلام دہشت گردی کا دین ہے بلکہ دراصل عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کے لئے یہودی میڈیا نے یہ پراپیگنڈہ مہم چلا رکھی ہے''.....

نوید اختر نے سنبھالا لیا.....

اسے یہ فکر دامن گیر تھی کہ پیرزادہ صاحب نے اگر لیزا مارٹن سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تو اس کی چار پانچ سو ڈالر کی دیہاڑی ماری جائے گی۔ اس چکر میں وہ کم از کم اتنے ڈالر ضرور کما سکتا تھا۔

''دیکھو عزیزم! اسلام کیا ہے؟ اس کا علم عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی ہے۔ وہ

لوگ اس کی اشاعت سے خوفزدہ ہیں اس بات کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں نہ ہی میں تشہیر کا محتاج ہوں..... یوں بھی میں خاموشی سے کام کررہا ہوں کیا ضرورت ہے کسی نئے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی..... ان لوگوں سے بات کرو..... رپورٹ کچھ اور کرتے ہیں اور خواہ مخواہ غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں''۔

پیرزادہ نے اس کی امیدوں پر مکمل اوس ڈالتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی حضور آپ اس پر غور ضرور فرمایئے''.....

نوید اختر نے اب بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

''اچھا اس کا نام اور نمبر وغیرہ دے دو مجھے..... میں دیکھوں گا''۔

پیرزادہ نے اپنی جان چھڑانے کے لئے کہا۔

نوید اختر نے فوراً لیزا مارٹن کے مقامی اور امریکی فون نمبر ٹھکانے اور اخبار کا نام اسے لیزا مارٹن کی طرف سے پہلے سے فراہم کردہ اس کے ''بائیو ڈیٹا'' سمیت پیرزادہ کے حوالے کیا اور تھوڑی دیر تک ان کی ناصحانہ گفتگو سن کر اپنی راہ لی۔

☆O☆

دونوں سر جھکائے گہری سوچ میں مبتلا تھے.....

کمانڈر رشید کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اپنا کلیجہ نکال کر عباس کے سامنے رکھ دیتا اور اسے بتاتا کہ اس پر کیسے کیسے گھاؤ لگے ہیں۔ عباس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے اس نے بے بسی سے دو تین مرتبہ زور زور سے دیوار پر مکے بھی مارے تھے۔

قندھار سے واپسی کے بعد سے اس پر دیوانگی کی یہ کیفیت اکثر طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے تین قریبی ساتھیوں کو امریکن اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ پہلے اپنے بحری بیڑے پر جہاں سے پھر کیوبا.....

عباس جانتا تھا اردن کے مجاہد ارسلان کتنے زخمی تھے..... دونوں امریکیوں کی تباہ

کن گولہ باری سے بچنے کے لئے دو مختلف سمتوں میں بھاگے اور الگ ہوئے تھے۔ اسے بعد میں علم ہوا کہ ارسلان کے پیٹ میں گہرا زخم آیا ہے لیکن وہ اپنے ٹھکانے پہ اسے مل نہ سکا۔ ایک پاکستانی ڈاکٹر اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر شاید کسی محفوظ غار میں لے گیا تھا تاکہ اس کے زخموں پر ٹانکے ہی لگا دے اس سے زیادہ اسے کسی بات کا علم نہیں تھا یہ تو قندھار آنے کے بعد علم ہوا کہ ارسلان نے بھی طالبان کے اس گروپ کے ساتھ گرفتاری پیش کر دی تھی جسے امریکیوں نے صرف ہتھیار واپس لوٹانے پر سلامتی سے واپسی کا راستہ دینے کی پیشکش کی تھی اور یہ پیشکش مقامی قبائل کے ذریعے کی گئی تھی۔

جو مجاہدین اپنوں کے اس دھوکے کا شکار ہوئے ان کا انجام بہت برا ہوا..... شمالی اتحاد کے انسان نما درندوں نے ان کے جسموں سے گوشت کاٹ کاٹ کر الگ کیا۔ انہیں تڑپا تڑپا کر شہید کیا۔ بیشتر کو کٹے اعضاء کے ساتھ گڑھوں میں زندہ پھینک کر ان پر مٹی ڈال دی گئی..... ان کی گردنوں میں بار دو بھر کر دھما کے کر کے رقص بسمل کا نظارہ کیا گیا غرض ہر وہ غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈہ اپنایا گیا جو انسانی وحشت و بہیمیت کی تاریخ میں درج ہے۔

اس تمام واقعات کی رپورٹ بین الاقوامی پریس میں ہونے کے باوجود کسی کے کان پر جوں نہ رینگی.....

انسانی حقوق کے علمبرداروں کے لشکریوں نے انسانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی اسے ''معمول کی کاروائی'' قرار دے دیا گیا۔

مجاہدین خصوصاً غیر پاکستانی مجاہدین کے ساتھ ہونے والے اس بہیمانہ سلوک نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے کلیجے چھلنی کر دیئے تھے لیکن وہ کچھ کرنے سے قاصر تھے۔

وہ تنہائی میں بے بسی سے آنسو بہا رہے تھے۔ اللہ کے حضور گڑگڑا کر ان کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے لیکن ان کے لئے کچھ کر نہیں سکتے تھے کہ ان کے حکمران اتنا کے سیاہ و سفید کے مالک دشمن کے زر خرید غلاموں سے بڑھ کر ''حق غلامی'' ادا کرنے پر تلے تھے انہوں نے تو اپنا قبلہ و کعبہ ہی تبدیل کر لیا تھا اور اندریں حالات سوائے امریکی

خوشنودی کے حصول کے ان کی زندگی کا اور کوئی مقصد ہی نظر نہیں آتا تھا۔

کیا کریں؟

کدھر جائیں؟

اپنا دکھ کسے بتائیں؟

احساس بے بسی اور ندامت نے عباس کو ذہنی مریض بنا دیا تھا۔

''آپ خود کو بے بس کیوں سمجھتے ہیں''.....

روانگی سے ایک روز پہلے ہی نبیلہ نے اسے کہا.....

''کیا کریں؟ اپنے ساتھیوں کو وحشی درندوں کے چنگل سے کیسے رہائی دلائیں''

عباس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔

''ہے ایک راستہ''.....

نبیلہ نے سرگوشی کے انداز میں لیکن بڑے اعتماد سے کہا۔

''کیا''؟

احساس ندامت اور بے بسی کے شکار عباس نے اپنی محبوبہ اور رفیقہ حیات کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

''جرنلسٹوں کے بھیس میں امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ یہاں موجود ہیں۔ آپ انہیں یرغمال بنائیں..... دشمن کو اس کی زبان میں جواب دیں۔ کمینے دشمن نے اخلاقی یا جنگی ضابطے کی پرواہ نہیں کی..... آپ کیوں کرتے ہیں؟ اپنے ساتھیوں کو کیوبا عقوبت خانے سے رہا کروانے کے لئے سی آئی اے کے کسی ایجنٹ کو یرغمال بنائیں میں نے آج ٹی وی سکرین پر لیزا مارٹن کو دیکھا ہے۔ لندن سے جانتی ہوں میں اسے آئی اے کی ایجنٹ ہے۔ ضرور یہاں کسی خطرناک مشن پر آئی ہے۔ اسے قابو کر لیں امریکہ آپ کے سامنے ایڑیاں رگڑنے لگیں گے''

نبیلہ نے بڑے جوش و خروش سے کہا۔

عباس نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور یہ بات اس کے دل کو لگی۔ واقعی دشمن نے تو انہیں جنگی ملزم ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر وہ اس کے ساتھ رعایت کیوں کریں۔ اور یہ لیزا مارٹن..... اس کی اصلیت تو نبیلہ جانتی ہے.....''

''لیکن یہاں پاکستان میں.....؟ میرا مطلب ہے''.....

ایک کمزور سا احتجاج اس کی زبان پر آیا۔

''ہونہہ.....'' نبیلہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے..... ''میرے سرتاج مسلمان کا کوئی ملک نہیں ہوتا اور پاکستان نے کیا سلوک کیا' آپ کے ساتھ' آپ کے ساتھیوں کے ساتھ..... طالبان کے ساتھ؟''

وہ بولتی چلی گئی.....

عباس کو یوں لگا جیسے اس کے جذبات کو نبیلہ کی زبان مل گئی ہو..... وہ نبیلہ سے الگ ہوا تو یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ایسا موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دے گا اور اپنے کمانڈر رشید کو اعتماد میں لے کر ایسا کر گزرے گا۔ اس طرح دشمن کو کچھ دیر ہی کے لئے سہی اس کی بے بسی کا احساس تو دلایا جا سکتا ہے۔

اپنے زخموں کا کچھ مداوا تو کیا جا سکتا ہے۔

یہی سوچ کر وہ کمانڈر رشید کے پاس آیا تھا اور اب دونوں پیرزادہ سے ملنے چلے آئے تھے۔

☆O☆

پیرزادہ نے نوید اختر کی روانگی کے فوراً بعد اپنے مریدوں کو امریکہ میں لیزا مارٹن اور اس کے اخبار کی کھوج لگانے پر مامور کر دیا تھا اور اگلے روز اسے چونکا دینے والے حقائق موصول ہوئے تھے۔ اسے علم ہوا تھا کہ ''پائنیر'' نامی یہ اخبار یہودیوں کی ملکیت ہے اس کا مالک امریکہ میں یہودیوں کے ایک بڑے سٹور کی چین بھی چلا رہا ہے۔

لیزا مارٹن کا باپ یہودی تھا اور ماں کرسچین.....

جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ بھی یہودی ہے.....

''تو یہ بات ہے''.....

پیرزادہ نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ جال اس پر ''موساد'' کی طرف سے پھینکا جا رہا ہے تاکہ اس کے منہ سے نکلی کسی بھی بات کا بتنگڑ بنا کر اسے دہشت گرد ثابت کیا جا سکے اور امریکی جو آئے روز کسی نہ کسی پاکستانی کو ''مشکوک دہشت گرد'' جان کر کیوبا لے جا رہے ہیں اسے بھی اس عقوبت خانے میں پہنچا دیں.....

''کمینے دشمن''.....

اس نے دل ہی دل میں انہیں گالی دی اور فیصلہ کر لیا کہ وہ لیزا مارٹن سے ملاقات نہیں کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد کمانڈر رشید اور مجاہد عباس کی آمد نے پیرزادہ کو قدرے مطمئن کر دیا۔ دونوں نامور مجاہد کمانڈر تھے۔ عباس البتہ اپنے نام کے ساتھ کمانڈر کا لفظ لگانے پر اعتراض کرتا تھا اور بضد ہوتا تھا کہ اسے معمولی مجاہد ہی سمجھا جائے۔

پیرزادہ نے حسب سابق دونوں کا کھلی بانہوں سے استقبال کیا اور ان کے سامنے دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔

''بڑے خطرناک لوگ ہیں۔ کیسے کیسے جال بچھاتے ہیں''.....

یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں کو لیزا مارٹن کی طرف سے انٹرویو کی درخواست اور اس کی اصلیت تک کی ساری کہانی سنا دی..... لیزا مارٹن کے نام پر عباس چونکا۔

''سب ایجنٹ ہیں ''موساد'' اور ''سی آئی اے'' کے''۔

اس نے مختصر تبصرہ کیا اور عباس کو نبیلہ کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

پیرزادہ کو اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ عباس نے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں اس سے لیزا مارٹن کا موجودہ ٹھکانہ معلوم کر لیا تھا۔

اس نے دونوں مجاہدوں کے زخمی دلوں پر قرآنی آیات کے ذریعے مرہم لگانے

کی کوشش کی تھی اور انہیں بتایا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے اور آزمائش کی اس گھڑی میں صبر و استقامت کے ذریعے ہی وہ سرخرو ہو سکتے ہیں۔

اپنی روایت کے مطابق اس نے دونوں مجاہدوں کے لئے فوراً دسترخوان سجا دیا تھا ان کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے رکھے تھے۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ جو مجاہد اس کے آستانے پر آئے اس کے سامنے دنیا بھر کی نعمتوں کے ڈھیر لگا دے۔ وہ اپنے مریدوں کو بطور خاص یہ نصیحت کیا کرتا تھا کہ میدان جہاد میں برسر جہاد مجاہدین کی خدمت میں کبھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

شام ڈھلے جب دونوں رخصت ہونے لگے تو پیرزادہ نے انہیں باری باری گلے لگا کر ان کی سلامتی کی دعائیں مانگیں اور فی الوقت اپنی جانوں کی حفاظت اور خود کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھنے کی نصیحت کے ساتھ الوداع کہا تھا۔

☆O☆

نو پرابلم.....!

کوئٹہ سے چمن اور پھر سپن بلدگ.....

تھکا دینے والا سفر تھا یہ لیزا مارٹن کے لئے..... گو کہ اس نے لینڈ کروزر جیپ کرائے پر حاصل کی ہوئی تھی لیکن اس سے پہلے اسے ایسے طویل اور تھکا دینے والے رپورٹنگ سیشن کا اتفاق کہاں ہوا تھا۔ دو روز تک یہاں دوسرے صحافیوں کے ساتھ فرائض انجام دینے کے بعد اب وہ واپس کوئٹہ اپنے ہوٹل آرام کرنے جا رہی تھی جہاں اسے نوید اختر کی طرف سے پیرزادہ سے انٹرویو کی تاریخ ملنے کی امید تھی۔

لیکن..... اس کے ارمانوں پر تو جیسے اوس ہی پڑ گئی جب نوید اختر نے اسے بتایا کہ وہ ابھی کوشش کر رہا ہے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا کوشش کر رہا ہوں''.....

اس نے نوید کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

''میڈم بڑا ٹیڑھا آدمی ہے وہ..... آسانی سے قابو آنے والا نہیں..... ہر بار

پرنٹک کرنا اس کی عادت ہے۔ بہر حال اگلے دو روز تک وہ فائنل کر دے گا''.....

اس نے بظاہر میڈم کو مطمئن کرنا چاہا لیکن میڈم لیزا مارٹن نے صرف اس پر تکیہ کر کے بیٹھ رہنے کی بجائے اپنا دوسرا چینل استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ البتہ اس نے نوید اختر کو اس کی خبر نہ ہونے دی اور اسے اپنے کام پر لگے رہنے کی تلقین کر کے رخصت کر دیا۔

کارل سمتھ کو تھوڑی دیر بعد وہ فون پر رابطہ کر رہی تھی۔

''ایک دم نالائق ہے آپ کا یہ نوید اختر''.....

اس نے چھٹتے ہی کہا اور اسے ساری کہانی سنا دی۔

''گھبراؤ نہیں وہ ضرور کوئی تدبیر نکال لے گا..... بڑا ہوشیار اور سمجھدار لڑکا ہے.....''

کارل سمتھ نے اسے سمجھایا۔

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں مسٹر کارل سمتھ..... اب مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا''.....

اس نے کارل سمتھ سے کہا۔

''کیا کرو گی تم''؟

دوسری طرف سے ہنستے ہوئے کارل سمتھ نے دریافت کیا۔

''ایک سورس ہے میرا''.....

لیزا نے فون پر ہی دائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

''ونڈرفل..... سورس بھی بنا لیا..... کچھ بتاؤ گی ہمیں بھی''.....

کارل سمتھ نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''نو سر! رپورٹر اپنا سورس نہیں بتایا کرتے۔ آپ سے زیادہ صحافت کے اس اصول کو اور کون سمجھتا ہے''.....

اس نے مذاق کے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے ڈارلنگ بس کام ہونا چاہئے۔ میری عزت کا سوال ہے تم جانتی ہو میں نے یہاں کتنے لوگوں کو ناراض کرنے کے بعد تمہیں یہ مہم سونپی ہے''.....

کارل سمتھ نے اس پر اخلاقی دباؤ بڑھایا۔

''میں آپ کے اعتماد پر پورا اتروں گی سر!''

لیزا نے پرامید لہجے میں کہا۔

''گڈ لک''.....

کارل نے فون آف کر دیا۔

☆O☆

لیزا مارٹن نے بستر پر گر کر ایک لمبی سانس لی اور سرہانے دھرے کافی کے قریباً ٹھنڈے کپ سے ایک لمبا گھونٹ بھرنے کے بعد اپنے ہینڈ بیگ سے ڈائری نکالی اور اس کے کور کے اندرونی حصے میں پھنسا اعلیٰ افسر مسٹر خان کا وزنگ کارڈ نکال لیا جس پر اس نے اپنے ہاتھ سے تین چار پرائیویٹ نمبر لکھے ہوئے تھے۔

لیزا مارٹن نے ہوٹل کی لائن سے اسلام آباد کا نمبر ملایا یہ نمبر اعلیٰ افسر خان کا براہ راست اور انتہائی اہم نمبر تھا۔

دوسری طرف سے ایک رعب دار ''ہیلو'' کی آواز سنائی دی۔

"This is Liza Marten" (میں لیزا مارٹن ہوں)

اس نے امریکن لہجے میں کہا اور مسٹر خان کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے رہ گیا۔ اس پر باقاعدہ کپکپاہٹ طاری ہو رہی تھی۔ گزشتہ چار روز سے وہ جس بے تابی اور جان سوزی کے ساتھ اس کی آواز کا منتظر تھا اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتا تھا۔

''میں خان ہوں مس لیزا''.....

خان نے ذبح ہونے والے لہجے میں کہا۔

لیزا کو اس کی آواز سے اس کے جذبات کی شدت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ خان نے

اسے فون بند کرنے کے لئے کہا اور کہا کہ وہ اسے خود ''کال بیک'' کر رہا ہے۔ اسے خوف تھا کہیں لیزا مارٹن اگلے دو تین منٹ بعد فون بند ہی نہ کر دے.....

لیزا مارٹن نے بہتیری ''ناں ناں شکریہ شکریہ'' کی گردان کی لیکن خان کے لئے ایسا موقعہ ہاتھ سے گنوانا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کا تو بس نہیں چلتا تھا اڑ کر لیزا مارٹن تک پہنچ جائے۔

''او۔ کے او۔ کے میرا روم نمبر 210 ہے''.....

اس نے بالآخر اس مجنوں کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

خان کا فون بمشکل ڈیڑھ منٹ بعد اسے مل گیا۔

لیزا مارٹن نے امریکی آداب معاشرت کے تابع اس بے پناہ انکساری پر خان صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اسے بتایا کہ وہ ایک اہم کام میں اس کی مدد چاہتی ہے۔

اس اہم کام کی جب تفصیل اس نے مسٹر خان کے بضد ہونے پر بتائی تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔

''بس..... اتنی سی بات۔ ارے کہو تو اس پیرزادہ کو اٹھا کر وہاں پہنچا دوں تمہارے پاس''۔

موقع ملتے ہی اس نے بے تکلفی سے کہا۔

''تھینک یو مسٹر خان..... تھینک یو..... لیکن میں خود آ رہی ہوں آپ انٹرویو کا بندوبست کر دیجئے''۔

لیزا مارٹن نے کہا۔

''خود آ رہی ہو''؟

خان نے بے یقینی کے انداز میں دریافت کیا حالانکہ اس کے صرف کان صحیح تھے ورنہ تو جسم کا قریباً ہر ضروری حصہ کسی نہ کسی مرض کا شکار رہتا تھا۔

''آف کورس''.....

لیزا نے اس کے دل پر گھونسہ مارا۔

''میں منتظر ہوں''۔

خان نے اس طرح کہا جیسے اب اس کی زندگی کا واحد مقصد لیزا مارٹن پر جان نچھاور کرنا ہی رہ گیا ہے۔

''او۔ کے' گڈ بائی''.....

لیزا نے چاہا فون بند کر کے اپنی جان چھڑا لے۔

لیکن.....خان سے جان چھڑانا کیسے ممکن تھا۔ بالآخر اس دعدے پر اس نے فون بند کیا کہ کوئٹہ سے اسلام آباد فلائیٹ کا ٹکٹ' اسلام آباد میں قیام وطعام سب کچھ خان کی ذمہ داری ہوئی۔

لیزا نے دل ہی دل میں الو کا پٹھا کی تکرار کی اور فون بند کر دیا۔

''جس ملک میں ایسے گدھے اتنے بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہوں وہاں کوئی کام کیسے نہیں ہو سکتا''.....

اس نے بڑبڑاتے ہوئے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر دہرایا اور خود ہی مسکرا دی۔

لیزا مارٹن اپنے کمرے میں شیمپین سے دل بہلا رہی تھی جب اسے ہوٹل کے استقبالیہ سے ٹکٹ وصول ہونے کی اطلاع ملی اور بتایا گیا کہ ایک سرکاری افسر اس کے ٹکٹ سمیت موجود ہے۔

لیزا کو یہ بے جا مداخلت بہت بری لگی لیکن فی الوقت وہ خان جیسے گدھے کو ہاتھ سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس نے دل پر جبر کر کے خان کے اس قاصد کو کمرے میں آنے کی اجازت دی جو تھوڑی دیر بعد مسٹر خان کی طرف سے پھولوں کے ایک بہت بڑے ''بکے'' اور فسٹ کلاس ٹکٹ سمیت اس کے سامنے موجود تھا۔

لیزا مارٹن کا پہلے تو جی چاہا کہ بھاڑ میں جائے یہ انٹرویو اور نوکری وہ ایک زوردار تھپڑ اس قاصد کے منہ پر رسید کرے اور مسٹر خان پر لعنت بھیج کر کوئی اور طریقہ ڈھونڈے لیکن ایک مرتبہ پھر اسے ضبط کے تلخ گھونٹ اپنے اندر اتارنے پڑے البتہ اس نے قاصد کو جو کوئی مقامی لیکن بڑا افسر لگتا تھا اور بطور خاص یہاں کی روایات کے برعکس بڑا قیمتی سوٹ پہن کر اسے ملنے آیا تھا دروازے ہی سے رخصت کر دیا کیونکہ اس نے جو خوشبو لیزا مارٹن کو متاثر کرنے کے لئے اپنے کپڑوں پر انڈیل رکھی تھی وہ یقیناً دنیا کی مہنگی ترین خوشبو رہی ہو گی مگر فی الوقت اتنی زیادہ مقدار میں اس خوشبو نے لیزا مارٹن کا دماغ چکرا دیا تھا۔

''گڈ بائی اور تھینک یو'' کہہ کر اس نے دروازہ بند کیا اس کے باہر ''ڈونٹ ڈسٹرب'' کا کارڈ لٹکایا اور پھولوں کے بکے کو سامنے دیوار پر دے مارا.....

خود کو نارمل کرنے کے لئے اسے معمول سے دوگنی شیمپین حلق میں انڈیلنی پڑی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کے بعد کیسے حالات اسلام آباد میں اسے اپنے اس ''میزبان'' کے ہاتھوں پیش آ سکتے ہیں جو اس کے بدقسمتی سے اعلیٰ سرکاری آفیسر ہونے کے علاوہ اس کا ہم سفر بھی رہا تھا۔

☆O☆

راحیل ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چونکا تھا.....

مسٹر خان سے لیزا مارٹن کی ہونے والی گفتگو اور مسٹر خان کی نوازشات اور کرم فرمائیوں کو اس نے سلولائیڈ کے فیتے پر منتقل کر لیا تھا۔ جو افسر اسے ٹکٹ اور پھولوں کا گلدستہ دینے مسٹر خان کا نمائندہ بن کر یہاں تک آیا تھا اس کے ساتھ راحیل کے ماتحت سائے کی طرح چپکے ہوئے تھے انہیں اس افسر کا مکمل جغرافیہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں معلوم کر کے اپنے افسر تک پہنچانا تھا۔

پیرزادہ کا نام راحیل کے لئے تو کبھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ اس سے پہلے اس کی پوسٹنگ اسلام آباد کے "DET" (ڈٹ) ہی میں تھی اور پیرزادہ سے متعلق تازہ معلومات

حاصل کرتے رہنا اس کے معمولات میں شامل تھا۔

''یہ لڑکی آخر پیرزادہ کا انٹرویو لینے پر کیوں بضد ہے''؟

فی الحال اسے اس سوال کا صرف ایک ہی جواب مل رہا تھا اور وہ اس کی دانست میں امریکہ میڈیا کا وہ مخصوص پراپیگنڈہ تھا جس نے پیرزادہ کو ایک پراسرار اور دہشت گرد شخصیت کا روپ دے دیا تھا۔ اب دوسرا سوال یہ تھا کہ امریکہ سے آنے والی لیزا مارٹن ان حالات میں پیرزادہ کا انٹرویو کیوں کرنا چاہتی ہے''؟

اور.....وہ خود ہی مسکرا دیا۔

اس نے سوچا اس سے زیادہ مناسب حالات پیرزادہ سے انٹرویو کے ذریعے اسے دہشت گرد بنا کر پیش کرنے اور پاکستان کو بدنام کروانے کے اور کب لیزا مارٹن یا اس کے مالکان کو میسر آ سکتے ہیں؟

لیکن.....نوید اختر نے اسے یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ پیرزادہ سے ملنا چاہتی ہے' ایک نئے خدشے نے سر اٹھایا دیر تک وہ مختلف مفروضے قائم کرتا رہا۔ بالآخر اس نے زیر لب دہرایا۔

''ڈبل کراس''.....اور خود ہی مسکرا دیا۔

نوید اختر جو کافی دیر سے ایجنسی کے لئے کام کر رہا تھا کسی اور ایجنسی کا ''سورس'' بھی تو ہو سکتا تھا۔ اس بزنس میں یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ اس نے سوچا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تمام رپورٹ کے ساتھ کرنل وردگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ ڈپٹی کمانڈر کرنل وردگ کے لئے اب اس معاملے میں دلچسپی لینا ضروری ہو گیا تھا کیونکہ اس میں پیرزادہ کا نام آ رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ پیرزادہ تک کسی بھی طرح یہ پیغام پہنچا دے کہ وہ لیزا مارٹن کے ساتھ انٹرویو کے دوران غیر ذمہ دارانہ گفتگو ہرگز نہ کرے۔

''ملکی حالات اب کسی ایڈونچر کے متحمل نہیں ہو سکتے راحیل''.....

انہوں نے راحیل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''I Know Sir''.....

راحیل سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر تھا۔

''تم خود جاؤ.....معاملہ کو خود سنبھالو۔ لیزا مارٹن پر نظر رکھو اور مسٹر خان پر بھی.....میں ہیڈ کوارٹر بات کرتا ہوں.....''

انہوں نے سوچ بچار کے بعد راحیل کو ہدایات جاری کیں۔

''رائیٹ سر!''.....

راحیل نے ایڑیاں بجائیں اور باہر آ گیا۔ اس کی اگلی منزل اسلام آباد تھی۔

☆O☆

اسلام آباد ایئرپورٹ پر لیزا مارٹن کا استقبال بالکل اسی طرح ہوا جیسے اس کی دانست میں صدر امریکہ کا ممکن تھا فرق صرف اتنا تھا کہ اسے گارڈ آف آنر پیش نہیں کیا گیا.....

کوئٹہ سے پی آئی اے کی ایگزیکٹو کلاس میں اس کے سوار ہونے کی دیر تھی کہ جہاز کا سارا عملہ مکھیوں کی طرح اس کے گرد بھنبھنانے لگا۔ اس کلاس میں وہ ایک ہی غیر ملکی خاتون سوار تھی۔ کچھ اور غیر ملکی جو جہاز سے سفر کر رہے تھے' وہ شاید اکانومی کلاس میں تھے۔

لیزا مارٹن کے لئے اپنے جسم کو اپنی مرضی سے جنبش دینا ان فضائی میزبانوں نے ناممکن بنا دیا تھا۔ جیسے ہی وہ کروٹ بدلتی کوئی نہ کوئی فضائی میزبان اس کے سرہانے آ کر اپنے دانتوں کی نمائش کرنے لگتا.....لیزا کے لئے جوابی مسکراہٹ کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا اور اگلے ہی لمحے اس سے نہ سمجھ آنے والی انگریزی میں باتیں شروع ہو جاتیں۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس بوئنگ جہاز میں اکیلی سفر کر رہی ہے اور یہاں کا سارا عملہ اس کی خدمت پر مامور ہے۔

اسلام آباد میں لینڈنگ تک دو مرتبہ کپتان صاحب خود اس کی خیریت دریافت کرنے تشریف لا چکے تھے۔

''واقعی باکمال لوگ ہیں''۔

لیزا نے جہاز کے رن وے کو چھوتے ہی اپنے آپ سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

☆O☆

ایئرپورٹ پر ایک اور طوفان بدتمیزی اس کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ جہاز کی سیڑھیوں سے اتر کر باہر آئی ایک کونے میں پہلے سے منتظر ایک سفید پوش تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

.....

''آپ مس لیزا مارٹن ہیں''.....

اس نے قریباً کورنش بجالاتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

''مارے گئے''.....

لیزا نے دل ہی دل میں کہا اور اثبات میں گردن ہلائی۔

''آداب محترمہ! پلیز یہ مجھے دے دیجئے''.....

اس نے نزدیک کھڑی ایک شاندار گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لیزا مارٹن کے ہاتھ میں پکڑے بیگ کو اٹھانے کی خواہش جتائی۔

''نہیں شکریہ''.....

لیزا نے بمشکل اس سے جان چھڑائی کیونکہ اس بات کا ایک امریکی ہونے کے ناطے وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا دستی سامان جس کا وزن بھی بمشکل دو تین کلو سے زیادہ نہیں تھا کوئی اور اٹھانے کی زحمت کرے۔

گاڑی جو اسے لینے کے لئے آئی تھی۔ ایئرپورٹ کے اس انتہائی حساس حصے میں کس طرح پہنچ گئی؟ اور وہ وی آئی پی مسافروں کے خصوصی راستے سے کس طرح باہر نکلی.....؟

لیزا مارٹن نے اب ایسے سوالات پر سر کھپائی چھوڑ دی تھی۔ اسے جو پروٹوکول ملا تھا اس کے بعد کم از کم اس بات کا اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ دنیا کی ارفع و اعلیٰ مخلوق ہے اور جن لوگوں سے اس کا اب تک واسطہ رہا ہے ان کی حیثیت غلاموں اور کنیزوں کے سوا کچھ نہیں۔ وہ بلاشرکت غیرے خود کو ملکہ عالم تصور کر سکتی تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر

.....

دنیا کی مہنگی ترین کار کی نرم و گداز گدیوں میں دھنسی لیزا مارٹن کے سفر کا اختتام دارالحکومت کے سب سے مہنگے علاقے میں بنے ایک ایسے بنگلے کے سامنے ہوا تھا جس میں قیام کا شاید وہ امریکہ میں بھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔

اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ جب وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دنیا کے بہترین آرٹسٹوں کے شاہکار دیواروں پر سجے تھے اور سارے گھر کو دنیا کے انتہائی قیمتی ماربل سے سجایا گیا تھا۔

''خوش آمدید مس لیزا مارٹن''۔

ایک شاہکار میں کھوئی لیزا مارٹن اس آواز پر یوں چونکی جیسے اچانک خواب سے اس کی آنکھ کسی بم کے دھماکے نے کھول دی ہو۔

گردن موڑ کر دیکھا تو اس کے سامنے دنیا کی مہنگی ترین خوشبوؤں میں ڈوبا مسٹر خان مسکرا رہا تھا۔ اس کے سراپے پر ایک نظر ڈالنے کے بعد لیزا مارٹن کے دل سے بے اختیار اس ٹیلر کے لئے داد تحسین ادا ہوئی جس کے سلے ہوئے کپڑے مسٹر خان نے پہن رکھے تھے جنہوں نے اس کی توند کو گھٹانے یا چھپانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

''ونڈرفل''.....

لیزا نے داد تو شاید مسٹر خان کے ورزی کو دی تھی لیکن مسٹر خان سمجھ نہ پایا۔ اس نے بے نیازی سے اپنے منہ کا دھانہ کچھ اور کھول دیا۔

''پینٹنگز زبردست ہیں''۔

لیزا نے امریکی آداب معاشرت کا مظاہرہ کیا۔

''جو بھی آپ کو پسند آئے آپ کی ہوئی''.....

مسٹر خان کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور لیزا حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی ہزاروں ڈالر مالیت کی پینٹنگز اس نے پہلی ہی باقاعدہ ملاقات میں اس کی نذر کر دی تھیں۔

''الو کا پٹھا''..... اس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

روایتی جملوں کے تبادلے کے بعد جو لیزا مارٹن کیلئے وقت کا ضیاع بنتے جا رہے تھے مسٹر خان اس کے ناں ناں کرنے کے باوجود اسے زبردستی ایک وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل پر لے آیا جہاں انواع و اقسام کے مشروبات اور کھانے لیزا مارٹن کے لئے وہ ویٹروں نے سجائے ہوئے تھے اور اب دونوں شاہی باورچیوں کی طرح ہاتھ باندھے ایک کونے میں اگلے احکامات کے منتظر تھے۔

لیزا مارٹن نے آدھی زندگی برگر اور چپس کھاتے گزار دی تھی امریکہ میں کسی ''ڈائنر'' میں کھانے کی عیاشی کی متحمل وہ مہینے میں ایک دو مرتبہ ہی ہوا کرتی تھی یا پھر جب اس کا بوائے فرینڈ اس کی چھری تلے آتا۔ بصورت دیگر اسے گھر میں فریج سے ٹھنڈا ناشتہ نکال کر گردن اور کندھے کے درمیان ٹیلی فون پھنسائے باتیں کرتے کرتے ناشتہ زہر مار کرنا پڑتا تھا کیونکہ اس کے پاس وقت ہی اتنا کم ہوتا۔ اپنے آفس پہنچنے کے لئے بھی اسے پندرہ بیس کلومیٹر کار چلانی پڑتی پھر اسے پارکنگ میں کھڑا کر کے ''سب وے'' (زیر زمین ٹرین) کے ذریعے اپنے دفتر تک پہنچنا ہوتا تھا۔ جس طرح کی خاطر مدارت کا سامنا اس نے پاکستان میں اپنے زبردستی کے میزبانوں کی طرف سے کیا تھا اس طرح تو اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا البتہ فلموں میں کہیں کہیں ایسا کوئی منظر اسے ضرور دکھائی دیا تھا جسے سوائے حسرت کے دیکھنے کے وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

دنیا کی مہنگی ترین شرابیں اس کے سامنے میز پر سجی تھیں۔ مسٹر خان نے لیزا مارٹن کو متاثر کرنے کے لئے ایسا اہتمام کیا تھا جو شاید مڈل ایسٹ کا کوئی شہزادہ بھی نہ کر پاتا۔

اس نے مجبوراً ایک مشروب کے چند گھونٹ پیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ جبکہ اس کے سامنے دھری پلیٹ میں خان صاحب نے زبردستی ایک شہد میں لپٹا بٹیر جس سے اب

تک بھاپ اٹھ رہی تھی رکھ دیا۔

یہ انتہائی خاص عربی ڈش تھی جو مسٹر خان نے اسے کھلانے پر تلا ہوا تھا۔ لیزا مارٹن نے اس کے بضد ہونے پر بمشکل ایک لقمہ لیا تھا اور اس کے ذائقے پر حرف تحسین ادا کرتی اب باتھ روم کی طرف جا رہی تھی۔

''یہ بنگلہ میں نے چند روز پہلے ہی خریدا ہے۔ اس شہر میں میرا دوسرا بنگلہ ہے''.....

ڈرائنگ میں پہنچ کر خان نے بنگلہ کا تعارف کروانا شروع کر دیا اور پانچ چھ منٹ مسلسل اسے یہ بتانے کی کوشش کرتا رہا کہ اس میں استعمال ہونے والی لکڑی پاکستان میں مہنگی ترین لکڑی سمجھی جاتی ہے جبکہ یہاں کی تمام ٹائلیں درآمد کی ہوئی ہیں۔

''مسٹر خان میرے کام کا کیا بنا''؟

اس کی مسلسل بک بک سے تنگ آ کر بالآخر لیزا مارٹن کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگا تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں..... آج ہی..... آج شام ہی ہو جائے گا''.....

خان نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

لیزا کو اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ گزشتہ ڈیڑھ گھنٹے سے پاکستان کے دارالحکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز یہ شخص اتنا فارغ ہے کہ بغیر کسی مقصد کے اس کا زبردستی کا میزبان بنا ہوا ہے اور اس کی منسٹری میں اس کے بغیر معاملات کیسے چل رہے ہیں؟

''میں شام تک کچھ اور کام کر لوں..... آپ تو بہت مصروف ہوں گے۔ مجھے افسوس ہے۔ آپ کو زحمت ہوئی آپ آفس تشریف لے جائیں آپ کے کام کا ہرج ہو رہا ہو گا''.....

اس نے بالآخر خان سے کہہ ہی دیا۔

''نو پرابلم..... نو پرابلم''..... خان نے اپنے گنجے سر پر جیل سے جمائے گئی کے

چند بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا..... ''میں نے تو دو دن کی میڈیکل چھٹی لے رکھی میں نے سوچا آپ کو زحمت نہ ہو.....''

''واقعی مسٹر خان''.....

لیزا مارٹن کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''نو پرابلم''.....

خان نے بغیر کسی وجہ کے ہنستے ہوئے کہا۔

لیزا مارٹن نے سوچا واقعی یہ اس کے لئے کوئی ''پرابلم'' نہیں۔ اگر یہ اپنی بہن بھی ہوتا تو کیا کدو میں تیر چلا رہا تھا وہاں بھی اس نے یہی کچھ کرنا تھا..... اسے پاکستان چار روز گزارنے کے بعد اس بات کا ایمان کی حد تک یقین ہو چکا تھا کہ یہ لوگ تمام بڑے Problems سے بے نیاز ہو چکے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے قریباً تمام معاملات آقاؤں پر چھوڑ دیئے ہیں.....

خان آہستہ آہستہ رومانٹک ہو رہا تھا۔

اس نے ابھی تک لیزا مارٹن کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خیر سے دو آن ریکارڈ بچوں اور آٹھ عدد بچوں کا باپ بھی ہے جو تمام کے تمام اس ملک اور لندن کے مہنگے سکولوں کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

وہ تو لیزا مارٹن پر فدا ہوا جا رہا تھا جس کی عمر اس کی سب سے بڑی بیٹی سے چار سال کم ہی رہی ہو گی جواب خود دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔

☆O☆

''میرے خیال سے پیرزادہ کے متعلق Make Sure ہو جائیں.....''

لیزا نے امریکی جرنلسٹ کے ناطے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

''اوہ کیوں نہیں..... کیوں نہیں''.....

خان نے کہا اور فون پر کوئی نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے لائن ملنے پر اس نے کسی سے باتیں کرتے ہوئے پیرزادہ کے انٹرویو سے متعلق دریافت کیا اور باتیں کرنے لگا۔ چونکہ وہ اردو زبان میں بات کر رہا تھا اس لئے لیزا کے پلے سوائے پیرزادہ کے اور کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ بالآخر وہ فون رکھ کر لیزا سے مخاطب ہوا۔

''آج رات ڈنر پر بلایا ہے اس نے..... میں نے کوشش کی تھی کہ ابھی بات ہو جائے تاکہ آپ کو شام کے بعد مری اور اسلام آباد کی سیر کروا دوں۔ مری میں آج رات آپ کے لئے گیسٹ ہاؤس میں نے بک کروا دیا ہے..... اس بہانے مجھے بھی بہت عرصہ بعد ہی انجوائے کرنے کا موقعہ مل جائے گا..... میں بھی..... میرا مطلب ہے.....''

اس سے زیادہ بات کرنے کی ہمت وہ اب بھی نہیں پا رہا تھا۔

''اچھا تو یہ ارادے ہیں صاحب بہادر کے''..... لیزا نے دل ہی دل میں سوچا۔ اس کا جی تو چاہا کہ ایک زوردار تھپڑ اس گدھے کے منہ پر مارے اور یہاں سے دفع ہو جائے۔

لیکن..... ابھی وہ اس سب کچھ کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

نوید اختر کی طرف سے اسے کوئی امید نہیں دکھائی دے رہی تھی اور ''بڑا سکوپ'' مارنے کے لئے پیرزادہ کا انٹرویو کرنا اس کے لئے ناگزیر تھا بصورت دیگر وہ شاید اخبار میں اپنی ملازمت بھی جاری نہ رکھ پاتی اور پیرزادہ کے انٹرویو کے ساتھ اسے آفس کی طرف سے خصوصی انعام کی امید بھی تھی۔

''مسٹر خان پھر کبھی سہی فی الوقت تو مجھے انٹرویو حاصل کر کے فوراً اپنے آفس کو فیکس کرنا ہے۔ ابھی میرا کچھ دن قیام ہے اس ملک میں''.....

اس نے خود پر جبر کرتے ہوئے کہا۔

خان کے ڈوبتے دل کو اس کے آخری فقرے نے کچھ ڈھارس بندھائی تھی ورنہ تو اسے اپنی ساری محنت اکارت جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

''میرے خیال سے میں کچھ اور ضروری کام کرلوں.....شام کو ملتے ہیں''.....

لیزا کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ''.....

خان کی رال ٹپکی۔

''نہیں مسٹر خان ..... پلیز نہیں ..... سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ ایک بڑے سرکاری آفیسر ہیں۔اس طرح آپ کا میرے ساتھ گھومنا مناسب نہیں''.....

لیزا کے لئے اب مزید منافقت ممکن نہیں رہی تھی۔

''نو پرابلم''.....

خان نے ذبح ہونے کے انداز میں کہا۔

''نہیں مسٹر خان آپ کا بہت شکریہ..... میرے لئے پرابلم ہوسکتی ہے۔ ایمبیسی بھی جانا ہے کچھ اور کام بھی کرنے ہیں''.....

اس نے حتمی بات کہہ دی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔لیکن رات کا کھانا تم میرے ساتھ ہی کھاؤ گی اور تمہارا قیام بھی اب یہیں ہوگا''.....

خان نے ہتھیار ڈالتے ہوئے بچوں کی طرح ضد کی۔

''او۔کے''۔

لیزا نے اس سے جان چھڑانے کے لئے صرف دو الفاظ ادا کئے۔

خان نے اپنا ڈرائیور اور گاڑی لیزا مارٹن کے ساتھ مستقل کردی تھی اور خود حسرت ناک نظروں سے اسے بنگلے کے گیٹ سے باہر رخصت ہوتے دیکھ رہا تھا۔

☆O☆

صاعقہ

ہوٹل سے ایئرپورٹ تک شہباز سائے کی طرح لیزا مارٹن سے چپکا رہا.....عباس نے اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے کہا تھا اس سے زیادہ کا حکم اسے نہیں ملا تھا..... لیزا مارٹن جس فلائیٹ سے اسلام آباد جارہی تھی اس کا علم شہباز کو جلدی ہی ہوگیا پھر بھی اس نے فلائیٹ کی روانگی کے آدھا گھنٹے بعد تک اس کا انتظار کیا جس کے بعد اس کے ہوٹل فون کرکے اس بات کی تسلی کرلی کہ دو دن کے لئے وہ ''اسلام آباد تشریف لے گئی ہیں''۔

اب وہ اپنے موبائل فون سے عباس سے بات کررہا تھا۔عباس نے اپنے موبائل فون پر اس کا یہ پیغام موصول کیا کہ لیزا مارٹن اسلام آباد کی طرف محو پرواز ہے اور اب خود ایئرپورٹ کی طرف جارہا تھا۔

ایئرپورٹ سے لیزا مارٹن کی روانگی گو کہ عام راستے سے نہیں ہوئی تھی لیکن یہاں موجود عباس کے ایک ''سورس'' نے اسے بتادیا تھا کہ ایک ''میم'' کو بڑی مرسڈیز گاڑی میں سوار کرکے وی آئی پی لاؤنج کی طرف سے باہر نکالا جارہا ہے۔

ایئرپورٹ سے خان صاحب کے بنگلے تک اس نے اپنی موٹر سائیکل پر کار
طرح تعاقب کیا تھا کہ کسی کو گمان ہی نہ گزرے اور اب اپنی جگہ ایک اور ساتھی کی ڈیوٹ
نے بنگلہ کے سامنے لگا دی تھی۔

موبائل فون کے ذریعے ان کے رابطے ایک دوسرے سے قائم تھے اور لیزا ا
کی سرگرمیاں عباس کے علم میں تھیں۔ امریکی سفارت خانے سے مقامی ہوٹل تک ان
جہاں جہاں قیام کیا سب ان کے علم میں تھا اور اب وہ اپنے منصوبے کے آخری لیکن
سے خطرناک حصے پر عمل کرنے جا رہے تھے.....

کمانڈر رشید نے اس آپریشن کی کمان عملاً اسے سونپ دی تھی کیونکہ وہ یہ با
اچھی طرح جانتا تھا کہ عباس ایک مرتبہ جس بات کا عزم کر لے اس سے ہٹانے کا تو
ہی نہیں پیدا ہوتا اور آج تک ایسا ہوا نہیں تھا کہ اس نے کوئی عزم باندھا ہو اور اسے پورا
بغیر واپس لوٹے۔

اس نے عباس کے فیصلے کا ساتھ صرف اس لئے دیا تھا کہ اس میں ان کا کوئی
مقصد بظاہر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''کمانڈر صاحب..... ہماری صرف ایک ڈیمانڈ ہے..... مجاہدین کی رہائی
ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے''.....

عباس نے کمانڈر رشید سے کہا تو اسے اپنی سوچ بدلنی پڑی۔

''میں جانتا ہوں کمانڈر صاحب کہ جنگ کے کچھ اصول ہوتے ہیں لیکن
اصولوں کی پابندی فریقین پر لازم ہے صرف ایک فریق پر نہیں انہوں نے کس اصول
پابندی کی ہے..... آپ نہیں جانتے کیا؟ مجاہدین سے ہتھیار کن شرائط پر رکھوائے گئے
کیا وعدہ کیا تھا ان لوگوں نے؟ محفوظ راستے اور پاکستانی سرحد تک پہنچانے کا؟..... یا
ناں آپ کو کمانڈر صاحب..... اور کیا کیا؟..... جانتے ہیں آپ..... جانتے ہیں ناں
کس طرح اللہ کے ان شیروں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے اعضاء کاٹے تھے

ظالموں نے..... کس طرح گردنوں میں بارود بھر کر خون کے فوارے اچھلنے کا تماشا کیا گیا؟
..... کیا یہ سب کچھ ان امریکنوں کی آنکھوں کے سامنے نہیں ہوا؟ دنیا بھر کے میڈیا نے
تصاویر جاری نہیں کیں..... کس کے کان پر جوں رینگی؟ کسی نے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے
نکالا..... تف ہے ہمارے صاحبان اقتدار پر..... اور اب ہم کیا کرنے جا رہے ہیں؟ اپنے
ساتھیوں کو رہا کروانے کے لئے ان کی ایک جاسوس کو یرغمال بنانے؟ ..... نہیں کمانڈر
صاحب میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں..... واللہ میرے لئے کھانا حرام ہوا جاتا ہے..... میں
اپنے بے گناہ ساتھیوں کو کیا منہ دکھاؤں گا روز محشر کو..... کمانڈر صاحب آپ نہیں جانتے یہ
لوگ اس بے چارے ڈاکٹر عظیم کو بھی اپنے ساتھ کیوں لے گئے ہیں جو سوائے ہماری مرہم
پٹی کے اور کچھ نہیں کرتا تھا اسے تو ڈھنگ سے پستول چلانا نہیں آتا' کیا گناہ ہے اس کا؟
..... نہیں کمانڈر صاحب اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہے تو.....''

شدت جذبات سے وہ اپنی بات بھی ڈھنگ سے مکمل نہیں کر پا رہا تھا۔

''مجھے تمہارے کرب کا احساس ہے عباس..... میں بھی اسی دکھ کا شکار ہوں.....
میرا تو جی چاہتا ہے کہ اپنے جسم سے بارود باندھوں اور سب کچھ تباہ و برباد کر کے رکھ دوں
..... سب کچھ.....''

کمانڈر رشید کا سارا غصہ اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

''پھر آخر بات کیا ہے..... رکاوٹ کیا ہے''.....

عباس نے قریباً چڑ کر یہ سوال کیا تھا۔

''حالات..... بین الاقوامی حالات..... کیا تم پسند کرو گے جن حالات سے ہم
گزر رہے ہیں ان سے سارے ہم وطن بھی گزریں؟.....

کمانڈر رشید نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں؟''.....

واقعی اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔

''اس وقت امریکہ کی حالت زخم خوردہ سانپ کی سی ہے۔ 11 ستمبر کے بعد اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے کسی نہ کسی کو ٹارگٹ بنا کر اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں کہیں بے گناہ پاکستانی.....''

کمانڈر رشید نے کچھ کہنا چاہا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا کمانڈر صاحب..... امریکہ کبھی اپنے قیمتی دوست کو نہیں کریں گے۔ انہیں اس خطے میں آج سے پہلے شاید کبھی اتنی شدت سے پاکستان ضرورت محسوس نہیں ہوئی..... کبھی نہیں..... اپنے ملک کی ایک جرنلسٹ کے لئے وہ پاکستان پر حملہ نہیں کریں گے اس بات کی ضمانت میں آپ کو دیتا ہوں''۔

اس نے قریباً ہنستے ہوئے اپنی بات مکمل کی اور کمانڈر رشید کو سمجھانے لگا۔ پاکستان کس طرح امریکہ کے لئے آج کل ناگزیر ہو چکا ہے.....

بالآخر کمانڈر رشید نے اس کے فیصلے پر صاد کر دیا.....

اور..... سب سے بڑھ کر نبیلہ.....

نبیلہ نے تو اس کی اتنی حوصلہ افزائی کی تھی جیسے وہ خود یہ سب کچھ کرنا چاہتی ہو خصوصاً جب عباس نے اسے بتایا کہ اس نے اغوا کے لئے لیزا مارٹن کا انتخاب کیا ہے تو نبیلہ کی حالت دیدنی تھی۔

''میں نگرانی کروں گی اس کی..... اس کی زبان جانتی ہوں اچھی طرح..... آپ کا بوجھ بھی بانٹوں گی..... آپ مجھے ہر قدم پر اپنے ساتھ پائیں گے''.....

اس نے عباس سے کہا تھا۔

☆O☆

لیزا مارٹن اس وقت ایک فور سٹار ہوٹل کے کافی ہاؤس میں کافی سے دل بہلا رہی تھی۔ اس نے پیرزادہ کے فون پر اس سے خود بات کی تھی اور حیران تھی کہ پیرزادہ نے اس کا نام سنتے ہی اس سے ملاقات کی ہامی بھری تھی۔

''خان بندہ زبردست ہے''۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

یہ خان ہی تو تھا جس نے اس ملاقات کو ممکن بنایا تھا۔ ایک اہم وزارت کا اعلیٰ ترین افسر ہونے کے ناطے اس کی رسائی سکیورٹی ایجنسیوں کے اعلیٰ حکام تک تھی اس نے اپنے ایک ایسے دوست کا انتخاب کیا جس کے پیرزادہ سے ''خصوصی مراسم'' تھے۔

اور جب اس ''دوست'' نے پیرزادہ کو لیزا مارٹن سے انٹرویو پر قائل کرنا شروع کیا تو پیرزادہ یہی سمجھا کہ شاید یہ کوئی ''سرکاری لائن'' ہے۔ اس نے اپنی دانست میں اس لئے پیرزادہ سے ملاقات پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ شاید یہ ''سرکاری پالیسی'' ہے اور حکومت چاہتی ہے کہ وہ اپنی پوزیشن صاف کرے اس بات کا تو اسے گمان بھی نہیں تھا کہ یہ سب کچھ ''یاری دوستی'' میں ہو رہا ہے۔

لیزا کے لئے اب سب سے اہم مسئلہ مسٹر خان کے ڈرائیور اور گاڑی سے جان چھڑانا تھا۔ اس نے اس بات کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا کہ پیرزادہ کا انٹرویو لیتے ہی یہاں سے غائب ہو جائے گی کم از کم اب وہ خان جیسے ریشہ خطمی کا مزید وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے ہوٹل کی لابی میں بیٹھے ڈرائیور کو جب واپس جانے کے لئے کہا تو وہ گھبرا گیا۔

''صاحب نے تو آپ کے ساتھ ہی.....''

اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کچھ کہنا چاہا۔

''میری ان سے بات ہو گئی ہے۔ تم جا سکتے ہو''.....

یہ کہہ کر وہ ڈرائیور کی مزید کوئی بات سنے واپس اپنی میز پر آ گئی۔

ڈرائیور تذبذب کا شکار تھا کیونکہ ''صاب'' نے اسے حکم دیا تھا کہ میڈم کا خیال رکھنا ہے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دے اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ میڈم نے رات کا کھانا بنگلے میں کھانا ہے۔

''لیکن..... میڈم تو..... بڑے لوگوں کی بڑی باتیں..... ممکن ہے پروگرام بدل

گیا ہو''.....

اس نے سوچا اور پارکنگ کی طرف چل دیا۔

اگلے چند منٹ کے بعد وہ پارکنگ سے گاڑی نکال کر گھر لے جا رہا تھا۔

☆O☆

''گاڑی اسے چھوڑ کر جا رہی ہے..... وہ گاڑی میں موجود نہیں''۔

نگرانی پر مامور ساتھی کی طرف سے عباس کو فون ملا۔

''تمہیں یقین ہے کیا''؟.....

عباس نے بے یقینی کے لہجے میں دریافت کیا۔

''میں نے اطمینان کے لئے ڈائننگ ہال کا چکر لگایا ہے وہ کافی پی رہی ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ کر آیا ہوں''۔

ساتھی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''ٹھیک ہے تم اپنی جگہ ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں''۔

عباس نے فون بند کر دیا۔

اس کا ذہن تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ دوسری طرف حمزہ اس سے مخاطب تھا۔

''ٹیکسی لے کر ہوٹل پہنچو''.....

اس نے حمزہ سے کہا۔

اور..... ہوٹل کی طرف چل دیا۔

اس کا ذہن تیزی سے متبادل منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ اب انہیں زیادہ امکانات کا جائزہ لے کر اگلا قدم اٹھانا تھا۔

اس مفرور ضنے کو عباس نے کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا کہ سکیورٹی کے لوگوں کی نظریں لیزا مارٹن پر رہی ہوں گی اور اسے جو کچھ بھی کرنا ہے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر

ہے۔ اس کھیل میں زیادہ کھلاڑیوں کی شمولیت کی گنجائش ہی نہیں تھی اور نہ ہی وہ کوئی خطرہ مول لے سکتے تھے۔

ہوٹل کے دروازے کے باہر حمزہ اس کا منتظر تھا.....

اس نے حمزہ کو ہدایات دیتے ہوئے ہوٹل کی لابی کی طرف روانہ کر دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

حمزہ خدا حافظ کہہ کر چل دیا اور بمشکل دس منٹ بعد ہی اسے حمزہ کا فون مل گیا۔

''بسم اللہ کیجئے''.....

مختصر پیغام ملا اور اس نے گاڑی سٹارٹ کر کے ہوٹل میں داخل کر دی۔

گیٹ پر موجود گارڈ نے اسے روک لیا۔

''کدھر.....''

اس نے عباس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''صاحب کو لینے آیا ہوں انہوں نے فون کر کے بلایا ہے''۔

اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا موبائل کھڑکی کے باہر اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ عام حالات میں وہ اس ہوٹل میں ٹیکسی نہیں لے جا سکتا تھا لیکن مہمانوں کو چھوڑنے اور لے جانے کے لئے البتہ اجازت مل جاتی تھی.....

''او۔ کے''.....

گارڈ نے بیریئر ہٹا کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا اور دوسرے ہی لمحے وہ ہوٹل کی Exil کے سامنے کھڑا تھا۔ جہاں سے بمشکل ایک منٹ بعد لیزا مارٹن برآمد ہوئی جس نے ٹیکسی وہاں موجود خالی ٹیکسی دیکھ کر یہ گمان بھی نہیں کیا یہ ٹیکسی اسی کے لئے آئی ہے۔

''ٹیکسی چاہئے میڈم.....''

اس نے انگریزی میں لیزا کو مخاطب کیا اور لیزا مارٹن نے خدا کا شکر ادا کیا کہ زیادہ تر دو نہیں کرنا پڑا۔ اسے اب تک یہی دھڑکا لگا تھا کہیں ڈرائیور نے خان سے نہ کہہ دیا

ہو کہ لیزا اس سے الگ ہو گئی ہے۔ لیزا مارٹن کو اندازہ تھا کہ اگر ایسا ہوا تو خان اپنی زندگی پر لگا کر خود یہاں پہنچ جائے گا وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس طرح ہاتھ آیا شکار اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ اس بے چارے نے تو آج کی رات اپنے اور لیزا کے لئے مری میں گیسٹ ہاؤس بک کروا رکھا تھا۔

''تھینک یو..... مجھے اس ایڈریس پر جانا ہے''۔

لیزا مارٹن نے کاغذ پر لکھا پیرزادہ کا ایڈریس اسے تھما دیا۔

''نو پرابلم میڈم''.....

اس نے اطاعت گزاری۔

اور..... دوسرے ہی لمحے لیزا مارٹن پچھلی سیٹ پر پہنچ چکی تھی۔

''کتنی دیر میں ہم وہاں تک پہنچ جائیں گے''.....

اس نے ذہنی طور پر تیار ہوتے ہوئے عباس سے دریافت کیا۔

''بمشکل بیس منٹ میں میڈم..... میں آپ کو مین بلیوارڈ سے لے جاؤں راستہ تھوڑا لمبا ہے لیکن ہم ٹریفک سے بچ جائیں گے۔ آج سیچر ڈے نائٹ ہے ناں سڑکیں معروف ہو جاتی ہیں''.....

اس نے گردن گھمائے بغیر جواب دیا۔

''نو پرابلم''.....

اس مرتبہ لیزا مارٹن نے کہا اور مطمئن ہو کر اپنا سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ وہ دل ہی دل میں خود کو پیرزادہ کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر رہی تھی۔

ڈرائیور پڑھا لکھا اور خاصا مہذب دکھائی دے رہا تھا اور بہت با اخلاق بھی لیزا بڑی مطمئن تھی..... وہ لوگ ایک درختوں سے گھری اور سنسان سڑک سے گزر رہے جب اچانک گاڑی جھٹکا کھا کر رک گئی۔

''کیا ہوا..... کیا ہوا''؟

لیزا نے گھبرا کر پوچھا۔

''ویری سوری..... ویری سوری میڈم..... نو پرابلم..... ذرا پلگ میں کچرا آ گیا ہے۔ پرانی گاڑیاں ہیں ناں میڈم کوئی نہ کوئی مسئلہ لگا رہتا ہے..... پلیز دو منٹ زحمت ہو گی آپ کو.....''

عباس نے اسے اتنی لجاجت سے یہ بات کہی کہ اس کی ساری پریشانی ختم ہو گئی۔

اس نے جلدی سے باہر نکل کر گاڑی کا بونٹ کھولا اور سر جھکا کر اپنے کام میں معروف ہو گیا۔

لیزا مارٹن اس لئے بھی مطمئن تھی کہ ہوٹل سے پیرزادہ کو فون کر کے اس نے اپنے آنے کا جو وقت بتایا تھا اس میں ابھی پون گھنٹہ باقی تھا۔

☆O☆

''ہینڈز اپ''.....

اچانک ہی دو نقاب پوش اس کے دونوں جانب پستول تان کر کھڑے ہو گئے۔

بونٹ عباس نے گرا دیا اور چپ چاپ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا.....

لیزا مارٹن پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

''کک کون ہو تم..... کیا بات ہے''؟.....

اس نے گھبرائے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بمشکل پوچھا۔

''چپ چاپ بیٹھی رہو..... زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو.....''

نقاب پوش نے انگریزی میں اسے سختی سے ڈانٹا اور لیزا مارٹن سہم کر رہ گئی۔

اسے اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ کب دوسرے نقاب پوش نے اس کے منہ پر رومال رکھا۔ کب وہ بے ہوش ہوئی.....

شاید عباس اس کی بے ہوشی ہی کا منتظر تھا۔ اس نے ٹارچ سے مخصوص اشارہ کیا۔

دوسرے ہی لمحے درختوں کے جھنڈ سے ایک پرانی سی ایمبولینس برآمد ہوئی اور تینوں نے

بے ہوش لیزا مارٹن کو اس میں منتقل کر دیا.....

ایمبولینس لے کر عباس اور اس کے ایک دوست نے اپنی راہ لی جبکہ دوسرے نقاب پوش نے ٹیکسی کو مخالف سمت میں ڈال دیا۔ ان کا ایک اور ساتھی موٹر سائیکل پر ٹیکسی کے تعاقب میں آ رہا تھا۔ ایک بہت اندھیری جگہ جنگلی گھاس سے گھرے قطعہ اراضی پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ موٹر سائیکل والا وہیں کھڑا رہا جبکہ ٹیکسی ڈرائیور نے ڈگی کھول کر اس میں سے پٹرول کا ایک کین نکالا اور اسے ٹیکسی پر چھڑک کر آگ لگا دی۔ وہ خود اپنے ساتھی کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہاں سے نکل گیا۔

اب یہاں جلتی ہوئی ٹیکسی کے سوا اور کچھ موجود نہیں تھا۔ ٹیکسی کی آگ نے گھاس کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا لیکن ابھی تک کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی بمشکل پندرہ منٹ بعد جب ایک کار یہاں سے گزری اور کار سوار نے گھاس کو آگ لگے دیکھی تو اس نے فائر بریگیڈ کو فون کیا۔ فائر بریگیڈ اور پولیس کے وہاں پہنچنے تک ٹیکسی جل کر تباہ ہو چکی تھی۔

☆O☆

لیزا مارٹن کو ہوش آیا تو اسے اپنے سر کے ساتھ ساتھ کمرہ گھومنے کا بھی احساس ہوا۔ گھبرا کر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور دس منٹ تک اس پوزیشن میں خود کو نارمل کرنے کے بعد آنکھیں کھولیں تو وہ ایک آرام دہ پلنگ پر موجود تھی۔ جہاں ایک کونے میں ٹی وی دھرا تھا ایک صوفہ اور میز کے علاوہ اس کے سرہانے منرل واٹر کی بوتل اور گلاس رکھا تھا۔

لیزا نے ڈرتے ڈرتے بوتل سے پانی نکال کر حلق میں انڈیلا اور کوشش کرنے لگی کہ خود کو کم از کم اتنا نارمل کر لے کہ ڈھنگ سے اس کے حلق سے آواز ہی نکل پائے ورنہ تو اسے اپنی قوت گویائی کے ختم ہونے کا اندیشہ ہونے لگا تھا۔

یہ احساس کہ اسے اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے اس کی جان لینے کے لئے کافی تھا۔ عام زندگی میں بھی وہ خاصی بزدل لڑکی تھی اور زندگی کو بغیر کسی الجھن یا دردسر

گزارنے کی قائل تھی۔ ہمت کر کے اب وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ بستر پر بیٹھے بیٹھے اس نے اطراف کا جائزہ لیا اور اٹھ کر کمرے کی کھڑکی تک گئی۔ کھڑکی اندر سے تو کھلی تھی لیکن باہر سے شاید بند تھی۔ دروازہ بھی باہر سے بند تھا۔

لیزا پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

اس نے دیوانہ وار دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا..... ابھی اسے بمشکل دو منٹ گزرے تھے جب اچانک باہر سے دروازہ کھلا اور وہ دروازے سے ٹکرا کر فرش پر جا گری۔

لیزا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا اس کے سامنے ایک خوبصورت لڑکی موجود تھی۔

''کک کون ہو تم..... تم مجھے یہاں کون لایا ہے''؟.....

اس نے اپنی تمام توانائیاں مجتمع کر کے لڑکی سے پوچھا۔

''میرا نام صاعقہ ہے..... صاعقہ کا مطلب جانتی ہو۔ بجلی اور تمہیں ہم اغوا کر کے یہاں لائے ہیں''۔

نبیلہ نے جواب دیا۔

لیزا نے اندازہ لگایا کہ لڑکی خاصی تعلیم یافتہ ہے یا پھر وہ جان بوجھ کر اس کے سامنے بالکل یورپین لہجے میں انگریزی بول رہی تھی۔ اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ اس نے اپنا نام صحیح نہیں بتایا ہو گا۔

یہ خبر اس کے اعصاب پر بجلی بن کر گری کہ اسے اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔

''لیکن کیوں..... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے''؟.....

لیزا نے قریباً روہانسی آواز میں کہا۔

''تم نے..... تم نے ہمارا رہنے کیا دیا ہے۔ تم انسان نہیں درندے ہو درندے وحشی درندے''۔

نبیلہ کے لہجے میں رعد کڑک رہی تھی۔

''دیکھو تم جو کوئی بھی ہو ایک بات جان لو میں اتنی اہم شخصیت نہیں جس سے کسی واقعہ کا کوئی تعلق ہو نہ ہی مجھے اغوا کرنے سے تمہیں کچھ فائدہ حاصل ہوگا''.....

لیزا نے منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں.....تمہارے لئے صرف ایک ہی نصیحت ہے کہ خاموشی سے یہاں بیٹھی رہو۔کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو تمہاری کم از کم سزا موت ہے کیونکہ ہم تمہیں زخمی کرنے یا یہاں سے فرار ہونے کا موقعہ کبھی نہیں دے سکتے یہ ہمارے لئے سراسر گھاٹے کا سودا ہوگا.....''

نبیلہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں بات کی کہ لیزا کو اپنا سانس رکتا محسوس ہونے لگا۔

''خدا کے لئے مجھے جانے دو.....میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے''.....

اس نے قریباً روتے ہوئے کہا۔

''بہت بزدل ہو تم.....اتنی جلدی منت سماجت پر اتر آئی۔ابھی تو آغاز ہے مس لیزا مارٹن۔اپنے حواس قائم رکھو معلوم نہیں تم نے یہاں اور کتنے دن گزارنے ہیں.....لیکن زیادہ دن بھی کیوں.....ہم اتنا دردسر بھی کیوں مول لیں.....تم لوگ اس قابل ہو کہاں کہ تمہیں بھیک میں بھی دو چار دن کی زندگی بطور بخشیش دے دی جائے''.....

اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں لیزا مارٹن سے کہا۔

''دیکھو.....دیکھو.....پلیز م میری ماں کینسر کی مریض ہے۔تم انکوائری کر سکتے ہو.....ہسپتال سے پتہ کر سکتے ہو.....میں اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں وہ صدمے سے مر جائے گی وہ.....''

''شٹ اپ''.....

لیزا نے روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ باندھے لیکن نبیلہ نے اتنے غصے سے

چلا کر اس کو ٹوکا کہ سہم کر لیزا مارٹن دیوار سے جا لگی وہ بھیگی بلی کی طرح خود میں سمٹ رہی تھی خوف سے اس کے بدن پر رعشہ طاری تھا۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ ٹکٹکی لگائے نبیلہ کو دیکھ رہی تھی۔

''سامنے باتھ روم ہے.....تمہیں انگریزی کا اخبار اور ٹی وی دیکھنے کی اجازت ہے۔ہم کوشش کریں گے تمہاری پسند کے کھانے تمہارے لئے منگوا سکیں.....اب اٹھو اور منہ ہاتھ دھو لو.....میں تھوڑی دیر بعد تمہارے لئے ناشتہ لے کر آ رہی ہوں.....''

یہ کہہ کر اس نے زور سے دروازہ مارا تو لیزا کا دل اچھل کر جیسے حلق میں اٹک گیا .....زندگی میں ایسے بھیانک تجربے سے گزرنے کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ابھی اس کا رابطہ اغوا کرنے والوں کے گروہ کی ایک لڑکی سے ہوا تھا جس نے اس کے تن بدن پر لرزہ طاری کر دیا تھا نجانے اس کے باقی ساتھی کتنے ظالم اور خونخوار ہوں گے۔

''اوہ مائی گاڈ''.....

لیزا مارٹن رونے لگی.....

رونے سے اس کا دل کچھ ہلکا ہو گیا اور کسی نادیدہ قوت نے جیسے اسے خود بخود نارمل بھی کر دیا۔اس نے سوچا اگر اس نے ان لوگوں کی مرضی کے مطابق سلوک نہ کیا تو یہ اس کی جان بھی لے سکتے ہیں کوئی اور نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں غصے میں آ کر کچھ بھی کر سکتے ہیں.....

یہی سوچ کر وہ ہمت کر کے اٹھی اور غسل خانے میں گھس گئی آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا تو حیران رہ گئی راتوں رات اس کی تو شکل ہی جیسے تبدیل ہو گئی تھی۔آنکھوں کی چمک بھی مدھم پڑنے لگی تھی۔

''اوہ خدایا.....اوہ خدایا.....''

اس نے بے بسی سے بڑبڑاتے ہوئے دہرایا اور اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔اس دوران اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔بمشکل اس نے خود کو

نارمل کیا اور دعا کرنے لگی کہ اس کی حکومت ان لوگوں کے مطالبات مان کر اس کی رہائی کا بندوبست کرے۔ اس بات کی اسے البتہ امید تھی کہ اس کی حکومت کی طرف سے اس کو کرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی کیونکہ ایسے واقعات کا اسے علم تھا جب دنیا کے کہیں کوئی امریکی اغوا کاروں نے یرغمال بنایا تو امریکی حکومت نے اس کی رہائی کے لئے سرتوڑ کوشش ضرور کی تھی.....

لیکن.....میرے لئے میزی اوقات ہی کیا ہے؟

شبنم سے جھانکتی لیزا مارٹن نے اس سے سوال کیا۔

''میں ایک بڑے اخبار سے تعلق رکھتی ہوں.....کارل مجھ میری رہائی کے لئے جان لڑا دے گا اور میں یہودی بھی تو ہوں.....''

اس نے خود کو حوصلہ دینے کے لئے اپنے مثبت پوائنٹس گننے شروع کئے۔ اسے خود کو بہر حال مطمئن کرنا تھا۔ فی الوقت یہی اس کی سب سے اہم ضرورت تھی اس کے بعد ہی کچھ ممکن تھا۔ یہی سوچتی وہ تولیے سے منہ خشک کرتی باہر آ گئی.....

ابھی لیزا مارٹن سنبھل ہی پائی تھی جب دوبارہ دروازہ کھلا اور صاعقہ اس کے لئے ٹرالی گھسیٹتی اندر آ گئی۔ ٹرالی میں اس کے ناشتے کے لئے مختلف چیزیں موجود تھیں۔ پہلی ہی نظر اس پر دوڑانے سے اسے کم از کم اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ظالم اور بے رحم ہونے کے باوجود یہ لوگ مہذب ضرور ہیں کیونکہ انہوں نے اس کے کھانے پینے کا خاصا اہتمام کر دیا تھا۔

''ناشتہ کرو.....کافی اور چائے دونوں موجود ہیں اور ہاں ہم قطعاً یہ نہیں چاہیں گے کہ تم بھوک ہڑتال کرو.....کوشش کرنا ہمیں اس بات کا شک بھی نہ ہو کہ تم نے کچھ کھایا پیا نہیں.....ہمارے لئے تمہاری کوئی اہمیت تب تک ہے جب تک تم صحت مند اور نارمل ہو''.....

صاعقہ نے اسے اس انداز سے یہ بات سمجھائی تھی جیسے کچھ نہ کھانے کی صورت

میں اسے گولی مار دی جائے گی۔

''تھینک یو.....''

لیزا مارٹن نے ہمت کی۔

''اگر تمہیں میرے سامنے ناشتہ کرنے میں دقت پیش آ رہی ہے تو میں باہر چلی جاتی ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد آ کر میں اشیائے خورد و نوش چیک کروں گی''.....

صاعقہ نامی اس لڑکی نے اگلی بات کہی اور اس کی طرف دیکھا۔

لیزا مارٹن خوف کے مارے اس سوال کا جواب ہی ڈھنگ سے نہیں دے پائی تھی۔ صاعقہ نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور باہر چلی گئی۔

اس مرتبہ اس نے یہ مہربانی ضرور کی تھی کہ جاتے ہوئے دروازہ شریفانہ طریقے سے بند کر گئی تھی جبکہ لیزا مارٹن ذہنی طور پر خود کو کسی دھماکے کی آواز کے لئے تیار کر رہی تھی۔

اس نے صاعقہ کی دھمکی کو ذہن میں رکھتے ہوئے خود پر جبر کر کے دو سلائس زہر مار کئے تھے اور آدھے گھنٹے میں کافی کے دو تین کپ زہر مار کر گئی تھی.....

اپنے سرہانے دھرے سگریٹ کے پیکٹ سے اس نے اپنا آخری سگریٹ نکال کر اسے سلگانا چاہا.....اغوا کاروں نے اس کے ہینڈ بیگ میں سے صرف سگریٹ کی یہ ڈبیا ہی وہاں رکھی تھی باقی کوئی شے وہاں نہیں رہنے دی تھی۔

لیزا مارٹن بڑی شدت سے سگریٹ کی ضرورت محسوس کر رہی تھی لیکن کمرے میں اسے کہیں سگریٹ لائیٹر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک دروازہ کھلا اور صاعقہ پھر اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پولی تھین بیگ بھی تھا جس سے اس نے سگریٹ کا ایک ڈبا نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور اپنے ہاتھ میں پکڑے لائٹر کو جلا کر اسے سگریٹ سلگانے کی دعوت دی۔ لیزا مارٹن نے کپکپاتے ہونٹوں میں سگریٹ دبایا تو صاعقہ نے لائٹر سے اسے روشن کر دیا۔

''جس برانڈ کے تم سگریٹ پیتی ہو وہ یہاں نہیں ملتے.....ہم دارالحکومت سے

تین سو میل دور کسی پہاڑی علاقے میں موجود ہیں۔ بہر حال کل تک تمہارے برانڈ کے سگریٹ پہنچ جائیں گے۔ یہ سگریٹ ہمارے ملک کے سب سے اچھے برانڈ کے ہیں اور ہاں ..... مجھے افسوس ہے یہاں فی الحال ہم لائیٹر نہیں رکھ سکتے ..... البتہ جب تمہیں کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو تم یہ بٹن دبا کر مجھے اندر بلا سکتی ہو.....''

اس نے یہ کہتے ہوئے پلنگ کے سرہانے ایک پش بٹن کی طرف اشارہ کیا...

لیزا نے بڑی سعادت مندی سے سر جھکا دیا۔

''ممکن ہے بعد میں تمہیں لائیٹر دے دیا جائے لیکن یہ تب ہی ممکن ہوگا جب ہم اس بات کا یقین کر لیں کہ تم خود کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی.....''

صاعقہ نامی اس لڑکی نے کچھ توقف کے بعد لیزا مارٹن سے کہا تو اس کی جان میں جان آئی کیونکہ لیزا کے لئے یہاں زندہ رہنے کا واحد سہارا سگریٹ ہی تھے یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ لوگ اسے شراب مہیا نہیں کریں گے اگر ایسا ممکن ہوتا تو وہ کر چکے ہوتے.....

صاعقہ ٹرالی گھسیٹ کر واپس چلی گئی تو لیزا مارٹن نے گزشتہ دنوں کے واقعات پر غور کرنا شروع کیا اور خود کو کوسنے لگی۔

اس نے خان جیسے جانثار کے خلوص کو ٹھکرانے کی بہت بھاری قیمت ادا کی تھی۔ اس نے سوچا اگر وہ خان کے ڈرائیور کے ساتھ رہتی تو ممکن ہے یہ حادثہ پیش نہ آتا یا پھر خان سے کہتی کہ وہ اس کے لئے باڈی گارڈ کا بندوبست کر دے کیونکہ خان نے اسے متعدد مرتبہ ایسی پیشکش کی تھی۔

''شاید بے چارے کے خلوص کو ٹھکرا کر دھوکہ دے کر بھاگنے کی سزا اسے خداوند نے دی ہے''.....

اس نے سوچا اور بے اختیار مسکرا دی۔

خود کو نارمل رکھنے کے لئے اس نے جہاز کے سفر سے کل دوپہر تک مسٹر خان کی

طرف سے اپنے لئے ہونے والے قربانی کے مظاہروں کو یاد کر کے دل ہی دل میں مسکرانا شروع کر دیا۔

اچانک ہی اسے خیال آیا کہ اسے پیرزادہ نے تو اغوا نہیں کروایا؟

پیرزادہ کے مرید خاصے پڑھے لکھے ہیں اور ان کا تعلق زیادہ تر امریکہ اور یورپی ممالک سے ہے یہ لوگ بھی پڑھے لکھے دکھائی دے رہے تھے۔

لیکن..... پیرزادہ اسے کیوں اغوا کروائے گا؟ وہ تو خود اس کے پاس جا رہی تھی۔ اس بات کا علم مسٹر خان، اس کے آفس اور نوید اختر کو بھی ہے..... پیرزادہ بھی یہ بات جانتا ہے کہ اس کے اغوا کی صورت میں سب سے پہلے اس پر شک کیا جائے گا؟ پھر وہ ایسا کیوں کرنے لگا؟

ایک نئی سوچ نے پہلی سوچ پر غلبہ پا لیا..... یہ لوگ عام قسم کے مجاہد تو دکھائی نہیں دیتے اس نے سوچا.....

''اوہ مائی گاڈ''.....

اچانک ایک خیال نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔

''کہیں اسے القاعدہ والوں نے تو اغوا نہیں کروایا''؟

پھر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اگر ایسا ہے تو پھر اس کے مستقبل کا خدا ہی حافظ ..... یہ لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ اس نے ان کی وحشت اور درندگی کی بہت سی کہانیاں پہلے سے سنی ہوئی تھیں۔ اس نے بادل نخواستہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتی تھی؟

بے رحم سوچوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے ٹی وی کا سوئچ آن کر دیا۔ پہلے ہی چینل پر کیوبا کے ''گوانتاناموبے'' عقوبت خانے کے مناظر دکھائی دینے لگے بمشکل دو منٹ بعد ہی اس نے دوسرا چینل بدلا وہاں افغانستان کی موجودہ لڑائی

میں طالبان اور القاعدہ پر ہونے والے مختلف مناظر کی فلم چل رہی تھی.....

اس کے بعد وہ چینل بدلتی چلی گئی لیکن اس ٹی وی پر صرف چار چینل ٹیون ہو گئے تھے اور چاروں پر ایسی فلمیں چل رہی تھیں جن میں امریکی مظالم کو نمایاں کیا گیا تھا.....

لیزا مارٹن کو سمجھ آ گئی کہ یہ لوگ اسے نفسیاتی طور پر توڑنے کا عزم بھی رکھتے ہیں اور یہ اسی سلسلے کی کڑی ہے اس نے ٹی وی بند کر دیا اور بستر پر گر گئی۔

اچانک ہی اس کی نظر چھت پر گئی جس کے ایک کونے میں شارٹ سرکٹ کیمرہ نصب تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی حرکات کو بھی مانیٹر کیا جا رہا ہے.....

خوف اس کے سارے بدن میں زہر کی طرح سرایت کر گیا.....

☆O☆

''اس کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں میں اس سے ہر وہ کام انشاء اللہ کرواؤں گا جس کی آپ امید رکھتے ہیں''۔

اس عمارت کے ایک کمرے میں عباس' کمانڈر رشید اور نبیلہ محو گفتگو تھے۔

''لیکن نبیلہ بہن تمہارے لئے.....''

کمانڈر رشید نے کچھ کہنا چاہا.....

''نہیں کمانڈر صاحب..... میرے لئے کچھ بھی ابنارمل نہیں..... میں اس مہم میں آپ کی ایک ساتھی ہوں..... مجاہدوں کے لئے اپنی جان نچھاور کرنا میری زندگی کا مقصد ہے..... اور ایک عورت ہونے کے ناطے اس کی زیادہ بہتر دیکھ بھال بھی کر پاؤں گی میری آمد و رفت کا بھی کوئی زیادہ نوٹس نہیں لیا جائے گا''.....

اس نے کمانڈر رشید کی بات کاٹ دی۔

''ہاں کمانڈر صاحب..... نبیلہ میری بیوی ہی نہیں مجھے اس بات کا فخر ہے کہ ہمارے مشن کی ساتھی بھی ہے''.....

عباس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''ہمیں اپنی بہن پر فخر ہے.....''

کمانڈر رشید اس کے جذبے سے بہت متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ اس سے لکھوا لو.....''

اس نے نبیلہ سے کہا۔

''ٹھیک ہے''.....

نبیلہ نے کہا اور کاغذ پکڑ کر دوبارہ اندر چلی گئی۔

ایک مرتبہ پھر وہ لیزا مارٹن کے سرہانے موجود تھی۔ ایک کاغذ اور قلم اس نے لیزا کی طرف بڑھایا.....

''اسے من و عن کاغذ پر نقل کر دو..... اس بات کا خیال رکھنا اگر تم نے کوئی چالاکی دکھائی کسی لفظ کی ساخت بگاڑنے کی کوشش کی یا کسی اور طریقے سے کوئی سطر لکھی تو ہم تمہیں ابھی گولی مار کر جنگل میں پھینک آئیں گے''.....

اس نے بڑے سفاک لہجے میں لیزا مارٹن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

لیزا مارٹن کے لئے فی الوقت آنکھیں بند کر کے اس کے احکامات پر عمل کرنے کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کاغذ پر لکھا ہوا تھا کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے اور اگر اگلے چار روز کے اندر ''گوآنتاناموبے'' میں قید مجاہدین کو رہا نہ کیا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اغوا کاروں نے صرف یہی ایک مطالبہ کیا تھا ان کا تقاضا تھا کہ امریکی وزیر خارجہ قیدیوں کی رہائی کا اعلان کریں جس کے بعد اغوا کار انہیں بتائیں گے کہ انہیں کہاں پہنچانا ہے۔

لیزا مارٹن کے ہاتھ سے لکھے کاغذ پر صاعقہ نامی اس لڑکی نے نظریں دوڑائیں اور مطمئن ہو کر سر ہلاتی جس طرح آئی تھی اسی طرح واپس لوٹ گئی۔

☆O☆

تھوڑی دیر بعد وہ نزدیکی مارکیٹ میں اشیائے خوردونوش کی خریداری کر رہی تھی۔ جس مارکیٹ میں وہ آئی تھی وہ اس جگہ سے قریباً تین کلومیٹر دور تھا جہاں انہوں نے لیزا مارٹن کو رکھا ہوا تھا گو کہ گھر کے نزدیک ایک اور مارکیٹ بھی تھی لیکن احتیاطی اقدامات کے پیش نظر نبیلہ نے وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا تھا اس نے عباس اور کمانڈر رشید سے بطور خاص کہا تھا کہ اس کے ساتھ کسی کو جانے کی ضرورت نہیں نہ ہی ان تینوں کے علاوہ کسی اور کو اس جگہ کا علم ہونا چاہئے۔

کمانڈر رشید اور عباس نے یوں تو بہت سے معاملات اس سے بھی پوشیدہ رکھے تھے لیکن دونوں اس کے مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ دونوں کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ نبیلہ صرف عباس کی بیوی ہی نہیں ایک مجاہدہ بھی ہے جو کسی تربیت کی بھی محتاج نہیں لندن میں تعلیم یافتہ نبیلہ نے کمانڈر رشید کو بہت متاثر کیا تھا۔

نبیلہ نے سبزیاں وغیرہ خریدیں انہیں ٹوکری میں رکھا اور پیدل چلتی مارکیٹ کے دوسرے کونے تک آ گئی جہاں ایک پی سی او سے اس نے پہلے اپنی ساس کو اپنی اور عباس کی خیریت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ اگلے پانچ چھ روز بعد واپس گھر آ جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے لندن میں اپنے ڈیڈی کو فون کر کے اپنی خیریت کی خبر دی اور رکشہ میں بیٹھ کر گھر سے کچھ فاصلے پر اتر گئی۔ اس نے تین چار گلیاں پیدل چلنے کے بعد اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ اس کا تعاقب نہیں ہو رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ٹھکانے پر موجود تھی۔

☆O☆

جوڑ توڑ

کارل سمتھ کو جب ایڈیٹر نے اپنے کمرے میں طلب کر کے وہ فیکس دکھائی جو انہیں ابھی موصول ہوئی تھی تو کارل سمتھ نے ایسے زبردست ری ایکشن کا مظاہرہ کیا کہ خود اسے بھی دل ہی دل میں خود کو اپنی شاندار اداکاری پر داد دینا پڑی۔

''اوہ مائی گاڈ..... کسی نے مذاق کیا ہوگا''.....

کارل سمتھ نے اپنے چہرے کو انتہائی سنجیدہ بناتے ہوئے کہا۔

''اس کے ہوٹل فون کرو''.....

اس نے کارل سمتھ سے کہا جس نے ایڈیٹر ہی کی میز پر رکھے فون سے پاکستان میں کوئٹہ کا نمبر ملایا اور ہوٹل والوں سے لیزا سے متعلق دریافت کیا۔ وہاں سے خبر ملی کہ وہ دو دن پہلے اسلام آباد گئی تھی جہاں اس کے ٹھکانے کا انہیں علم نہیں.....

کارل سمتھ نے فون رکھ دیا۔

''تمہارا آخری رابطہ کب ہوا''.....

ایڈیٹر نے جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں دریافت کیا۔

''دو روز پہلے۔ اس نے بتایا تھا اسلام آباد جا رہی ہے پیرزادہ کا انٹرویو کرنے''.....

کارل سمتھ نے کہا۔

''کون ہے یہ پیرزادہ''؟

ایڈیٹر شاید اسے نہیں جانتا تھا۔

''مشتبہ دہشت گرد ہے بڑی حیثیت کا مالک۔ لیزا مارٹن نے بڑا سکوپ مارنے کے لئے اس سے انٹرویو کا پروگرام بنایا تھا''.....

کارل سمتھ نے اسے بتایا۔

''کہیں اسی نے تو.....''

ایڈیٹر نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی۔

''میرے خیال سے جناب ہمیں کوئی رائے ابھی قائم نہیں کرنی چاہئے۔ عین ممکن ہے یہ سب بھیانک مذاق ہو.....لیکن یہ تحریر تو لیزا ہی کی ہے''.....

اس نے آخری بات بڑبڑانے کے انداز میں کہی تھی۔

''اوہ خداوند.....کیا کریں''.....

ایڈیٹر کے تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

''میرے خیال میں دیر نہیں کرنی چاہئے فوراً ایف بی آئی کو خبر کریں''۔

کارل سمتھ نے مشورہ دیا۔

''ایف بی آئی کو''.....؟

ایڈیٹر نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''یس سر! اگر یہ بات سچ ہے تو یہ کھلی کھلی دہشت گردی ہے جس کی لپیٹ میں سارا امریکہ آیا ہوا ہے ہمیں اس کی خبر متعلقہ ایجنسی کو ہی دینی چاہئے''۔

کارل سمتھ نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''او۔کے۔فون کرو.....جلدی کرو''۔

ایڈیٹر بدستور گھبراہٹ کا شکار تھا۔

کارل سمتھ نے اسے قریب دھرے جگ سے پانی کا گلاس بھر کے دیا اور مطمئن رہنے کی تلقین کر کے ایف بی آئی کا نمبر ملانے لگا۔

☆O☆

ایف بی آئی کرائسس مینجمنٹ سیکشن کی ہنگامی میٹنگ جاری تھی۔ انہوں نے ''پائنیر'' کے ایڈیٹر سے درخواست کی تھی کہ کم از کم اس وقت تک اس خبر کو خفیہ رکھا جائے جب تک کہ انہیں پاکستان میں موجود اپنے ''ڈیسک'' کی طرف سے مکمل اطلاعات نہ مل جائیں اور اب مکمل اطلاعات اور تفصیلات ان کے سامنے موجود تھیں۔

مارشل آسٹن انہیں پیرزادہ سے متعلق بریفنگ دے رہا تھا۔ ایک بڑی ٹی وی سکرین پر پیرزادہ کی مختلف تصاویر جن میں زیادہ تر اس کے قیام امریکہ و کینیڈا کے دوران بنائی گئی تھیں ان کے سامنے چل رہی تھیں جس کے بعد اس کا مکمل ڈیٹا سامنے آیا جس میں اس کی دینی تعلیمات' نظریات اور ماضی میں خصوصاً قیام امریکہ کے دوران اس کی مشتبہ کارروائیوں کی تفصیل کا احوال اس کے امریکہ بدر ہونے تک موجود تھا۔

''Interesting''.....

بریفنگ کے خاتمے پر سیکشن انچارج مارسل کلارسن نے صرف ایک لفظ کہہ کر اپنا تبصرہ مکمل کر دیا۔

''مجھے پکا یقین ہے کہ اس اغوا میں پیرزادہ ملوث ہے''۔

مارشل آسٹن نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''ابھی کوئی بات حتمی کیسے کہی جا سکتی ہے''؟

کلارسن نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''تمام شواہد آپ کے سامنے دھرے ہیں مسٹر کلارسن''۔

آسٹن کو شاید اس بات پر غصہ آ گیا تھا کہ اس کی رائے کو کلارسن اہمیت نہیں دے رہا۔

''مسٹر کلارسن میں گزشتہ پانچ سال سے اس شخص کی کارگزاریاں دیکھ رہا ہوں اس کے ایک ایک پل کی خبر ہے مجھے.....''

''اچھا پھر تو یہ حادثہ پیش ہی نہیں آنا چاہئے تھا.....''

کلارسن نے طنز کی۔

''ہاں ایسا کہنا آسان ہے لیکن کہنے اور کرنے کے فرق کو تو آپ بھی بخوبی جانتے ہوں گے''۔

آسٹن نے سنبھل کر جواب دیا وہ اپنا غصہ چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

''آف کورس''۔

کلارسن اس کے جذبات جان گیا تھا۔

پاکستان میں موجود ان کے ڈیسک نے یہ بات تو تسلیم کر لی تھی کہ پیرزادہ مجاہدین اور طالبان سے قریبی تعلقات رہے ہیں لیکن اس بات پر شک ظاہر کیا تھا کہ پیرزادہ خود اس اغوا میں ملوث رہا ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایسے حالات میں کوئی بھی اس صورتحال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

لیکن.....

مارشل آسٹن اپنی بات پر قائم تھا۔

رات دیر گئے تک وہ پاکستان میں اپنے ڈیسک سے رابطہ رکھنے کے بعد بوجھل آنکھوں کے ساتھ میٹنگ برخاست کر رہے تھے اس دوران پاکستان میں انہوں نے پیرزادہ کی نقل و حرکت کی مکمل نگرانی شروع کر دی تھی اور اس کے فون ''ٹیپ'' کرنے کے انتظامات بھی مکمل کر لئے تھے۔

11 ستمبر کے بعد پیدا ہونے والے خصوصی حالات اور پاکستان کی طرف سے ایف بی آئی کو حاصل تعاون کی وجہ سے انہیں ماضی کے مقابلے میں ناقابل یقین حد تک سہولیات میسر تھیں اور اب وہ پاکستان میں بھی بالکل امریکہ کی طرح ''آپریٹ'' Operate کر سکتے تھے۔

☆O☆

''وہ مارا''.....

شکتی نے اچانک فون رکھنے کے بعد جب خوشی سے بے قابو ہو کر اونچی آواز میں نعرہ لگایا تو اس کے ماتحت چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

''سر''؟

سونالی نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''ڈن'' Done

شکتی نے اسی لہجے میں کہا۔

''ویل ڈن سر''۔

سونالی نے اپنے ڈائریکٹر آپریشن کو مبارک باد پیش کی۔

''اب دیکھتا ہوں میں ان کو..... کتنے دانت ہیں ان کے اور کتنے تیز''؟

شکتی نے احساس تفاخر سے گردن پھلائی۔

''کمال ہو گیا سر..... اب تو سارے پتے آپ کے ہاتھ میں آ گئے''

سونالی نے اپنے افسر کی شان میں قصیدہ پڑھا۔

''ہاں..... اب میں اپنی مرضی کے پتے کھیلوں گا .....''

شکتی کی رعونت بڑھنے لگی۔

''اور آخر میں ترپ چال بھی آپ ہی چلیں گے سر''.....

سونالی نے اس کے غبارے میں مزید ہوا بھری۔

''Obviously''.....

شکتی نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

تھوڑی دیر بعد ''را'' کے سینئر افسران کی اہم میٹنگ چل رہی تھی۔ انہوں نے ''موساد'' کی مدد سے اپنی دانست میں زبردست کارنامہ انجام دیا تھا۔

''مسٹر شکتی پروفیشنل لائف میں ایسا موقعہ کبھی کبھی قسمت ہی سے ملتا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا''.....

ڈی جی نے تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ دیکھتے جائیں سر! میں انہیں تگنی کا ناچ نچا دوں گا..... بڑے ہیرو بنے پھرتے تھے۔ کسی بھی ''جیو پولیٹیکل سچوایشن'' سے فائدہ اٹھانا کوئی بڑی بات نہیں سر! مگر اپنے لئے موقعہ پیدا کرنے کا اور ہی مزہ ہے''.....

شکتی خود کو ہوا میں اڑتے محسوس کر رہا تھا۔

''Oh Yes''.....

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل نے ہامی بھری۔

''اب انہیں ہماری وکٹ پر کھیلنا ہوگا۔ ہماری مرضی کے مطابق.....''

شکتی نے اپنی دانست میں بڑے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''آپ کچھ نہیں بول رہے مسٹر ناتھ''.....

ڈی جی نے پاکستان ڈیسک کے انچارج کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

ناتھ نے ایک لمحہ توقف کیا اور خود کو تیار کرنے کے بعد گویا ہوا اسے اس بات کا پہلے سے اندازہ تھا کہ شکتی اس کی بات کا برا ضرور منائے گا۔

''ویل ڈن سر! But.....''

''رہنے دیجئے مسٹر ناتھ۔ ایک تو آپ کے If اور But مجھے بہت پریشان کرتے ہیں''۔

شکتی نے اچانک ہی اس کی بات کاٹ دی تو ڈی جی نے عجیب سی نظروں سے شکتی کی طرف دیکھا پھر ناتھ سے گویا ہوا۔

''کیری آن Carry On مسٹر ناتھ''.....

''سر! میرا چونکہ فسٹ ہینڈ Experience ہے اسی لئے میں اپنے دوست مسٹر شکتی سے یہی بینتی کروں گا کہ پلیز اپنے دشمن کو کبھی ''انڈر ایسٹی میٹ'' کرنے کی حماقت نہ کریں''.....

بالآخر اس کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔

''لیکن میں نے انہیں کبھی Over Estimate بھی نہیں کیا مسٹر ناتھ''.....

شکتی نے قدرے تلخی سے کہا۔

''ہاں شکتی! ناتھ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ جانتے ہو کمیلش کا ''بیک ڈراپ'' کتنا مضبوط تھا لیکن پھر بھی انہوں نے پکڑ لیا تھا اسے..... وہ تو دیوی ماں نے کرپا کی کہ لڑکا ''ڈپلومیٹ کور'' میں تھا ورنہ شاید.....''

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر شکتی کی طرف دیکھا جو اپنے چہرے پر آنے والے ناگوار اثرات کو چھپانے میں کوشاں تھا۔

''پھر بھی مسٹر شکتی Wish you all the best''

ناتھ نے جو اس سے بہر حال سینئر تھا زبردستی کی مسکراہٹ اچھالی۔

اگلے چند منٹ بعد وہ اپنے خصوصی ''گرین روم'' میں جسے پاکستان کے خلاف ''آپریشن روم'' کی حیثیت حاصل تھی موجود سیٹلائٹ ریڈیائی اور لاسلکی رابطوں کے ذریعے پاکستان سے لحہ بہ لحہ صورت حال ان کے سامنے آ رہی تھی اس پر ان کی پلاننگ بھی ساتھ ساتھ جاری تھی۔ ڈی جی نے عملاً اس آپریشن کی کمانڈ شکتی کپور کو سونپ دی تھی کیونکہ وہ خود بھی بہت عرصہ سے کچھ کر دکھانے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔

☆O☆

''موساد'' ہیڈ کوارٹر کا یوں تو ہر بلاک اپنی اہمیت کے پیش نظر اسرائیل ہی نہیں ساری دنیا میں خصوصی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے لیکن سی آئی اے سے ایم آئی۔6 کوئی بھی انٹیلی جنس ایجنسی سب سے زیادہ اہمیت ''موساد'' ہیڈ کوارٹر میں Tsomet بلاک کو دیتی ہے۔

ٹسومٹ (Tsomet) عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی انگریزی زبان میں "Kingdom" کے ہیں اور واقعی ٹسومٹ آرگنائزیشن کو موساد میں کنگڈم کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ موساد کا وہ خصوصی سیکشن ہے جو ساری دنیا میں موجود اپنے (Katsa) کیٹسا سے ڈیلنگ کرتا ہے۔ ساری دنیا سے موساد کے لئے ایجنٹوں کی بھرتی اور تربیت کے بعد ان سے کام لینے کی ذمہ داری بھی اسی سیکشن کی ہے موساد اپنی زبان میں اس ڈیپارٹمنٹ کو Melukkha بھی کہتے ہیں۔

''ٹسومٹ'' کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ سی آئی اے کے جی پی ایم آئی سکس اور چائنیز انٹیلی جنس یا دنیا کی کوئی بھی اور انٹیلی جنس ایجنسی اپنا نظام چلانے کے لئے ساری دنیا میں اپنے ہزاروں ایجنٹوں کے ساتھ آپریٹ کرتی ہے جبکہ ''ٹسومٹ آرگنائزیشن'' صرف 35 کیٹسا کے ساتھ ساری دنیا پر حکومت کر رہی ہے۔ تعلق موساد کے اس ڈیپارٹمنٹ سے ہوتا ہے۔ ''ہیڈ آف ٹسومٹ'' کے سیکنڈ ان کمانڈ ''ایکس۔او'' کو موساد کے آپریشنل کمانڈر کی حیثیت حاصل ہے جس کے تحت تین برانچیں کام کرتی ہیں۔ اس میں سب سے اہم ''اسرائیلی برانچ'' ہے جسے اصولی طور پر تو اسی برانچ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے بعد کی باقی دونوں برانچوں کو بی اور سی برانچ کہا جاتا ہے لیکن اس کی خصوصیت اہمیت کے پیش نظر موساد اسے اسرائیلی برانچ کہتی ہے۔ اس برانچ کے مڈل ایسٹ ممالک کے علاوہ سپین، یونان، الجزائر، ترکی، مورا کو اور پاکستان شامل ہے۔

پاکستان ڈیسک اس سے پہلے باقاعدہ اس برانچ میں شامل نہیں تھا لیکن پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کے بعد سے موساد نے اس ڈیسک کو باقاعدہ اور خصوصی اہمیت

ساتھ آپریٹ کرنا شروع کیا تھا۔ دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے موساد یہاں اپنے سفارت خانے کے ذریعے تو متحرک نہیں ہو سکتی تھی لیکن عرب اسرائیل کی پہلی جنگ کے بعد ہی سے انہوں نے پاکستان میں اپنا جال بڑی کامیابی سے پھیلا رکھا تھا اور اس کے لئے وہ اپنے بنیادی نظریئے (By Way of Deception) یعنی دھوکے کی بنیاد پر اپنے جاسوسی امور چلا رہے تھے۔ پاکستان میں اپنے مذموم مقاصد بروئے کار لانے کے لئے وہ ''کٹ آؤٹ''[1] استعمال کرتے تھے۔

ڈیوڈ کا تعلق گو کہ ''ٹسومٹ'' کی اسرائیل برانچ سے تھا اور وہی موساد کی طرف سے ''را'' کے ڈائریکٹر آپریشن شکتی کپور سے معاملات طے کر رہا تھا لیکن اسے بھی اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اس کا تعلق جس ایجنسی سے ہے اس کے تمام تر ''بزنس'' کا انحصار Deception (دھوکہ) پر ہے اور ایجنسی کا پہلا اصول یہی ہے کہ وہ کسی پر اعتبار نہ کرے خواہ وہ کتنا بھی قابل اعتماد یہودی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے ڈیوڈ کو احساس تھا کہ ''را'' کے ساتھ اس ''جوائنٹ آپریشن'' کے باوجود ''موساد'' اپنی حیثیت میں بھی پاکستان میں اس آپریشن کے سلسلے میں سرگرم ہوگی اور وہ لوگ کبھی بھی صرف ''را'' یا ڈیوڈ پر اعتماد نہیں کریں گے ہر خبر اور ایکشن کی تصدیق اپنے ذرائع سے بہر طور کریں گے۔

آج کی اہم میٹنگ اس سلسلے کی کڑی تھی۔ پاکستان ڈیسک کے انچارج ضحاک راجپوت کے سامنے ''مابوہا'' (Mabuah)[2] مارائس Marats[3] کی طرف سے اب تک جمع ہونے والی معلومات ترتیب کے ساتھ جمع تھیں۔ یہ تمام تر تفصیلات اس کے ساتھ اس

1۔ انٹیلی جنس کی ایک اصطلاح جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایجنٹ کو اپنے مقاصد کے لئے خود سے لاعلم رکھ کر استعمال کیا جائے اور اسے کبھی اس بات کا اندازہ نہ ہو پائے کہ وہ کسی انٹیلی جنس ایجنسی کے لئے کام کر رہا ہے۔

2۔ (Mabuah) موساد ''مابوہا'' اس اطلاع کنندہ کو کہتی ہے جس نے کوئی اطلاع براہ راست حاصل کرنے کے بجائے کسی کی ''ذریعے'' سے کسی اور سے حاصل کی ہو۔

3۔ (Marats) مارائس سے مراد مختلف ممالک کے ڈپلومیٹس آفیسرز میں کام کرنے والے موساد کے وہ ایجنٹ ہیں جو غیر ملکی شہریت کے حامل ہونے کا Cover استعمال کرتے ہیں لیکن موساد کے ایجنٹ ہیں۔

میٹنگ میں موجود موساد کے ذہین دماغوں کے سامنے روشن ٹی وی سکرینوں پر چل
تھیں۔ وہ لوگ شام کے بعد اکٹھے ہوئے تھے اور ساری رات آپس میں مختلف امکانات
اطلاعات پر مباحث کرنے کے بعد "را" کی کارکردگی سے مطمئن دکھائی نہیں دے ر
تھے۔

"یہ بات ذہن نشین رہے کہ لیزا مارٹن ایک یہودی ہے۔ ہمیں اصولاً تو ا
"چارہ" کے لئے استعمال ہی نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن ایسا ہوا بھی ہے تو اس کو بحفاظت
ہماری ذمہ داری ہے..... یہودیوں کا خون بہت قیمتی ہے میرے عزیزو! محض "را" سے
تعلق مضبوط بنانے کے لئے میں کسی بھی یہودی کو قربانی کا بکرا بنانے کی اجازت نہیں د
سکتا۔ ڈیوڈ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے....."

ضحاک رابین نے بلیک کافی کا لمبا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے خشم
نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہمیں علم ہے سر! احساس بھی شدت سے ہے۔ یہ دنیا ابھی گدھوں اور
وقوفوں سے خالی نہیں ہوئی کہ ہم خداوند کی برگزیدہ قوم کے افراد کو بطور "چارہ" استعما
کرنے لگیں لیکن ان حالات میں ایسا ناگزیر تھا"۔

ایک ماتحت نے بڑی جرأت دکھائی۔

"سر! کسی بھی پاکستانی مجاہد کو بے وقوف بنانے کے لئے اس کے سامنے پیغ
کا لفظ استعمال کرنا اس ملک میں ناگزیر ہے".....

دوسرے نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بات کچھ بھی رہی ہو..... کسی یہودی کو مرنا نہیں چاہئے..... وہ لوگ بندو
متعلق کوئی نیک جذبات نہیں رکھتے۔ لیزا مارٹن کی جگہ امریکہ سے کوئی بھارتی نژاد
عیسائی بھی بطور "چارہ" استعمال کیا جا سکتا تھا".....

ضحاک رابین ان کی بات سے مطمئن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ہم خیال رکھیں گے سر".....

اس کے ماتحت نے اپنے چیف کو مطمئن کرنا چاہا۔

"شاید وزیراعظم یہ بات پسند نہ کریں"۔

ضحاک نے انہیں وارننگ دینے کے انداز میں کہا۔

"آپ کے احکامات کی تعمیل ہوگی سر".....

دوسرے ماتحت نے اطاعت گزاری کے انداز میں کہا۔

"را" پر نظر رکھو..... یہ لوگ قطعاً قابل اعتبار نہیں..... ٹارگٹ ایریا کی تلاش
جاری رکھنا مجھے آج شام تک اس جگہ کا علم ہونا چاہئے جہاں اسے رکھا گیا ہے..... اور ہاں
اس بات کو کبھی نظر انداز نہ کرنا کہ "را" کو اس جگہ کا علم نہیں..... بہت مکار لوگ ہیں یہ۔
ان کے اپنے ایجنٹ وہاں موجود ہیں..... میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ صرف
"کٹ آؤٹ" سے کام چلایا جا رہا ہے..... "را" خود Involve ہے...
Himself".....

اس نے آخری لفظ چباتے ہوئے قدرے غصے سے ادا کیا تھا۔

"لیکن جناب ڈیوڈ نے....."

"لعنت بھیجو ڈیوڈ پر".....

اس نے اپنے ماتحت کی بات غصے سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے سر".....

ماتحت نے اسی طرح کہا جیسے وہ اس سے بھی زیادہ شدت سے لعنت بھیج رہا ہے۔

"ڈیوڈ میری توقعات پر پورا نہیں اترا..... کارل سمتھ پر نظر رکھنا سی آئی اے
بہت چوکس ہے خصوصاً 11 ستمبر کے بعد سے....."

ضحاک رابین نے انہیں دبے لفظوں میں آئندہ حکمت عملی سمجھا دی تھی۔

☆O☆

''آپریشنل ڈیٹا'' Operational Data ان کے سامنے موجود کمپیوٹر سکرینوں پر نمایاں ہو رہا تھا..... پانچوں بڑے غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کی طرف بھی چور نظروں سے دیکھ کر شاید ایک دوسرے کے جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے تھے۔

''اب بھی کیا تم اپنی بات پر قائم ہو بوب''.....

سی آئی اے کے ڈائریکٹر سپیشل ٹاسک آرمسٹرانگ نے ''بلیک ہاک'' بوب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یس سر..... آف کورس''.....

بوب نے فوم کپ میں موجود کافی کے آخری گھونٹ اپنے حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے..... سائیکلنگ (Cycling)[1] رپورٹ تمہارے سامنے ہے۔'' ڈینیئل کو اس جواب سے خاصی الجھن ہونے لگی تھی۔

بوب جانتا تھا کہ ڈینیئل اس کی کم از کم اس بات میں کبھی ہاں میں ہاں نہیں ملائے گا۔ گو کہ سی آئی اے کے خصوصی حلقوں میں اسے احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا لیکن بوب کو اس بات کا علم تھا کہ وہ بڑا راسخ العقیدہ یہودی ہے اور ماضی میں بھی اس نے بوب کے ساتھ مختلف آپریشنز کے دوران اس سلسلے میں اپنا ''سافٹ کارنر'' قائم رکھا تھا۔

''مسٹر آرمسٹرانگ سر! جب ہمارے پاس اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ کارل سمتھ ''موساد'' کے ساتھ تھرو ہے تو آخر اسے چیک کر لینے میں کیا حرج ہے''؟.....

بوب نے اس مرتبہ معمول سے بلند آواز میں کہا تھا۔

''لیکن سر! میری بات پر بھی غور فرمایئے..... دہشت گردوں کی ''بلڈ لائن''

1 Cycling سائیکلنگ اس عمل کو کہتے ہیں جب کوئی انٹیلی جنس ایجنسی مختلف رپورٹس کی تحقیق و تفتیش اور کانٹ چھانٹ کے بعد نتائج مرتب کرے۔

Biood Line مڈل ایسٹ میں ہے اور وہاں ہم ''موساد'' کے محتاج ہیں۔ ہمارے کئی ''جوائنٹ ونچر'' چل رہے ہیں۔ اگر مسٹر بوب کی اس بات کو سچ بھی مان لیا جائے کہ کارل سمتھ موساد کے لئے کام کر رہا ہے تو بھی اسے چھیڑنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوگا..... یوں تو مسٹر بوب کے نزدیک دنیا کا ہر یہودی مشکوک ہے'' اس نے قدرے طنزیہ انداز میں بوب کی طرف دیکھ کر کہا!!..... ''لیکن ان کی بات تو سچ مان کر اگر ہم نے کارل سمتھ کو چیک بھی کیا تو عین ممکن ہے کہ ''موساد'' بھڑک اٹھے..... میرے خیال سے 11 ستمبر کے بعد ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں ایسا کوئی بھی ایکشن مناسب نہیں ہوگا.....''

ڈینیئل نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد بظاہر فاتحانہ انداز میں بوب کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی اور اپنا بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

''مسٹر بوب ممکن ہے ہم 11 ستمبر سے پہلے بہت سے مفروضات کی بنیاد پر کوئی بھی ایکشن لینا مناسب سمجھتے لیکن ڈینیئل کی بات میں وزن تو ہے..... ممکن ہے ہمیں توقع سے زیادہ خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے..... اس Damn بزنس میں کچھ بھی ممکن ہے مسٹر بوب''.....

ڈائریکٹر آرمسٹرانگ نے بوب کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

''آف کورس سر''.....

ڈینیئل نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میں اپنی بات پر قائم ہوں جناب''۔

بوب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے ابھی ہم میٹنگ ختم کر رہے ہیں..... شام کو پھر دیکھیں گے تب تک کچھ اور اطلاعات بھی مل جائیں گی..... بوب تم میرے ساتھ چل رہے ہو بریفنگ میں ایمرجنسی میٹنگ کمیٹیوں سے تنگ آ گیا ہوں میں''

اس نے آخری بات قدرے ناگواری کے انداز میں کہتے ہوئے ڈینئیل کو مطمئن کر دیا تھا۔ ڈینئیل جانتا تھا ڈائریکٹر آرمسٹرانگ کبھی "موساد" کو نظر انداز نہیں کر گا وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ میٹنگ روم سے رخصت ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آرمسٹرانگ اور بوب ایک کیڈلاک کی آخری آرام دہ سیٹ پر دھنسے سینٹ کی طرف عازم سفر تھے۔

"سر! ان حالات میں پاکستان کو نظر انداز کرنے کا....."

بوب نے کچھ کہنا چاہا۔

"میں جانتا ہوں بوب....."

آرمسٹرانگ نے اس کی نامکمل بات کاٹ دی۔

بوب خاموشی سے کھڑکی کے باہر گھورنے لگا۔ کار بغیر آواز پیدا کئے تیزی سے کینیڈی بولیوارڈ پر اڑی چلی جا رہی تھی.....

"گاڑی روکو".....

ایک موڑ پر اچانک ہی آرمسٹرانگ نے ڈرائیور سے کہا جس نے اگلے ہی لمحے اس کی تعمیل کی۔ بوب اچانک کار رکنے سے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"بوب! گو آہیڈ۔ ڈو اٹ" (Go Ahead - Do it)

اس نے بوب کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اچانک ہی اپنا فیصلہ سنایا تو بوب اپنے بدن میں سنسنی دوڑنے کا احساس ہوا۔

"Thank you سر".....

اس نے بے ساختہ شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"آل دا بیسٹ" (All the Best)

آرمسٹرانگ نے اس سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

بوب کو اس نے یہاں اتار دیا تھا ... کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

FINISH

کارل سمتھ مطمئن تھا.....!

معاملات اس کی توقعات کے مطابق چل رہے تھے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے حصے کا کام کیا تھا اور ابھی تک کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اخبار نے ایف بی آئی کی درخواست کو ٹھکراتے ہوئے جلی سرخیوں کے ساتھ اپنی رپورٹر لیزا مارٹن کے پاکستان میں دہشت گردوں کے ہاتھوں اغوا اور اس کی طرف سے موصول ہونے والے Fax فیکس کی تمام تفصیلات بڑے سنسنی خیز انداز میں اپنے قارئین تک پہنچائی تھیں۔ اچانک ہی اس کے اخبار کو زبردست اہمیت حاصل ہو گئی تھی جو اس کے مالکان کے نزدیک بڑی خوش آئند بات تھی اور وہ بڑے مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

اپنے آفس سے آج کارل سمتھ حسب معمول ہی باہر نکلا۔ کار پارکنگ تک پہنچنے میں اس نے معمول کے مطابق دو اڑھائی منٹ ہی لگائے تھے اور اب اپنی گاڑی پارکنگ سے نکال کر اس سڑک تک لے آیا تھا جو اسے نیویارک کے مضافاتی علاقے تک لے جاتی

جہاں اس کا شاندار بنگلہ اپنی تمام آسائشوں سمیت اس کے انتظار میں بانہیں پھیلائے کھڑا تھا۔

حسب معمول اس نے ''ایکسپریس وے'' پر گاڑی ڈالی اور اس کی رفتار بڑھا دی۔ لگا اچانک ہی ڈیش بورڈ پر دھرے موبائل فون نے گنگنانا شروع کر دیا۔

''ہیلو''.....

اس نے فون کان سے لگا کر سامنے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ عام حالات میں وہ شاید وہ فون اس سڑک پر اٹینڈ نہ کرتا لیکن سکرین پر آنے والے خصوصی نمبر کی وجہ سے اس کے لئے اس کال کو اٹینڈ کرنا ناگزیر تھا۔

''می!''

دوسری طرف سے حسب توقع مقامی کیٹسا (Katsa) مخاطب تھا۔

''سر''۔

کارل سمتھ فون پر ہی مؤدب ہو گیا تھا۔

''Now is Time Karl'' (وقت آ گیا ہے کارل)

دوسری طرف سے صرف ایک فقرہ کہنے کے بعد سلسلہ کٹ گیا۔

چار الفاظ پر مشتمل اس مختصر سے جملے نے کارل سمتھ کی تمام جسمانی توانائیاں اچانک ہی سلب کر لی تھیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے سارے جسم سے اچانک جان نکلنی شروع ہو گئی ہے۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے فون دوبارہ ڈیش بورڈ پر رکھا..... ماتھے پر آئے ٹھنڈے پسینے کے قطروں کو بائیں بازو کی آستین سے صاف کیا اور گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے آہستہ آہستہ آخری لین تک لے آیا.....

اسے کسی مناسب جگہ کا انتظار تھا جہاں رک کر وہ اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرتا۔ قریباً تین چار منٹ بعد ہی سڑک پر کھنچی پیلی لکیریں نمایاں ہونے لگیں اور اس نے لمبے لمبے سانس بھرتے ہوئے گاڑی ''ایمرجنسی'' پارکنگ کے لئے مختص ایک جگہ پر کھڑی

کر دی۔ اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالتا وہ باہر آ گیا اور تپدق کے کسی مریض کی طرح لمبے لمبے سانس لینے لگا.....

کار کے ڈیش بورڈ پر دھرے ٹشو پیپر کے ڈبے سے اس نے بہت سے پیپر پہلے ہی نکال لئے تھے جن کی مدد سے شدید سردی کے اس موسم میں اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھ رہا تھا۔

اسے ''موساد'' کی طرف سے وہ آخری پیغام مل گیا تھا جس کے کبھی نہ ملنے کی دعائیں موساد کا ہر ایجنٹ ساری زندگی کیا کرتا تھا جو چار الفاظ اسے مقامی ''کیٹسا'' Katsa کی طرف سے کہے گئے تھے ان کا مطلب یہی تھا کہ بدقسمتی سے وہ سی آئی اے کی گرفت میں آنے والا ہے اور ایک غیرت مند یہودی کی طرح اب اس کے لئے ایک ہی راستہ باقی بچا ہے اور وہ ہے باعزت موت.....

بصورت دیگر اسے ذلت آمیز موت سے دوچار ہونا تھا کیونکہ سی آئی اے کے ہاتھوں میں پہنچنے سے پہلے موساد اسے مار ڈالتی۔ ان کے لئے یہ بات انتہائی اہانت آمیز تھی کہ ان کا ایک اہم ایجنٹ زندہ کسی غیر ملکی ایجنسی کے ہاتھوں تک پہنچ جائے۔

''کیا کروں''؟.....

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اچانک ہی ٹریفک پولیس کے سائرن نے اسے لرزا دیا۔ اس سے پہلے کہ اسے کچھ سمجھ آئے کار اس کے سرہانے پہنچ گئی تھی۔ کارل سمتھ کی گھبراہٹ دوچند ہو گئی۔ کار سے ایک لیڈی پولیس آفیسر اتر کر اس کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں جناب''.....

اس نے کارل سمتھ کی گھبراہٹ نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! ہاں! بس ذرا طبیعت خراب ہو گئی تھی۔''

کارل سمتھ نے سنبھلنے کی کوشش کی۔

''پیرامیڈک سر!''.....

آفیسر نے اس سے اظہار ہمدردی کیا۔

''نو.....نو.....اس کی ضرورت نہیں''۔

کارل سمتھ نے اسے روک دیا۔

''آپ کو گھر تک پہنچا دیں سر! آپ کے لئے ڈرائیونگ کرنا ٹھیک نہیں''۔

اس نے کارل سمتھ کی بات قریباً نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''او۔کے' او۔کے' تھینک یو''.....

کارل سمتھ سمجھتا تھا کہ اس طرح کم از کم وہ پولیس کی حفاظت میں گھر تک تو پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ممکن ہے وہ گردش حالات سے بچ نکلے..... ممکن ہے ''موساد'' اور ''سی آئی اے'' سے فرار کی کوئی صورت نکل آئے.....

''کم آن سر.....دس وے'' (This Way)

لیڈی پولیس آفیسر نے اسے پولیس کار کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔ کارل سمتھ کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر اس نے ریڈیو وائرلیس سے اپنے ہیڈ کوارٹر کو صورت حال سے مطلع کیا اور کارل سمتھ کو اس کے گھر تک پہنچانے کے لئے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔

☆O☆

کار پارکنگ سے کارل سمتھ کی گاڑی نکلنے کے فوراً بعد اس کی نگرانی شروع ہو گئی تھی۔ بوب نے اسے گھر سے اٹھانے کا پلان بنایا تھا کیونکہ آفس سے گھر تک وہ خاصی بارونق سڑکوں سے گزر کر پہنچتا تھا۔ جیسے ہی اس کی گاڑی ''ایکسپریس وے'' کی ایمرجنسی پارکنگ پر رکی اس کے سر پر منڈلاتے ہیلی کاپٹر میں موجود بوب کے ساتھی چونکے.....

''سبجیکٹ ساؤتھ ٹن پر ایمرجنسی پارکنگ میں رک گیا ہے سر''.....

اچانک ہی کارل سمتھ کے گھر کے نزدیک ایک وین میں چھپے بوب کو ملنے والے پیغام نے چونکا دیا۔

''او مائی گاڈ کوئی ایمرجنسی تو نہیں ہو گئی''.....

اس نے استفسار کیا۔

''کچھ کلیئر نہیں ہو رہا سر''.....

دوسری طرف سے جواب ملا۔

''اس پر نظر رکھو.....میں بی ٹیم کو بھیج رہا ہوں''.....

اس نے ہیلی کاپٹر کو ہدایت دے کر راستے میں موجود ایک دوسری وین میں بی ٹیم کو ساؤتھ ٹن کی طرف روانہ کرنا چاہا جب اچانک ہیلی کاپٹر سے دوسرا میسج آ گیا۔

''سر! پولیس کار پہنچ گئی ہے''.....

''ڈیم اٹ''.....

سی آئی اے کے بلیک ہاک بوب نے غصے سے کہا۔

''سر وہ پولیس کار میں بیٹھ رہا ہے.....سبجیکٹ گھر کی طرف آ رہا ہے''.....

یکے بعد دیگرے اسے پیغامات ملنے لگے۔

''آل رائیٹ!''

اس نے مطمئن ہونے کے انداز میں کہا۔ اسے اب تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی کہ آخر کارل سمتھ اپنی کار سے اتر کر پولیس کار میں اس طرف کیوں آ رہا ہے۔ اچانک ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔

''کہیں وہ (Conscious) چوکنا تو نہیں ہو گیا''.....

اس نے سوچا.....

بوب جانتا تھا کہ انٹیلی جنس بزنس میں کسی امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ بعید نا ممکن تھا۔ سی آئی اے میں موساد کے لئے سافٹ کارنر رکھنے والے ہمیشہ ایجنسی کے لئے چیلنج بنے رہے تھے اور ڈینیئل سے متعلق تو اسے کبھی کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی

اس بات نے اسے خاصا بے چین کر دیا تھا۔ بار بار وہ گھڑی کی سوئیوں پر نظریں جما کر اپنی بے چینی کو شاید کنٹرول کرنے میں کوشاں تھا جب ''چاپر'' سے اگلا پیغام موصول

ہوا۔

''سبجیکٹ آن ٹارگٹ سر''.....

''او۔کے.....تم جاؤ''.....

اس نے کہا اور ''چاپر'' تیزی سے نارتھ کی سمت گھوم گیا.....

"Everybody on Foot".....اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

''خبردار کوئی کوتاہی نہیں ہوگی.....سبجیکٹ زندہ چاہئے.....زندہ!''.....

''سر''.....

تینوں میرین کمانڈوز نے جو سی آئی اے کے خصوصی آپریشنل ونگ سے تعلق رکھتے تھے اپنے پستول فائر پوزیشن میں کرتے ہوئے وین سے باہر چھلانگیں لگائیں۔ مکمل پروفیشنل تھے۔ اپنے کام میں مہارت رکھنے والے اُن میرینز نے ناکامی کا لفظ ڈکشنری سے نکال رکھا تھا۔

وہ برق رفتاری سے کارل سمتھ کے گھر کے باہر پوزیشن لے رہے تھے۔ گھر میں سب سے پہلے بوب نے خود داخل ہونا تھا.....

مضافاتی علاقے کا یہ گھر ایک پہاڑی کے دامن میں بنا تھا۔ یہاں باقی گھر ایک دوسرے سے فاصلے پر بنائے گئے تھے تاکہ ہر گھر پر پرائیویسی کا خصوصی اہتمام رہے۔ یوں بھی یہاں کے مکینوں کو کبھی ایک دوسرے سے متعلق متجسس ہونے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ یہاں عموماً وہی لوگ آباد تھے جو تنہائی پسند اور اپنے آپ میں مگن رہنا زیادہ ضروری فرض کرتے تھے۔ عام حالات میں بھی اگر یہاں پولیس کی پوری بٹالین آ جاتی تو کسی کے کان جوں نہ رینگتی جب کہ آج تو یوں بھی سرِشام ہی سے آسمان کو گھرے بادلوں نے ڈھانپ لیا تھا اور اندھیرا معمول سے زیادہ ہی ہو رہا تھا۔ سٹریٹ لائیٹ کا مضبوط نظام بھی اس اندھیرے کے سامنے بے بس تھا۔ سرچ لائیٹس کی روشنیاں کہرے کی چادر میں لپٹ کر دھند کا حصہ بن رہی تھیں۔

سی آئی اے کے ''بلیک ہاکس'' بڑی مستعدی سے اپنا گھیرا مضبوط اور مکمل کر رہے تھے۔ وہ دنیا کے جدید ترین مواصلاتی اور دفاعی سامان سے مسلح تھے اور کسی بھی ممکنہ ہنگامی صورت حال کے پیش نظر کوئی بھی اقدام کرنے کے لئے آزاد.....Covert آپریشن ہونے کی وجہ سے وہ قانون کی ہر بندش سے بالاتر تھے۔ چونکہ ایسے آپریشن ہمیشہ ''آف دی ریکارڈ'' رہتے تھے اسی لئے امریکیوں کو کبھی علم نہیں ہو پاتا تھا کہ آپریشن کرنے والے کون تھے؟ اور ان کے مقاصد کیا تھے۔ البتہ ایسے کسی بھی آپریشن کے وقوع پذیر ہونے کے بعد وہ اندازے سے یہ رائے قائم کر لیا کرتے تھے کہ ضرور یہ ''سی آئی اے'' یا اسی نوعیت کی کسی اور خفیہ ایجنسی کا کارنامہ ہے.....

وہ کارل سمتھ کی آمد کے منتظر تھے.....

☆O☆

پولیس کار کی آمد کو بظاہر تو کارل سمتھ نے غیبی امداد ہی جانا تھا۔

اس کال کے ملنے کے فوراً بعد عموماً موساد اپنے ایجنٹ کی طرف سے فوری خودکشی کی امید رکھتی تھی۔ دوسری صورت میں خود اس کا اہتمام کر دیا کرتی تھی۔

کارل سمتھ جانتا تھا کہ اگر کال ملنے کے دس پندرہ منٹ بعد اس نے خود کو ہلاک نہ کیا تو عین ممکن تھا کہ موساد اسے مار ڈالتی کیونکہ اپنے کسی جرم کا نشان چھوڑنا ان کے نزدیک باعث شرم ہوتا تھا۔

موساد کے ساتھ ساتھ سی آئی اے نے بھی اس کے لئے جال پھیلایا ہوا تھا۔ کارل سمتھ کو علم تھا کہ سی آئی اے والے اسے زندہ گرفتار کریں گے کیونکہ اگر انہیں اسی پر شک تھا تو وہ اس سے معلومات حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یہ کام ایف بی آئی کو بھی سونپا جا سکتا تھا لیکن ایف بی آئی کی ہر کارروائی چونکہ آن ریکارڈ ہوتی تھی اور ان حالات میں امریکن اس کارروائی کو آن ریکارڈ رکھنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے

کارل سمتھ کو موت سے بہت خوف آتا تھا.....

وہ راسخ العقیدہ یہودی ضرور تھا۔ اسرائیل کے لئے اس نے اپنی تمام توانائیاں مختص کر رکھی تھیں وہ امریکی شہری ہونے کے باوجود طویل عرصے سے اسرائیل کے ساتھ مل کر امریکہ کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف تھا اس کا جینا مرنا اسرائیل کے لئے تھا اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر اس نے موساد کے لئے خدمات انجام دی تھیں۔

یہ پہلا آپریشن نہیں تھا جس میں اس کی مدد لی گئی تھی اس نے متعدد مرتبہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر موساد کے لئے خدمات انجام دی تھیں گو کہ موساد کی طرف سے بھی اس کو کبھی مایوس نہیں کیا گیا تھا اس کی توقعات سے بڑھ کر اس کو پذیرائی نصیب ہوئی تھی اور اسے ابتداء ہی میں یہ بات بھی سمجھا دی گئی تھی کہ موساد کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اپنے کسی بھی یہودی مددگار پر ایسا وقت نہ آنے دے لیکن شومئی حالات سے اگر کبھی اس کی گرفتاری کا وقت آ بھی جائے تو اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے بطور یہودی باوقار موت۔ جسے منتخب کرنے کا اختیار اسے ہے بصورت دیگر موساد کے ہاتھوں ذلت آمیز موت.....! مرنا اسے بہر حال ہے کیونکہ موساد اس کی گرفتاری کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔

کارل سمتھ کو بھی آغاز میں یہ بتایا گیا تھا۔

لیکن.....اس نے کبھی اسے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ اس نے تو زندگی میں کبھی اس امکان پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ وہ بے نقاب ہو سکتا ہے۔ جتنے محفوظ Cover کے ساتھ وہ کام کر رہا تھا اس میں گرفتاری کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس بات کا تو اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ سی آئی اے میں بوب والٹن جیسے بلیک ہاک بھی موجود ہیں.....

کارل سمتھ موت سے خوفزدہ تھا.....اس نے اگلی زندگی گمنامی میں گزارنے کو موت پر ترجیح دی تھی۔ اسے گھر سے اپنے تمام کریڈٹ کارڈز اور بینک چیک بکس اٹھا کر فوراً یہاں سے نکل جانا تھا اسے امید تھی ایک مرتبہ وہ اپنے گھر پہنچ گیا تو ضرور یہاں سے نکل جائے گا کیونکہ اس کے گھر کا سکیورٹی سسٹم بہت مضبوط تھا نیویارک کی سب سے بڑی

اہم سکیورٹی کمپنی نے یہاں حفاظتی نظام نصب کیا تھا اس کے گھر میں انسان تو کیا کسی پرندے کے گھسنے کے امکانات بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔

اس نے دل ہی دل میں منصوبہ بنایا تھا کہ وہ اس پولیس کار کے ذریعے گھر تک پہنچے گا اور لیڈی پولیس آفیسر سے جو اس پر بڑی مہربان دکھائی دے رہی تھی درخواست کرے گا کہ وہ اپنا میڈیکل ریکارڈ اٹھالے جس کے بعد اسے ہسپتال ڈراپ کر دیا جائے۔ اس صورت میں یا تو پولیس آفیسر اسے فوراً ہسپتال پہنچائے گی یا پھر 911 کو کال کرے گی اور وہ پولیس کی حفاظت ہی میں یہاں سے باآسانی نکل بھی جائے گا۔

اپنی دانست میں اس نے شاندار منصوبہ تیار کیا تھا.....

کسی نتیجے تک پہنچنے کے بعد وہ مستعد ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ گھر کے نزدیک آنے پر اس نے اپنے گلے کو کھنگار کر لیڈی پولیس آفیسر سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''معاف کیجئے.....آپ کو زحمت ہوئی.....بہت شکریہ۔ مجھے کبھی کبھی بلڈ پریشر کا پرابلم ہو جاتا ہے۔ میرا خیال تھا میں گھر پہنچنے تک نارمل ہو جاؤں گا لیکن ایسا لگتا نہیں''.....

''خیریت تو ہے ناں.....آپ کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہو رہی''.....

ہمدرد سیاہ فام لیڈی پولیس آفیسر نے پوچھا۔

''زیادہ خراب تو نہیں.....البتہ نارمل بھی نہیں.....مجھے گھر سے میڈیکل ریکارڈ لینا پڑے گا.....پلیز آپ مجھے دوبارہ زحمت کر کے نزدیک ہی موجود میرے ڈاکٹر کے کلینک پر پہنچا دیں تو بے حد شکریہ''

اس نے منصوبے کو آگے بڑھایا۔

''میں 911 کو کال کروں''.....

لیڈی پولیس آفیسر بہت مہربان ہو رہی تھی۔

''پلیز.....اس کی ضرورت نہیں.....میں پانچ منٹ میں رپورٹس لے کر آتا

اس کی دانست میں کارل سمتھ کی ٹائمنگ بڑی شاندار تھی کیونکہ اس نے آخری فقرہ تب کہا تھا جب پولیس کار نے اس کے گھر کے بالکل سامنے بریک لگائے تھے اور لیڈی پولیس آفیسر کو اس کی بات کا جواب دینے میں ابھی ہچکچاہٹ کا سامنا تھا اس نے اس غیر متوقع مہلت سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی تھی.....

''میں ابھی آتا ہوں''.....

لیڈی پولیس آفیسر کا جواب موصول ہونے سے پہلے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور قریباً بھاگتا ہوا اپنے گھر کے مین گیٹ تک پہنچ گیا.....

''او۔کے جنٹل مین''

لیڈی پولیس آفیسر نے گہرا لمبا سانس لیا اور اپنی گاڑی کے وائرلیس ریڈیو سے اپنے ہیڈ کوارٹر کو بتانے لگی کہ ''سبجیکٹ'' کو وہ ڈاکٹر کلینک پر Drop ڈراپ کرنے جا رہی ہے۔

☆O☆

سوزین کی آنکھوں سے لگی نائٹ ویژن (رات کے اندھیرے میں دیکھنے والی دوربین) نے پولیس کار کو رکتے اور اس سے کارل سمتھ کو برآمد ہوتے دیکھا تو وہ چونکی۔ سوزین موساد کی Bat Leveyha [1] تھی۔ اسے ہرگز امید نہیں تھی کہ مقامی ''کیٹسا'' Katsa کی طرف سے ''آخری پیغام'' ملنے کے آدھا گھنٹہ بعد بھی کارل سمتھ اسے زندہ دکھائی دے گا۔ اس بات کا اسے علم تھا کہ کارل سمتھ کا گھر سی آئی اے کے ''بلیک باکس'' کے گھیرے میں ہے۔ جو اسے یہاں سے زندہ اٹھا کر لے جائیں گے۔

لیکن..... سی آئی اے کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ موساد کارل سمتھ کو ان کے ہاتھوں تک زندہ نہیں پہنچنے دے گی۔

سوزین نے اپنے موبائل فون پر مخصوص نمبر ملایا۔ یہ ایسا انٹرنیشنل نمبر تھا جسے شاذ

1 Bat Leveyha سے مراد Female escorts ہے جسے موساد Sex کے لئے استعمال نہیں کرتی بلکہ ان سے بطور اسسٹنٹ ایجنٹ جاسوسی رابطہ اور تباہ کاری کا کام لیا جاتا ہے۔

دنیا کی کوئی بھی انٹیلی جنس ایجنسی بگ (Bug) [1] نہیں کر سکتی تھی۔ اس لائن کے ساتھ اس بات کا خصوصی اہتمام موجود تھا کہ اگر اس پر کوئی بھی ''بگ'' لگایا گیا ہے تو اس کے سسٹم کو عمل طور پر گمراہ کر کے کسی غلط راستے پر لگا دیا جائے اور ''بگ'' کرنے والوں کو کبھی اس بات کا علم نہ ہو پائے کہ یہ کال کس نے' کہاں سے کس نمبر پر کی ہے؟

پچاس سیکنڈ بعد ہی کال متعلقہ کیٹسا Katsa تک پہنچ گئی..... سوزین نے اسے مختصر کوڈ ورڈز میں یہ اطلاع دی تھی کہ ''سبجیکٹ'' ابھی تک زندہ ہے۔

اس اطلاع نے Katsa کیٹسا کا پارہ آسمان پر چڑھا دیا تھا۔

''Finish''(ختم کر دو)

اسے جواب میں صرف ایک لفظ موصول ہوا اور سوزین کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ جم گئی۔

اس نے کارل سمتھ پر مسلسل نظر رکھی تھی جو اب اپنے گھر کے مین گیٹ سے کمرے کے اندر پہنچ چکا تھا۔

سوزین نے بڑے اطمینان سے اپنے ہینڈ بیگ کو کھولا۔ اس سے ایک ''ڈیوائس'' نکالا اور ڈیوائس کے بٹن کو دبا دیا۔

اچانک ایک زوردار دھماکے کی آواز نے ماحول پر لرزہ طاری کر دیا۔ دھماکہ اتنا ہولناک تھا کہ گھر کے باہر کھڑی پولیس کار بھی کئی فٹ فضا میں اچھل کر دور جا گری۔ لیڈی پولیس آفیسر کے کار کے ساتھ ہی پرخچے اڑ گئے تھے۔

''موساد'' نے یہ کام تو بہرحال کرنا تھا کیونکہ سی آئی اے کے کارل سمتھ کے گھر پر ریڈ کرنے سے پہلے وہ یہاں کسی بھی ممکنہ شہادت کے امکان کو ختم کرنے کے لئے اس گھر کو ملبے میں تبدیل کرنے کا اہتمام کر چکے تھے۔

لیکن..... انہیں یہ امید نہیں تھی کہ کارل سمتھ ایک یہودی ہونے کے ناطے اتنا

1 Bug..... ریکارڈ کرنا۔

بزدل ثابت ہوگا کہ اسے بھی گھر سمیت اڑانا پڑے گا۔

''سوری کارل ڈیئر.....ہم نے تو تمہیں باعزت موت کا موقعہ دیا تھا''.....

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور دوربین سمیٹ کر اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ

اب وہ بڑے محتاط انداز سے قدم اٹھاتی پہاڑی کی دوسری سمت میں جا رہی تھی جہاں ا

کار ایک محفوظ پارکنگ میں کھڑی تھی۔

اگلے پانچ منٹ بعد وہ ہوا سے باتیں کرتی ہائی وے پر اڑی چلی جا رہی تھی۔

☆O☆

سی آئی اے کے بلیک باکس نے پولیس کار سے نکل کر کارل سمتھ کو اپنے گھر

داخل ہوتے دیکھ لیا تھا اب وہ اس بات کے منتظر تھے کہ پولیس کار وہاں سے نکلے تو

کارل سمتھ کو قابو کریں۔ لیکن کار اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی.....

بوب بڑی بے چینی سے اپنی نائٹ ویژن کے ذریعے اس پر نظریں جمائے

تھا اور اس کے ساتھی اس کے اشارے پر کسی بھی لمحے جھپٹ کر کارل سمتھ کو اٹھاتے۔

''کیا مصیبت ہے.....''

اس نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''دیر ہو رہی ہے سر!''

ایک ساتھی نے سرگوشی کی۔

''چارج''.....

بادل نخواستہ بوب نے اپنے ساتھیوں کو جھپٹنے کا اشارہ کر دیا۔

ابھی انہوں نے بمشکل مکان کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا جب اچانک

زوردار دھماکے کی آواز سے لرز اٹھی.....

بوب کے دو ساتھی تڑپ کر فضا میں اچھل کر زمین پر گرے اس کی خوش قسمتی تھی

سب سے آگے ہونے کے باوجود وہ ایسی محفوظ آڑ میں تھا جہاں دھماکے کے اثرات

ہی نہ پہنچ سکے۔

''باسٹرڈ''.....

اس نے چیختے ہوئے ڈینیئل کو گالی دی اور تھوڑی دیر بعد اپنے دو شدید زخمی بلیک

باکس کے ساتھ وہ تیزی سے واپس جا رہا تھا۔

☆O☆

ناگہانی آفت

لیزا مارٹن کے اغوا کی خبر خان صاحب کے اعصاب پر بجلی بن کر گری تھی۔ انہوں نے تو نجانے کیا کیا سپنے سجائے تھے اس حسینہ فرنگ کے ساتھ۔ اپنا نیا بنگلہ جس کی شکل ابھی تک ان کی دونوں میں سے کسی بیگم کو دیکھنی نصیب نہیں ہوئی تھی خان صاحب نے بطور خاص لیزا مارٹن کے لئے سجایا تھا۔ گو کہ لیزا نے ان کی کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں کی تھی لیکن خان صاحب نے ہمت ہارنا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی انہوں نے پی رکھا تھا۔ جانتے تھے عورت کیا ہے اور اس کے ناز نخرے کیسے اٹھائے جاتے ہیں۔

عورت ہمیشہ سے ان کی کمزوری رہی تھی اور غیر ملکی عورتیں تو ان کی بہت ہی بڑی کمزوری بن جایا کرتی تھیں۔ خان صاحب کو اکثر ناروے کی وہ حسینہ آیا کرتی تھی جو خان صاحب کے والہانہ عشق کا امتحان لینے کے لئے انہیں لنگوٹ کے ساتھ سمندر کنارے کی کلومیٹر دوڑ ایا کرتی تھی اور جب خان صاحب ہانپتے کانپتے اس تک پہنچتے تو وہ انہیں ریت پر لٹا کر ان کی کمر پر سواری کیا کرتی تھی یہی حال خان صاحب کا مصر کی اس حسینہ نے کیا تھا

جس پر وہ دل و جان سے فدا تھے اور جسے باقاعدہ شادی کی پیشکش بھی کر چکے تھے۔ اپنے بیڈ روم میں خان صاحب کو گھوڑا بنا کر وہ اکثر ان کی گھڑ سواری کا لطف اٹھایا کرتی تھی۔ وہ تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ ابھی تک لیزا مارٹن کے ساتھ معاملات اس نوعیت کے نہیں ہوئے تھے ورنہ تو خان صاحب اس کی طرف سے کتے کی طرح گلے میں پٹا ڈال کر بھونکنے کی فرمائش پوری کرنا بھی سعادت جانتے۔

انہوں نے لیزا کے اغوا کی خبر جب سے اخبارات میں پڑھی تھی تب سے اب تک ڈھنگ سے کھانا بھی خود پر حرام کر لیا تھا۔ پینے کا شغل البتہ جاری تھا اور اس میں وہ حد سے تجاوز بھی کرنے لگے تھے جس کا انہیں خود بھی بری طرح احساس تھا لیکن یہ ان کے بس کی بات تھی کہاں؟

''ہائے لیزا''.....

انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کر بیئر کی خالی بوتل ٹوکری میں لڑھکائی۔

خان صاحب کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ ابھی جائیں اور اسے ظالموں کی دسترس سے رہائی دلائیں۔ انہوں نے اب تک دل ہی دل میں نجانے کتنی گالیاں انہیں دے ڈالی تھیں اور مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر کبھی انہیں متعلقہ منسٹری میں بھیجا گیا تو وہ ان دہشت گردوں کا قلع قمع کر دیں گے اس بات کا انہیں علم ضرور تھا کہ آخری مرتبہ لیزا نے کسی پیرزادے سے انٹرویو کی فرمائش کی تھی جو ان کے ایک سیکشن آفیسر نے پوری کروادی۔ ابھی تک انہیں اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ یہ پیرزادہ ہے کون؟

لیزا کے اغوا کی خبر پڑھنے کے فوراً بعد انہوں نے اپنے متعلقہ سیکشن آفیسر کو طلب کیا اور اس سے پیرزادہ کی شخصیت کے متعلق جاننا چاہا تھا۔

''سر! بڑا پراسرار آدمی ہے۔ انگریزی بولنے والا پیر ہے سر!''

سیکشن افسر واجد شاہ نے مختصر تعارف سے جان چھڑانی چاہی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا''؟

انہوں نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''سر پہلے میں وزارت داخلہ میں تھا تو اس کی فائل دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ بڑا پراسرار پیر ہے۔ سر! لندن' امریکہ' کینیڈا' سکینڈے نیویا دنیا کو کوئی ایسا ملک نہیں جہاں اس کے مرید موجود نہ ہوں۔ سر! اس کے 90 فیصد مرید غیر ملکی ہیں..... غیر ملکی! لاکھوں ڈالر سالانہ اسے نذرانہ بھیجتے ہیں جناب..... بڑی شاہانہ زندگی گزارتا ہے.....''

واجد شاہ نے سیکرٹری صاحب کو زیادہ معلومات دے کر اپنی اہمیت جتانے کے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا.....

''اخبار میں آیا تھا کچھ جہاد وغیرہ.....''

انہوں نے اپنی بات نامکمل چھوڑ کر واجد شاہ کی طرف دیکھا۔

''یس سر! یس سر! جہادی ہے پکا جہادی..... سربوسنیا' چیچنیا' فلپائن' افغانستان' کشمیر ہر جگہ اس کے مرید جہاد کر رہے ہیں..... وہاں امریکہ سے کالے مسلمان اس کے پاس آتے ہیں سر! جہاد کی تربیت دے کر انہیں آگے روانہ کرتا ہے۔ اس شخص نے اپنا جہاد کا سلسلہ بڑا دور تک پھیلا رکھا ہے سر! سنا ہے سر امریکہ بدر کیا گیا تھا اسے ایف بی آئی تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہے''.....

واجد شاہ کے جوش و خروش میں اضافہ ہونے لگا۔

''اب تک گرفتار کیوں نہیں ہوا ہے؟''

''کیسے ہوگا جناب..... کیسے ہوگا..... بڑا چالاک شخص ہے سر! کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا۔ میں نے کہا ناں کہ انگریزی زبان پر مکمل عبور ہے اسے..... سر! اس کے روحانی علاج کا بہت چرچا ہے۔ بڑی بڑی خطرناک بیماریوں کا دم جھاڑے سے علاج کرتا ہے سر اس نے وہاں سعودی شاہی خاندان کے شہزادے کا علاج کیا تھا..... روحانی طریقے سے شاہی خانوادہ تو مرید ہے اس کا سر..... سنا ہے بڑے بڑے لوگ اس کے روحانی علاج سے فیض حاصل کرتے ہیں''.....

واجد شاہ نے اپنی بات مکمل کر کے داد طلب نظروں سے خان صاحب کی طرف دیکھا۔

''کیا بک رہے ہو واجد شاہ! تمہارا دماغ تو درست ہے..... ڈیم اٹ..... ادئے تم نے سی ایس ایس کیا ہے؟''

خان صاحب کے جواب سے واجد شاہ کو مایوسی ہوئی لیکن اس نے ہتھیار نہیں ڈالے۔

''سر! میں بھی سید زادہ ہوں سر! بہت سی باتیں جو آپ کے نزدیک ناممکن ہیں میرے نزدیک ممکن ہیں..... اس کے باوجود کہ میں نے سول سروسز میں پوزیشن لی ہے''۔

اس نے بغیر لگی لپٹی کے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا۔

''اچھا! اچھا! تم کسی سے بھول کر بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا کہ میں نے تمہیں اس سے کسی کی ملاقات کروانے کے لئے کہا تھا''.....

انہوں نے قریباً سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''رائیٹ سر! نہیں کروں گا سر..... وہ سر ایک Request کرنی تھی''.....

واجد شاہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

''کیا''؟

خان صاحب نے حیرانگی سے اپنے ماتحت کی طرف دیکھا جو ان سے کوئی Request کرنے کی جرأت بھی کر رہا تھا۔

''وہ سر! میری میڈیکل والی فائل ہے' آپ کے پاس اور سر میری چھٹیاں''.....

واجد شاہ نے انتہائی ادب سے عرض گزاری۔

عام حالات ہوتے تو خان صاحب ابھی گارڈ کو بلا کر اسے گولی مارنے کا حکم دیتے وہ کوئی معمولی آفیسر نہیں تھے۔ اس ملک کے گنے چنے بیوروکریٹس میں شمار ہوتا تھا ان کا آج تک ان کے کسی ماتحت کو اس طرح بے تکلفی سے ان کے سامنے اپنے مطالبات

دہرانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی.....

غصہ تو انہیں بہت آیا لیکن خان صاحب خاموش رہے۔ مجبور تھے بے چار
..... جانتے تھے کہ انہوں نے بھی اپنی سروس کا آغاز سیکشن آفیسر ہی سے کیا تھا اور اگر
بہت بڑے بیوروکریٹ تھے تو چھوٹا موٹا بیوروکریٹ سیکشن آفیسر واجد شاہ بھی تھا۔ آخر ا
نے اپنی سروس کا آغاز وزارت داخلہ سے کیا تھا۔

''ٹھیک ہے..... تم جاؤ..... ہو جائے گا..... اور ہاں خیال رکھنا کسی سے بھی ذ
نہیں ہونا چاہئے۔''

اپنے جذبات پر قابو پا کر انہوں نے واجد شاہ کو رخصت کیا جو قریباً کورنش
لاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو رہا تھا۔

☆O☆

شام کو معمول کے مطابق وہ کٹ پہن کر گالف کھیلنے کے لئے جانے کی تیاری
رہے تھے جب یہ عذاب ان پر نازل ہوا۔ خان صاحب اپنی سرکاری رہائش گاہ پر مو
تھے۔ جب گیٹ آفس سے ان کے پی اے نے کسی کیپٹن راحیل کی آمد کی اطلاع دی۔

''ڈیم اٹ..... تمہیں معلوم نہیں میں گھر پر کسی سے نہیں ملتا..... میری گیم کا وق
ہو رہا ہے''۔

انہوں نے انٹرکام غصے سے بند کر دیا۔

لیکن بمشکل دو منٹ بعد ہی دوبارہ گھنٹی بجی تو وہ غصے کے ساتھ حیران بھی ہو
کیونکہ ان کا پی اے کبھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں دوبارہ زحمت دے۔

''یس''.....

انہوں نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

''سر! میں معافی چاہتا ہوں سر! کیپٹن صاحب انٹیلی جنس سے آئے ہیں اور
پر بضد ہیں''.....

پی اے نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

انٹیلی جنس کے نام پر خان صاحب کا ماتھا ٹھنکا.....

''اسے فون دو''.....

انہوں نے پی اے کو حکم دیا اور دوسرے ہی لمحے کیپٹن راحیل لائن پر تھا۔

''السلام علیکم سر! میرا نام کیپٹن راحیل ہے اور میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں''.....

''لیکن میں اس وقت کسی سے نہیں ملا کرتا میری گیم کا وقت ہو رہا ہے''.....

انہوں نے اپنے لہجے کو ہر ممکن نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''ائی ایم سوری سر! یہ سکیورٹی میٹر ہے آپ کو زحمت کرنی پڑے گی''.....

کپتان بھی قدموں کا پکا لگتا تھا۔

سکیورٹی میٹر کہہ کر اس نے ایک مرتبہ تو خان صاحب کے غبارے سے ہوا نکال
دی تھی۔

انہوں نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر بادل نخواستہ اسے اجازت دے دی۔

اگلے دس منٹ تک انہوں نے کپتان صاحب کو ڈرائینگ روم میں انتظار کروایا
اور اپنے اعصاب مکمل بحال کرنے کے بعد وہاں پہنچ گئے۔ کیپٹن راحیل نے ان کی بدتمیزی
کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے کھڑے ہو کر انہیں قریباً سلیوٹ مارنے کے انداز میں ان کا
استقبال کیا تھا۔

''یس''.....

انہوں نے کیپٹن راحیل کے سلام اور احترام کو نظر انداز کر کے اپنا بیوروکریٹک
انداز برقرار رکھا اور اس کے سامنے صوفے پر دھنس کر بیٹھ گئے۔

''سر! آپ نے اخبارات میں امریکن جرنلسٹ لیزا مارٹن کے اغوا کی خبر پڑھی ہو
گی''.....

کیپٹن راحیل نے بھی مزید لگی لپٹی رکھنا مناسب نہ جانا۔

''میں اردو اخبارات نہیں پڑھتا''.....

انہوں نے ادائے بے نیازی سے کہا۔

''سر! انگریزی اخبارات میں بھی یہ خبر آئی ہے۔ گزشتہ دو روز سے تو ہر میڈیا سے یہی خبر آ رہی ہے''.....

کیپٹن راحیل نے بہر حال اپنے لہجے کی تازگی برقرار رکھی تھی۔

''میں اغوا اور چوری چکاری جیسے جرائم کی خبروں پر توجہ نہیں دیا کرتا''.....

انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''لیکن سر! اس پرنیچرلی آپ کو توجہ دینی چاہئے تھی کیونکہ لیزا مارٹن نے آخری ملاقات آپ سے کی تھی''.....

کیپٹن راحیل نے فقرے کا آخری حصہ قدرے بلند آواز میں کہا تھا۔

''ڈیم اٹ..... اب مجھے کیا اپنی پرائیویسی کا حساب دینا ہوگا تمہیں''.....

خان صاحب کو واقعی اس دھماکہ خیز خبر سے غصہ آ گیا تھا۔

''سر! میں نے عرض کیا ناں کہ یہ سیکورٹی میٹر ہے پلیز ایکسکیوزمی لیکن میں اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا ہوں''.....

راحیل نے خود کو نارمل رکھا۔

''دیکھو نوجوان یہ کیا مسئلہ ہے اور کیا نہیں ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں.... میں اسسٹنٹ بریگیڈیئر ہے اور مجھے کپتانوں کو انٹرویو دینے کا کوئی شوق نہیں کس ایجنسی سے تعلق ہے تمہارا''؟

انہوں نے اتنے درشت لہجے میں جواب دیا کہ کیپٹن راحیل کو مجبور ہو کر اپنی ایجنسی بتانی پڑی۔ عام حالات میں شاید وہ ایسا نہ کرتا.....

''دیکھتا ہوں تمہیں اور تمہاری ایجنسی کو''.....

خان صاحب نے غصے سے کہا اور اپنے صوفے کے ساتھ رکھے فون پر اپنے

اے سے کور کمانڈر کا نمبر ملانے کے لئے کہا جو اس وقت گالف کلب میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لائن پر تھے۔

خان صاحب نے انہیں کیپٹن راحیل کے کوائف سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے مختصر حالات کا ذکر کیا اور دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد فون رکھ دیا۔

''یس سر کیا حکم ہے میرے لئے''.....

فون رکھنے پر کیپٹن راحیل نے دریافت کیا۔

''Wait''.....

انہوں نے غصے سے جواب دیا۔

بمشکل تین منٹ بعد فون کی گھنٹی دوبارہ بجی اور خان صاحب کسی اعلیٰ شخصیت سے گفتگو کرنے لگے۔ اس مرتبہ کیپٹن راحیل نے ان کو فوراً نارمل ہوتے دیکھا اور جلد ہی ان کی اکڑی ہوئی گردن ڈھیلی پڑنے لگی۔

انہوں نے فون ایک طرف رکھ کر گھنٹی بجائی اور ویٹر کو مشروبات لانے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مشروبات کے گلاس پکڑے محو گفتگو تھے۔ شاید کسی اعلیٰ شخصیت نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کپتان سے پنگا نہ لیں کیونکہ یہ لوگ زیادہ دیر تک اس زبان میں گفتگو نہیں کرتے اور یوں بھی خان صاحب کا نام کسی اچھے واقعے سے نہیں جوڑا جا رہا تھا۔

''دیکھو نوجوان مجھے علم نہیں کہ یہ کیا مسئلہ ہے؟ جہاں تک لیزا مارٹن کا تعلق ہے تو اس نے واشنگٹن سے اسلام آباد تک میرے ساتھ سفر کیا۔ ہمارا تعارف ہوا۔ ظاہر ہے میں اعلیٰ آفیسر ہوں وہ غیر ملکی جرنلسٹ ہے۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے انداز سے گفتگو بھی کی ہو گی اس کے بعد وہ اس حوالے سے مجھے ایک دو مرتبہ یہاں اسلام آباد میں ملنے بھی آئی..... کوئی ایسی بڑی بات نہیں..... نہ ہی میرا یہ منصب ہے کہ میں کسی غیر ملکی جرنلسٹ کو دھتکارتا پھروں..... یہ لوگ بہر حال ہمارے ملک میں مہمان ہیں اور ہر ذمہ دار آفیسر کی یہ خواہش ہو

گی کہ وہ پاکستان کے متعلق اچھا تاثر لے کر یہاں سے جائیں''.....

انہوں نے اپنی دانست میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

لیکن.....کیپٹن راحیل نے اگلے ڈیڑھ گھنٹے تک ان سے مغز ماری کی۔اس نے خان صاحب کو باور کروایا کہ انہوں نے ضرورت سے زیادہ ''مہمان نوازی'' کر کے اپنے لئے مسائل کھڑے کئے ہیں ورنہ وہ انہیں کبھی زحمت نہ دیتا۔

اس کے منہ سے کوئٹہ سے اسلام آباد تک لیزا مارٹن کے لئے کی جانے والی خان صاحب کی ناز برداریاں سن کر خان صاحب قدرے شرمندگی محسوس کرنے لگے تھے۔

کیپٹن راحیل نے انہیں بتایا تھا کہ لیزا مارٹن کو اغوا کر لیا گیا ہے اور اس نے آخری ملاقات ان سے کی تھی.....

''اس ملاقات میں اس نے کسی اور سے ملنے کا تذکرہ بھی کیا ہوگا''.....

کیپٹن راحیل کے اس سوال نے انہیں گڑبڑا کر رکھ دیا.....وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ خاصا باخبر آفیسر ہے اور عین ممکن ہے اسے اس بات کا علم ہو جو وہ اس سے چھپا رہے ہیں وہ بھی بڑے کائیاں آدمی تھے۔

گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا تھا انہوں نے.....

''ہاں.....کسی پیرزادہ سے ملاقات کا ذکر کر رہی تھی شاید''.....

انہوں نے فوراً ہی کہہ دیا۔

''آپ نے اس کی ملاقات کروائی''؟.....

راحیل نے اگلا سوال داغا۔

''میں.....شاید ایسا کرتا یہ کوئی غیر قانونی بات نہیں تھی لیکن میں ذاتی طور پر اس نام کے بندے سے واقف نہیں اور نہ ہی اس کے بعد لیزا سے میری ملاقات ہوئی''.....

انہوں نے بڑا ڈپلومیٹک جواب دیا تھا۔

''تھینک یو سر! زحمت کے لئے ایک مرتبہ پھر معافی چاہوں گا۔ مجھے امید ہے

آئندہ بھی آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ برا نہیں مانیں گے''.....

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''Any time نوجوان ویل کم.....بھئی آخر یہ سیکورٹی میٹر ہے''.....

انہوں نے مسکراتے ہوئے کیپٹن راحیل کو رخصت کر دیا۔

☆O☆

پھندہ

پیرزادہ اپنے معمول کے مطابق ایبٹ آباد سے نکلا تھا۔ یہاں اس نے حال ہی میں نیا گھر بنایا تھا اس امید پر کہ اس کے نئے گھر کی خبر کسی اور کو نہ ہو اس نے اس گھر کی تعمیر سے تکمیل تک کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی کہ پیرزادہ یہاں گھر بنا رہا ہے اس کے بہت خاص مریدوں کو ہی اس بات کا علم تھا کہ پیرزادہ یہاں قیام کرتے ہیں۔ ان کی ایک امریکی نژاد بیگم البتہ یہاں مستقل قیام پذیر تھی جو باقاعدگی سے ذکر کی محافل کا انعقاد کرتی رہتی تھی اس کے علاوہ یہاں اور کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ پیرزادہ نے اس بات کا خصوصی اہتمام کر رکھا تھا کہ ایبٹ آباد والی اس کوٹھی میں کوئی مجاہد لیڈر یا خفیہ ایجنسیوں کے اس کے دوست اس کی ملاقات کو نہ آئیں کیونکہ یہ بات ہمیشہ اس کے گمان میں رہی تھی کہ اس کے خلاف جس انداز سے پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے اس کے بعد ناممکن تھا کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اس کے معمولات کی مستقل مانیٹرنگ کا نظام قائم نہ کر رکھا ہو۔

اپنے گھر سے باہر آنے کے بعد اس کے ڈرائیور نے وہ شاہراہ پکڑی جس پر

کر کے انہیں اپنی اگلی منزل گڑھی حبیب اللہ پہنچنا تھا ابھی بمشکل انہوں نے گاڑی سیدھی ہی کی تھی کہ ایک تیز رفتار وین نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

پیرزادہ چونکا اور اس کا ہاتھ فوراً اپنے ریوالور پر گیا جو عموماً اس کا ہمسفر رہتا تھا۔ ڈرائیور اور اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر موجود گن مین بھی چوکس ہو کر کسی بھی آمدہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ انہوں نے گاڑی اس پوزیشن میں کھڑی کی تھی کہ اگر وین سے حملہ ہو تو اس کا موثر جواب دے سکیں۔

وین کا دروازہ کھلا تو ایک خوبصورت لڑکی کیمرہ مین کے ساتھ برآمد ہوئی۔ لڑکی کے تیکھے نقوش اور تیور بتا رہے تھے کہ اسے اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے اگر کسی حد سے گزرنا پڑے تو وہ ایسا کر گزرے گی۔

"سر! معافی چاہتی ہوں۔ میں گزشتہ تین روز سے آپ کو تلاش کر رہی ہوں۔ میرا تعلق سٹار ٹی وی چینل سے ہے"۔۔۔۔۔

اس نے ایک ہی سانس میں پیرزادہ کی گاڑی کے سامنے آ کر اپنا تعارف کروایا اور پیرزادہ کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھا کہ اس نے بہرحال پیرزادہ کو تلاش کر لیا ہے۔

"فرمایئے"۔۔۔۔۔

اس نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔

ابھی تک اس کے بائیں ہاتھ میں پستول فائرنگ پوزیشن میں موجود تھا لیکن اس طرح کہ لڑکی کو باہر سے دکھائی نہ دے البتہ اس کے دونوں محافظوں کے تنے ہوئے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ پیرزادہ گو کہ ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ مختلف غیر ملکی ایجنسیوں کے کارندے اخبار نویسوں کے بہروپ میں اس کے معمولات اور نظریات سے آگاہی کے لئے کوشاں رہتے ہیں لیکن اس نے کبھی پریس کے ساتھ اپنے تعلقات نہیں بگاڑے تھے۔ یہ اس کی طے شدہ پالیسی

تھی۔ عام حالات میں گو کہ وہ پریس والوں سے کنی کترا جاتا تھا لیکن ان پر کبھی ایسا تاثر نہیں ہونے دیتا تھا کہ وہ ان سے احتراز برت رہا ہے۔

لیزا مارٹن سے ملاقات میں اسے کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن 11 ستمبر کے بعد کی صورت حال نے اسے چوکنا کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا امریکن ایف بی آئی نے حسب سابق اس کی فائل بھی کھولی ہوگی۔

اب بھی اس نے بڑے مہذب انداز میں بھارتی چینل کی اس خاتون سے دریافت کیا تھا جو یہاں تک اس کے تعاقب میں چلی آئی تھی حالانکہ پہلی ہی نظر میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی جرنلسٹ ہرگز نہیں بلکہ کسی خطرناک سازش کا حصہ ہے جو اس کے خلاف تیار ہو چکی ہے۔ بہر حال اسے اس سازش سے نمٹنا تھا۔ اب خاموش رہ کر یا بھاگ کر وہ مشکوک ہونے سے تو رہا۔

☆O☆

''سر میرا نام گیتا ہے۔ گیتا پاٹھک..... کیا آپ پلیز کہیں بیٹھ کر بات چیت کر پسند کریں گے''.....

گیتا نے اتنے مہذب انداز سے یہ بات انگریزی میں کہی تھی کہ عام حالات میں شاید کوئی زاہد خشک بھی اس کی خواہش پر لبیک کہتا لیکن پیرزادہ فی الوقت کسی سازش کا حصہ بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں۔ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے مریدوں کے ایک روحانی اجتماع میں جانا ہے''۔

اس نے بڑے مہذب انداز میں جواب دیا۔

''لیکن سر! اگر آپ پلیز.....''

''میں نے عرض کیا ناں..... مجبوری ہے ورنہ میں ہرگز آپ کو مایوس نہ کرتا آپ اسلام آباد تشریف لے آئیں۔ پرسوں تک میں انشاء اللہ وہاں پہنچ جاؤں گا''

اس نے گیتا کی بات درمیان سے ہی اچک لی۔

پیرزادہ کی زمانہ سازنگاہوں نے بخوبی دیکھ لیا تھا کہ کیمرہ مین نے اسے فوکس کر رکھا ہے اور لڑکی کے گریبان سے لٹکتا انتہائی حساس مائیک اس کی بات ریکارڈ کر رہا ہے۔

''سر! آپ پر لیزا مارٹن کے اغوا کا الزام ہے اس نے آپ سے.....''

ابھی بمشکل گیتا کے منہ سے اتنی بات ہی نکلی تھی کہ پیرزادہ کا سر گھوم گیا۔

''تو یہ مسئلہ ہے''.....

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ اسے پھانسنے کے لئے جال پھینکا جا چکا ہے اور اب اس چال کے شاطر اسے اپنی انگلیوں پر نچائیں گے.....

''شاید آپ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر ایسی بات کہہ رہی ہیں یا پھر ممکن ہے مجھے اشتعال دلانا مقصود ہو لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ دونوں صورتوں میں آپ کو مایوسی ہو گی''.....

پیرزادہ نے سنبھل کر کہا۔

''سر! یہ بات میڈیا میں آ چکی ہے اور.....''

''خدا حافظ اسلام آباد میں ملاقات ہوگی۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔ معذرت''.....

پیرزادہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنے ڈرائیور کو سگنل دے دیا۔

دوسرے ہی لمحے کار ڈرائیور جس نے ابھی تک انجن سٹارٹ رکھا تھا کا دباؤ ایکسیلیٹر پر بڑھ گیا۔ جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی کیمرہ مین نے اسے فوکس کئے رکھا۔

☆O☆

''اوہ میرے خدایا..... یہ نئی مصیبت کہاں سے آ گئی''۔

پیرزادہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ان حالات میں اس پر اس

نوعیت کا حملہ ہوگا.....

سنارٹی وی چینل کے کسی نمائندے کا ایبٹ آباد تک پہنچ جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اسکی نئی رہائش گاہ کا علم ''را'' کو ہو چکا ہے جو اس بات کا بھی ثبوت تھا کہ جس ایجنسی نے بھی اس کے خلاف سازش تیار کی ہے اسے ''را'' کا تعاون ضرور حاصل ہے اور یہ کو ''جائنٹ وینچر'' ہے جو اس کے خلاف چلایا جا رہا ہے۔

اس کی پریشانی بڑھنے لگی تھی.....

افغانستان سے گرفتار ہونے والے سیدھے سادے مجاہدین کو امریکی جانوروں کی طرح بے رحمی سے گھسیٹتے ہوئے ''گوآنا نامانو'' کے عقوبت خانے میں پھینک رہے تھے جہاں ان سے ''آن ریکارڈ'' انتہائی شرمناک اور انسانیت سوز سلوک کیا جا رہا تھا اور امریکہ بڑی ڈھٹائی سے اس کا اعتراف بھی کھلے بندوں کر رہے تھے۔ انہوں نے افغانستان سے گرفتار ہونے والے ان انسانوں کی ''انسانی حیثیت'' کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ان پر کوئی بھی انسانی اخلاق قانونی ضابطہ نافذ کرنے سے انکاری تھے۔

پیرزادہ سے زیادہ اس بات کا کس کو علم تھا کہ اس نے لیزا مارٹن کو اغوا نہیں کیا اس نے تو ابھی تک لیزا مارٹن کے اغوا کی خبر بھی نہیں پڑھی تھی۔ کیونکہ پاکستانی اخبارات یا میڈیا میں ابھی اس کا ذکر نہیں ہوا تھا۔

آخر اس لڑکی کو کس نے اطلاع دے کر یہاں تک پہنچا دیا ہے؟

اس کے دشمنوں نے خطرناک وار کیا تھا۔

اس پر چوکھا حملہ ہوا تھا.....

پیرزادہ کو اچھی طرح اس بات کا علم تھا کہ جس کسی نے بھی یہ سازش تیار کی ہے اب میڈیا کے ذریعے طوفان کھڑا کرے گا اور امریکی جنہوں نے 11 ستمبر کے بعد سے ساری دنیا کو اپنی جاگیر سمجھ کر انسانی وحشت و درندگی کے ریکارڈ قائم کرنے شروع کر دیئے ہیں اسے مکھن سے بال کی طرح نکال کر ''گوآنا نامانو'' پہنچا دیں گے۔

پیرزادہ کسی عقوبت خانے یا ممکنہ سلوک سے خوفزدہ کبھی نہیں رہا تھا۔ اگر اس کے دل و دماغ کے کسی بھی حصے میں خوف جاگزیں ہوتا تو وہ اس خارزار میں قدم ہی کیوں رکھتا؟.....

اس نے زندگی میں کبھی کوئی فیصلہ جذباتی ہو کر نہیں کیا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد ہی وہ کسی نتیجے پر پہنچتا اور اسے اپنے عقائد کی روشنی میں سچ جاننے پر اس راستے پر گامزن ہوتا تھا۔

اسے دنیا بھر کے مظلوم و مقہور مسلمانوں سے ہمدردی تھی اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ بوسنیا سے چیچنیا اور کشمیر تک اس کے ارادت مند دامے درمے قدمے سخنے مجاہدین کی مدد کرتے تھے۔

لیکن.....اس نے کبھی دنیا کے کسی بھی حصے میں ہونے والی دہشت گردی کو صحیح نہیں مانا تھا اور اپنے مریدین کو سختی سے اس بات کی تلقین کی تھی کہ وہ جہاد اور فساد کے فرق کو سمجھیں اور دونوں کو کبھی گڈمڈ نہ ہونے دیں۔

ایک سلسلہ طریقت کا خلیفہ مجاز ہونے کے ناطے اس نے اپنے بزرگوں کی تعلیمات کا پرچار ہر پلیٹ فارم پر کیا تھا اور وہ اکیلا تو اس راہ کا مسافر نہیں تھا۔ دنیا میں ہزاروں اس جیسے مبلغ موجود تھے جو اسلامی تعلیمات کا پرچار کر رہے تھے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سرگرم عمل تھا۔

لیکن.....اسے ہی بطور خاص ٹارگٹ کیوں بنایا گیا ہے؟

اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہی تھا کہ اسے دشمن کی زبان اور حکمت عملی پر عبور حاصل ہے اور وہ جاہل کٹھ ملاؤں کی طرح مغز کھپائی کے بجائے دلیل اور جدید ذرائع مواصلات کا استعمال کر کے بہترین نتائج حاصل کر رہا ہے۔ اس لئے وہ مخالفین کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔

امریکہ میں اس کی تبلیغ سے حلقہ بگوش ہونے والے ہزاروں کالے مسلمان اس

کے ایک اشارے پر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔ان کے مقاصد بھی ٹھیک رہے ہوں امریکی اس سے خوفزدہ تھے۔

یہ ان کا خوف ہی تھا جس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ قانونی حیثیت میں قیام پیرزادہ کو امریکہ بدر کردیں.....

لیکن.....اس کے امریکہ بدر ہونے کے بعد بھی وہ اس سے خوفزدہ رہتے کیونکہ امریکہ میں موجود اس کے ہزاروں پیروکاروں نے اس کی تعلیمات کے مطابق کارنگ ڈھنگ ہی بدل لیا تھا اور وہ خود کو امریکہ کی بجائے امت واحدہ جاننے لگے یہ مسئلہ بوسنیا ہو یا کشمیر و فلسطین وہ پاکستانی مسلمانوں سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ جذبات کا عملاً اظہار کرنے لگتے تھے۔

پیرزادہ کو احساس تھا کہ اس کے نام کے گرد امریکیوں نے سرخ دائرہ لگا رکھا اور وہ اسے دنیا کے کسی بھی کونے میں چین سے جینے نہیں دیں گے لیکن اب تک اس خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مطمئن تھا پاکستان کی خفیہ ایجنسیاں اس مستقل مانیٹرنگ کرتی رہتی تھیں اور انہیں اس بات کا علم تھا کہ پیرزادہ کس حد تک جا ہے۔

''لیز امارٹن پر پاکستانی ایجنسیوں نے آخر نظر رکھی ہوگی''.....

اس نے سوچا.....

اسے یقین تھا کہ پاکستانی ایجنسیاں اسے بے گناہ جانتے ہوئے اس کے خلا کبھی کوئی غیر قانونی غیر ملکی کاروائی نہیں ہونے دیں گی۔

لیکن.....نجانے کوئی نادیدہ قوت اسے بار بار یہ بات سمجھا رہی تھی کہ اس اندازے غلط ثابت ہوں گے اور اس کا دل اس کے دماغی دلائل ماننے کے لئے تیار نہیں

''گاڑی دوسری طرف لے چلو''.....

اس نے اپنے ڈرائیور کو نئی منزل کا پتہ سمجھایا جس نے تیزی سے سٹیرنگ تھ

گاڑی کی سمت تبدیل کردی۔

اپنے ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچ کر پیرزادہ مستقبل کی حکمت عملی طے کرنے کے بعد ہی اگلا کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا اسے احساس ہوگیا تھا کہ اس کے خلاف سازش مکمل ہے اور اسلام آباد پہنچتے ہی اسے گرفتار کرلیا جائے گا اس سے پہلے کہ وہ کوئی حفاظتی اقدام کرے امریکن اسے دہشت گرد قرار دے کر ''گوآنا ناما نو'' پہنچا دیں گے جس کے بعد شاید زندگی کے تمام دروازے اس پر ایک ایک کر کے بند کردیئے جائیں۔

☆O☆

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ایک محفوظ ٹھکانے پر موجود تھا۔

اس کی دانست میں یہ ٹھکانہ محفوظ تھا لیکن موجودہ صورت حال میں اور خصوصاً جس طرح اچانک گیتا اس سے ٹکرائی تھی وہ مطمئن ہو کر بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔عین ممکن تھا یہ محفوظ ٹھکانہ بھی اب تک غیر محفوظ ہو چکا ہو.....

پیرزادہ کے پاس دنیا بھر میں قانونی طور پر استعمال کئے جانے والے ایسے قریباً تمام آلات موجود رہتے تھے جنہیں عام حالت میں سائنس ٹیکنالوجی کا کمال ہی کہا جاسکتا ہے۔یہ آلات اس کے مرید جو امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں مقیم تھے اس تک قانونی ذریعے سے پہنچا دیا کرتے تھے جن کی وجہ سے وہ کئی ممکنہ سازشوں سے بچا بھی رہتا تھا یوں بھی اسے اپنے حفاظتی اقدامات کے لئے ان کی ضرورت رہتی تھی۔

اپنے مخصوص کمرے میں پہنچ کر اس نے حسب روایت پہلے نوافل ادا کئے جس کے بعد وہ کمپیوٹر سکرین پر دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ سے خبریں دیکھنے اور سننے لگا۔اس کی حیرت دوچند ہوگئی جب اس نے دیکھا کہ بھارت کے ہر قابل ذکر اخبار کے فرنٹ پیج پر اس کی تصاویر کے ساتھ لیز امارٹن کی تصاویر اور اغوا کی خبریں شائع ہوئی تھیں۔

یہ بات پیرزادہ کی دوربین نگاہ ہی نوٹ کرسکتی تھی کہ امریکی اور مغربی میڈیا نے یہ خبر بھارتی میڈیا میں جاری ہونے کے بعد شائع کی تھی؟

اس افواہ کا بھارتی ایجنسیوں کو کیا پہلے ہی سے علم تھا؟

کیا ایسا ممکن ہے کہ ذرائع ابلاغ کی دوڑ میں بھارتی یورپ اور امریکہ پر بازی لے گئے ہیں؟

یہ تھے وہ دو اہم سوالات جو سب سے پہلے اس کے ذہن میں کلبلائے اور تھوڑی دیر تک کمپیوٹر سے کھیلنے کے بعد اس نے کمپیوٹر آف کر کے موجودہ صورت حال پر دھیان دیا اور ان امکانات پر غور کرنے لگا جو اس کے نزدیک ممکن تھے..... اگلے دس پندرہ منٹ بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس سازش کے محرک بھارتی ہیں جنہوں نے موجودہ خطرناک صورت حال کا ناجائز استعمال کر کے پاکستان کی عالمی ساکھ کو متاثر کرنے کی گھناؤنی حرکت کی ہے خصوصاً پاکستان کو امریکہ کے نزدیک مشکوک کر کے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں!

پیرزادہ نے اس نتیجے پر پہنچنے کے فوراً بعد یہ بھی سوچ لیا تھا کہ جس ہوشیاری سے اس کے خلاف یہ سازش پنپ رہی ہیں ان حالات میں یہ بھی تو ممکن نہیں کہ جو رائے امریکہ نے قائم کی ہے وہی پاکستانی ایجنسیاں بھی قائم کریں؟

عین ممکن ہے کہ وہ اس کے برعکس سوچ رکھتے ہوں؟

ان حالات میں تو یوں بھی بیشتر پاکستان امریکی دماغ سے سوچنے لگے تھے اور جس طرح کی بین الاقوامی صورت حال چل رہی تھی اس میں پاکستان کے لئے یہ ممکن تو نہیں تھا کہ اگر امریکہ کی طرف سے پیرزادہ کی ڈیمانڈ کی جائے تو وہ اسے امریکہ کے حوالے نہ کریں؟ یہ تو بعد کی بات ہے کہ وہ تفتیش میں بے گناہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں فی الوقت تو پاکستانی اسے امریکہ کے حوالے کرنے کا ایک لمحہ بھی توقف نہیں کریں گے.....

''لیکن..... میں نے تو کئی اہم مواقع پر ان لوگوں کی بہت مدد کی ہے۔ کئی معاملات میں انہیں میری ضرورت پڑتی رہی ہے''.....

اس نے سوچا۔

اور یہ تھا بھی سچ.....

ماضی قریب میں متعدد مرتبہ اس کے پاس موجود جدید ترین آلات اس نے اپنے خفیہ ایجنسیوں کے دوستوں کو بطور تحفہ پیش کئے تھے تاکہ وہ پاکستان دشمنوں کے خلاف جدید ذرائع سے لیس ہو کر ملکی خدمات انجام دے سکیں۔ اس کی ان خدمات کو ایجنسیوں کے اعلیٰ افسران تحسین کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔

پیرزادہ کو علم تھا کہ اسے جس ناکردہ جرم کا سزاوار گردانا جا رہا ہے کم از کم پاکستانی ایجنسیوں کے نزدیک تو وہ اس کا ذمہ دار ہرگز نہیں کیونکہ وہ لوگ اس کے پل پل کی خبر رکھتے تھے اور ان حالات میں وہ اس کی مدد بھی کریں گے۔

یہی سوچ کر اس نے خفیہ ایجنسی میں اپنے ایک دوست سے رابطہ قائم کرنے کی ٹھانی تھی لیکن بطور احتیاط پہلے ہی سے اس بات کا اہتمام کر لیا تھا کہ اس کی گفتگو ریکارڈ تو ہو جائے لیکن ''کال ٹریس'' نہ ہو سکے کیونکہ 11 ستمبر کے بعد اس امر کے امکانات بہرحال موجود تھے کہ امریکی سیٹلائیٹ فضا سے ہر زمینی سرگرمی کا جائزہ لے رہے ہیں اور اس کی یہ کال بھی (Bug) بگ کی جا سکتی ہے۔ اس نے اپنے پاس موجود مخصوص گیجٹ فون سے منسلک کرنے کے بعد یہ ایجنسی کے اس اعلیٰ افسر سے گفتگو کا خطرہ مول لیا تھا۔

اگلے دو منٹ بعد رابطہ بحال ہو چکا تھا۔ پیرزادہ نے اس کے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ وہ کہاں سے بات کر رہا ہے اسے براہ راست سوال کیا تھا کہ کیا وہ اس پراپیگنڈہ کو صحیح سمجھتا ہے جو اس کے خلاف کیا جا رہا ہے.....

''NO''.....

دوسری طرف سے جواب ملا۔

پیرزادہ نے اس پر سکون کا سانس لیا اور بطور ایک دوست سے اس سے اگلا لائحہ عمل دریافت کرنا چاہا۔

''خود کو قانون کے حوالے کر دیں''.....

جواب ملا۔

''آپ خود یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ میرے خلاف پراپیگنڈہ اور سازش ہے۔اس کے بعد گرفتاری کیوں''؟

اس نے افسر اعلیٰ سے چبھتا ہوا سوال کیا۔

اور.....اس سوال کا جواب وہی تھا جو ایک مجبور اور بے بس ملک وقوم کے ذمہ دار اعلیٰ سرکاری افسر کا ہونا چاہئے۔

اس نے پیرزادہ سے کہا تھا کہ گرفتاری کے بعد ہی یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ بے گناہ ہے اور ان حالات میں اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے خلاف شک مضبوط ہوتا جائے گا دشمن یہی تو چاہتا ہے جب پیرزادہ نے اسے بتایا کہ گرفتاری کے فوراً بعد امریکی اسے ''گوآنتاناموبے'' کے عقوبت خانے میں پہنچا دیں گے جہاں وہ تمام انسانی اخلاقی اور قانونی ضابطوں سے آزاد ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو ازمنہ قدیم کے وحشی قبائل اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔اس کے نجانے کتنے سال بعد وہ بھی اس صورت میں کہ وہ زندہ رہے ممکن ہے اسے بے گناہ سمجھا جائے۔کیا اس کے بعد بھی وہ یہ سمجھتا ہے کہ پیرزادہ گرفتاری دے دے.....

افسر اعلیٰ کا جواب وہی تھا اس نے اپنی مجبوری بتا کر اس سے بطور دوست گرفتاری دینے کی درخواست کی تھی۔

پیرزادہ نے غصے سے فون بند کر دیا۔

اسے پاکستانی ایجنسیوں سے ہرگز اس سلوک کی توقع نہیں تھی اس نے تو اپنی ہر ممکن توانائی کے ذریعے انہیں توانا کیا تھا اور انتہائی مشکل مراحل پر ملکی خدمت کے جذبے سے بغیر کسی لالچ کے ان کی مدد کی تھی۔اس کے عوض ان سے کبھی کچھ طلب نہیں کیا تھا کم از کم اس مرحلے پر اسے ضرور اس بات کی امید تھی کہ اس کے دیرینہ دوست اس کی مدد کو آئیں گے لیکن دوسری طرف سے ملنے والے کورے جواب نے اسے قدرے مایوس کر دیا۔

پیرزادہ نے ہمت ہارنا نہیں سیکھا تھا۔اس نے خود کو ایسے مشکل امتحانات کے لئے ذہنی اور روحانی طور پر ہمیشہ تیار رکھا تھا کیونکہ یہ بات اس کے ایقان کا حصہ تھی کہ جسم کی اس زندگی میں کوئی اہمیت نہیں صرف روحانی بالیدگی ہی اسے مضبوط رکھ سکے گی۔

''میرے لئے میرا اللہ ہی کافی ہے''۔

اس نے قرآنی آیت تلاوت کی اور اگلے لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔یہ بات تو صاف ظاہر تھی کہ اسے بہر حال گرفتاری دینی تھی لیکن کم از کم وہ اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ اسے گرفتار کر کے اگلے ہی روز بغیر کوئی ثبوت حاصل کئے امریکہ کے حوالے کر دیا جائے۔

☆O☆

اگلے روز علی الصبح اس نے اپنے اس ٹھکانے کو بھی خیر باد کہہ دیا۔اب وہ ملک کے ایک اور شہر کی طرف محو سفر تھا لیکن اس طرح کہ اس کی شناخت عام حالات میں ممکن نہیں تھی۔اس دوران اسے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔

سب سے پہلی خبر یہی تھی کہ اس کی ایبٹ آباد میں ہنگامی ملاقات ریکارڈنگ سمیت بھارت کے نیوز چینلز پر مسلسل چلائی جا رہی ہے اور بھارتی میڈیا بڑھ چڑھ کر اس بات کا پراپیگنڈا کر رہا ہے کہ ان کی ایک رپورٹر نے بڑی ہمت اور جستجو سے پیرزادہ کے اس خفیہ ٹھکانے تک رسائی حاصل کی جس کا علم پاکستانی ایجنسیوں کو بھی نہیں ہے۔

بھارتی نیوز چینل پر ''را'' کے افسران جو (Under Cover) ''انڈر کور'' تجزیہ نگاروں کی صورت مسلسل پاکستان اور پیرزادہ کے خلاف زہر اگل رہے تھے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے میں کوشاں تھے کہ عالمی دہشت گرد پیرزادہ جس نے ماضی میں بھی امریکہ اور کینیڈا میں دہشت گردی کروائی ہے پاکستان میں خفیہ ایجنسیوں سے انتہائی قریبی تعلقات رکھتا ہے۔وہ پوری قوت سے چیخ چلا کر دنیا کو یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے تھے کہ لیزا مارٹن جس نے آخری ملاقات پیرزادہ سے کی تھی کو پیرزادہ نے ہی غائب

کروایا ہے کیونکہ وہ یہودن تھی اور اب پیرزادہ کو پاکستانی خفیہ ایجنسیوں نے غائب کر رکھا ہے اگر پاکستانی ایجنسیاں چاہیں تو پیرزادہ کو برآمد کیا جاسکتا ہے۔

انہوں نے مقبوضہ کشمیر میں جاری Cross Border Terrorism (کراس بارڈر ٹیرورزم) سے پیرزادہ کے ڈانڈے جوڑتے ہوئے ثابت کر دیا تھا کہ وہ یہ سارا ''کھیل'' پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کی مدد سے رچا رہا ہے اور اپنے منہ میں بھرے پانی کو بمشکل کنٹرول کرنے کے بعد امریکہ اور مغربی دنیا کو انگریزی زبان میں یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے تھے کہ جس دہشت گردی کا شکار امریکہ 11 ستمبر کو ہوا ہے اس کے وہ طویل عرصے سے شکار ہیں لیکن کوئی ان کی آواز پر کان نہ دھر رہا۔

بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ان سدھائے ہوئے دانشوروں میں مسلمانوں جیسے نام رکھنے والوں کو نیوز چینلز پر بطور خاص نمایاں کیا جا رہا تھا تاکہ بھارت سرکار کی غیر جانبداری پر کوئی شک نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے حکومت کا متعصب رویہ گردانا جائے.....

پیرزادہ بے بسی سے یہ سارے مناظر دیکھ رہا تھا۔

اس کی توقعات کے بالکل برعکس اس کے ''دوست'' پاکستانی چینلز پر اس خطرناک اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کے توڑ کی کوشش ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کے برعکس حکومت کی طرف سے ایک ہی بات تکرار کے ساتھ کہی جا رہی تھی کہ وہ جلد از جلد پیرزادہ کو گرفتار کر لیں گے۔

پیرزادہ نے فی الوقت خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اس کی آخری امید پاکستانی عدلیہ تھی جس تک رسائی کے لئے اس نے اپنے ایک ہمدرد وکیل کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ جس نے پیرزادہ کی گرفتاری کی صورت میں ایک ہنگامی پلان تیار کر لیا تھا۔

پیرزادہ کو اپنے مختلف ٹھکانوں پر خفیہ ایجنسیوں کے چھاپوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ اس کے عزیز و اقارب اور اہل خانہ کو پریشان کیا جا رہا تھا لیکن اب نے مناسب وقت کا انتظار تھا۔

اس نے اپنے عقائد کے مطابق اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ سے لو لگائی تھی اور اپنے مستقبل کے متعلق کسی بھی فیصلے میں اس کی مدد کا طلبگار رہو چکا تھا۔

☆O☆

ڈراپ سین

اسلام آباد میں پیرزادہ کے قیام گاہ پر حملے کے انداز میں چھاپہ مارنے والے خصوصی گروپ کی کمان کیپٹن راحیل کر رہا تھا۔ سب سے پہلے ان کا سامنا پیرزادہ کی بیوی سے ہوا جس نے سر سے پاؤں تک خود کو اسلامی لباس میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے کیپٹن راحیل سے انگریزی زبان میں بات کرتے ہوئے سب سے پہلے اس بات کا احساس دلایا کہ وہ ایک مسلمان اور پاکستانی افسر ہے اور اس کا واسطہ ایک مسلمان امریکی عورت سے ہے۔ جسے اپنے حقوق اور فرائض کا مکمل ادراک ہے جو نہ تو پاکستانی عورتوں کی طرح بے بس ہے اور نہ وہ ان کی کسی بھی حرکت سے خوفزدہ.....!!

اس نے کہا تھا کہ اس کا خاوند بے گناہ ہے اور اس کے خلاف تعصب کی بنیاد پر جو سارا گھڑا گ پھیلایا گیا ہے وہ کیپٹن راحیل کو ہرگز کسی قسم کی غیر قانونی کاروائی نہیں کرنے دے گی اس نے کیپٹن راحیل سے کہا تھا کہ اس کا رابطہ امریکن قونصلیٹ سے کروایا جائے تاکہ وہ امریکن شہری کو حاصل حقوق کا عملی مظاہرہ کر سکے

کیپٹن راحیل نے جان لیا تھا کہ اس کا واسطہ کسی عام عورت سے نہیں ایک مکمل مضبوط اور مستحکم مسلمان عورت سے ہے جس کا ایمان اللہ پر عملاً مضبوط ہے۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اس سے درجنوں سوالات کئے تھے۔ پیرزادہ کی بیگم نے اسے بتایا تھا کہ امریکن لاء کے مطابق وہ اپنے اٹارنی کی غیر موجودگی میں اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں لیکن محض جذبہ تعاون سے جس سوال کا جواب مناسب سمجھے گی دے گی اور اس نے ایسا ہی کیا!

کیپٹن راحیل کے ساتھیوں نے البتہ بڑی ہوشیاری سے گھر کے باقی کمروں کی تلاشی لے لی تھی جہاں سوائے ذہبی کتب' قانونی طور پر رکھے جانے والے جدید ترین آلات اور پیرزادہ کے امریکہ سے آئے مُریدوں بارہ عورتوں' مردوں اور بچوں کے اور کچھ موجود نہیں تھا۔

اس کے مُرید مضبوط عزائم کے حامل تھے۔ اپنے پیر کے خلاف وہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے انہوں نے کیپٹن راحیل اور اس کے ساتھیوں کو اچھی طرح باور کروا دیا تھا کہ وہ قانونی طور پر ویزہ لے کر یہاں آئے ہیں اور کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث نہیں اور ان کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے وہ اس بات کو ذہن نشین کر لے کہ وہ امریکی شہری ہیں جنہیں تمام انسانی اور قانونی حقوق حاصل ہیں۔

کیپٹن راحیل کے لئے یہ بات بڑی پریشان کن تھی کہ یہاں سوائے ایک خانساماں اور چوکیدار کے باقی تمام لوگ امریکن تھے۔ خانساماں عمر رسیدہ اور چوکیدار نسلاً پٹھان تھا جنہیں کوئی بات سمجھانا کم از کم کیپٹن راحیل کے بس سے باہر تھا کیونکہ دونوں اپنے مرشد کے خلاف کوئی بات سننے سے جان دے دینا جانا زیادہ احسن خیال کرتے تھے۔

ایک گھنٹہ کی مغز ماری کے بعد مناسب ترین الفاظ کے سہارے پیرزادہ کی امریکن نژاد بیوی سے معذرت کر کے وہ بے نیل و مرام واپس لوٹ آیا۔

☆O☆

لیزا مارٹن کے اغوا کی خبروں کو اخبارات نے اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کرنا شروع کر دیا تھا کہ عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف نامحسوس انداز میں لابنگ ہونے لگی تھی۔ پاکستانی اخبارات پیرزادہ کے حوالے سے ایسی ایسی کہانیاں سامنے لا رہے تھے جن کا علم ابھی تک امریکیوں کو بھی نہیں تھا۔ پیرزادہ کے پرانے گھر سے نئے گھر تک کا سارا سفر تصاویر و واقعات کی زبانی پاکستانی اخبارات چٹخارے لے لے کر شائع کر رہے تھے اور ایسی ہر خبر سے پاکستانی ذمہ داروں کی تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اعلیٰ حکام نے فوری طور پر کرنل وردگ کی زیر کمان ایک جائنٹ ٹاسک فورس قائم کر دی تھی جس میں تمام ایجنسیوں کے اعلیٰ دماغ اکٹھے ہو کر اس کیس پر کام کر رہے تھے۔ کیپٹن راحیل کو کرنل وردگ کے خصوصی معاون کی حیثیت حاصل تھی۔ کوئٹہ سے اسلام آباد تک اس نے کوئی بھی ایسا ممکن گھر انہیں چھوڑا تھا جس سے لیزا مارٹن کا سراغ مل سکے۔ ٹیکسی جس میں لیزا نے سفر کیا ابھی تک نہیں مل سکی تھی دارالحکومت کے قریباً ہر ٹیکسی ڈرائیور کو انٹیلی جنس ایجنسیوں نے تفتیش کر لی تھی۔

امریکی حکام نے وہ فیکس نمبر فراہم کر دیا تھا جس سے فیکس دی گئی تھی لیکن یہ ایک پی سی او تھا جہاں سے روزانہ درجنوں فیکس اور فون نمبر غیر ممالک کو کئے جاتے تھے۔ پی سی او کا مالک دو نمبر کام کر رہا تھا اور اس نے مقامی ایکسچینج کی مدد سے اپنا دھندہ چلا رکھا تھا۔ اپنے دو نمبر دھندے کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا اس لئے وہاں بھی کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پی سی او کے مالک نے اپنے دماغ پر ہر ممکن زور ڈال لیا تھا لیکن وہ اس شخص کی شناخت نہیں کر سکا جس نے فیکس کی ہو اس نے اپنی یادداشت پر زور ڈال کر انٹیلی جنس حکام کو اب تک قریباً ایسے اشخاص کی شکل و شباہت بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی جو اس کے پاس ان دنوں میں آئے تھے لیکن اس بات کو انٹیلی جنس حکام بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وہ صرف اپنی جان چھڑانے کے لئے انہیں مطمئن کر رہا ہے۔ اس کے ذہن میں بالکل کوئی شکل محفوظ نہیں تھی۔

البتہ ایک بڑا اہم کلو ان کے سامنے آیا تھا.....!

کرنل وردگ اور کیپٹن راحیل نے مسلسل مانیٹرنگ کے بعد اس حقیقت کا پتہ چلا لیا تھا کہ بھارتی میڈیا نے لیزا مارٹن کے اغوا کی خبر سب سے پہلے جاری کی۔ جبکہ اغوا کرنے والے اتنے محتاط تھے کہ انہوں نے ٹیلی فون کے ذریعے دنیا کی کسی بھی اخباری ایجنسی سے رابطہ نہیں کیا بلکہ صرف لیزا مارٹن کے اخبار کو فیکس دی تھی۔

"معاملہ بالکل صاف ہے سر! یا تو یہ ہمارے دوستوں کا کارنامہ ہے یا پھر انہوں نے ہمارے کسی اور مہربان کے ساتھ مل کر جائنٹ ایڈونچر کیا ہے".....

کیپٹن راحیل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"بات تمہاری دل کو لگتی ہے"۔

کرنل وردگ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور تھوڑی دیر بعد انٹیلی جنس کے ہاں اکٹھے ہونے والے عالی دماغ ان امکانات پر غور کرنے لگے جن کے ذریعے وہ حالات کی تہہ تک پہنچ سکیں۔

فون کی گھنٹی نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر دی تھی۔

"معاف کیجئے"

کیپٹن راحیل نے معذرت کرتے ہوئے فون اٹھایا۔

دوسری طرف سے بات سننے پر اس نے فون کی لائن ملحقہ محفوظ کمرے میں منتقل کروائی اور اب وہ دوسرے کمرے میں انسپکٹر طاہر سے مصروف گفتگو تھا۔

انسپکٹر طاہر کو اس نے سٹار ٹی وی چینل کی گیتا سے چپکا دیا تھا کیونکہ وہ گیتا کی پیرزادہ سے ملاقات کو ابھی تک ہضم نہیں کر سکا تھا۔ پیرزادہ کے اس ٹھکانے کا علم ایجنسی میں جتنوں اس کے دوستوں کو بھی نہیں تھا جس تک گیتا نے رسائی حاصل کر لی تھی۔ گیتا کی ستان میں آمد کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ اس وقت دنیا کی ڈھائی سو سے زیادہ پرنٹ اور ٹرانک میڈیا سے متعلق شخصیات پاکستان میں موجود تھیں کیونکہ حکومت کسی بھی چینل کو ذمہ دارانہ ذمہ داریوں سے روک کر اپنے خلاف اس مرحلے پر جبکہ بھارتی میڈیا خصوصاً

رات دن پاکستان کا تعلق 11 ستمبر کی دہشت گردی سے جوڑنے پر تلا تھا اپنے خلاف
نہیں چاہتی تھی۔

''سر! شرما گیتا کے ہوٹل میں اس سے ملاقات کر رہا ہے''.....

انسپکٹر طاہر کی اطلاع نے اسے چونکا دیا۔

''دونوں پر نظر رکھو خبردار کوئی مداخلت نہ کرنا۔ چوکس رہنا۔ میں آ رہا ہوں''
اس نے کہا اور دوسرے ہی لمحے ایک پرائیویٹ کار کے ذریعے وہ ہوٹل ہالی
طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔

انسپکٹر طاہر اسے لابی میں مل گیا اس کے چاروں ساتھی اپنی جگہ چوکس تھے۔
راحیل کو اس نے نامحسوس انداز میں دونوں کی نشاندہی کر دی تھی اور اب کیپٹن راحیل
کے شفٹ منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

☆O☆

گیتا پاٹھک ہواؤں میں اڑ رہی تھی.....

اس کا تعلق تو الیکٹرانک میڈیا سے تھا لیکن گزشتہ چار برس سے وہ ''را'' کے
کام کر رہی تھی۔ ''را'' کے لئے کام کرنے کا اسے جنون کی حد تک شوق تھا۔ انٹیلی جنس
دوستی نے اسے بہت کچھ دیا تھا اسے اپنے چینل پر ''ایکسکلوسو'' (Exclusive) خبر
حاصل کرنے کے حوالے سے خصوصی اہمیت حاصل تھی خصوصاً پاک بھارت تعلقات
تنازعات کے حوالے سے جو سٹوری وہ فائل کرتی وہ تازہ ترین ایسی معلومات پر مشتمل
جس کا اس سے پہلے کسی کو علم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

بھارتی میڈیا پر لیزا مارٹن کے اغوا کی خبر سب سے پہلے اسی کے حوالے سے
ہوئی تھی اور اغوا کے اگلے ہی روز وہ اسلام آباد پہنچ کر وہاں ایک لمحہ توقف کئے بغیر سیدھا
ایبٹ آباد پہنچی تھی.....

ایبٹ آباد میں اس کے لئے ہوٹل کی بکنگ پہلے سے ہو چکی تھی اور وہ وہیں

کے ذریعے وہ یہاں آئی تھی ابھی تک اس کے تصرف میں تھی۔ اپنے کیمرہ مین کے ساتھ جو
بیگ خاص اسے دہلی میں دیا گیا تھا وہ جب اپنے پاس پہلے سے موجود ایک کوٹھی کا نمبر تلاش
کرتی ہوئی پیرزادہ کے گھر تک پہنچی تو اسے علم ہوا کہ وہ چند منٹ پہلے ہی وہاں سے نکل گیا
ہے۔

کوٹھی کے باہر موجود سیدھے سادے چوکیدار نے یہی سمجھا تھا کہ وہ ''پیر
صاحب'' کی کوئی غیر ملکی مہمان ہے کیونکہ ان کے زیادہ مہمان غیر ملکی ہوا کرتے تھے اس نے
اپنی سادگی میں گیتا پاٹھک کو بتا دیا تھا کہ پیر صاحب کس پٹرول پمپ پر مل سکتے ہیں کیونکہ وہ
ایک ہی پٹرول پمپ سے گاڑی میں پٹرول ڈالا کرتے تھے۔

گیتا جو پیرزادہ کی گاڑی کے رنگ کا پتہ کر کے آئی تھی جب پٹرول پمپ تک پہنچی
تو اسے علم ہوا کہ اس رنگ کی ایک گاڑی میں کوئی مولانا صاحب ابھی پٹرول ڈلوا کر وہاں
سے نکلے ہیں جس پر اس نے پیرزادہ کو راستے میں ہی گھیر لیا.....

گو کہ وہ پیرزادہ سے وہ سوالات نہیں کر سکی جو اسے فیڈ کئے گئے تھے لیکن اس کی
یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ اس نے پیرزادہ کی ایبٹ آباد کی رہائش گاہ، گاڑی ملاقات اور
ممکنہ چار فقروں کا تبادلہ سلولائیڈ کے فیتے پر منتقل کر لیا تھا۔ اس کی بنائی ہوئی اس فلم کے
بعد بھارتی میڈیا نے پاکستان کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ یہ گیتا پاٹھک تھی جس کی
بنائی کردہ فلم ساری دنیا کے ٹی وی چینلز پر بار بار دہرائی جا رہی تھی جس نے اس کے اپنے
چینل کی کریڈیبلٹی میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا اسے اپنے میڈیا میں ''میڈیا کوئین'' کی
حیثیت حاصل ہو گئی تھی.....

گیتا پاٹھک کی اس رپورٹ کے فوراً بعد پاکستانی ایجنسیاں چونکی تھیں اور انہوں
نے اس کی نگرانی شروع کر دی تھی۔

یہ بات تو اظہر من الشمس تھی کہ وہ انڈین انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہی ہے لیکن
اس نے جو (Cover) بھیس اس کام کے لئے اختیار کیا تھا وہ ایسا جاندار تھا کہ کوئی اس کا

بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا.....

انڈین شہری ہونے کے ناطے اپنے ملک کے ہائی کمیشن میں اس کی آمد و رفت
کوئی روک نہیں لگائی جا سکتی تھی نہ ہی اس سے پیرزادہ کے حوالے سے کچھ تفتیش کی جا
تھی گو کہ اسے پاکستان بدر کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن اس فیصلے کو عملی جامہ بھی بڑی مکر
عملی سے پہنایا جانا تھا کیونکہ ان حالات میں جبکہ اس نے بھی لیزا مارٹن کی طرح اپنی خفیہ
رپورٹنگ کے تمام حلقوں میں پذیرائی حاصل کر لی تھی اسے کچھ کہنا بھی شیر کی کھچار میں ہا
ڈالنے کے مترادف تھا۔

انسپکٹر طاہر اور اس کے ساتھی ایبٹ آباد سے اس سے چپک گئے تھے اور انہو
نے اب تک کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ ایک وقت میں چار مختلف ٹیمیں اس کی نگرا
کر رہی تھیں۔ پاکستانی ایجنسیوں کی ہر ممکن کوشش تھی کہ کسی بھی طرح اس کا کوئی "پاکست
رابطہ" پکڑا جائے تاکہ انہیں آستین کے سانپ کا علم ہو سکے لیکن ہوشیار اور تربیت یافتہ
نے ابھی تک ایسا کوئی سراغ ان کے ہاتھ نہیں لگنے دیا تھا اسے اس بات کا بخوبی اندازہ
کہ پاکستانی ایجنسیوں نے اسے "مارک" کر لیا ہے اور اب بھارت واپسی تک ان
ایک ایک لمحے کو مانیٹر کیا جائے گا لیکن اسے اس بات کی ذرا برابر فکر نہیں تھی جس مشن
Cover کے ساتھ وہ کام کر رہی تھی اس میں گیتا کی گرفتاری یا اسے پاکستان سے نکال
اس کے اور زیادہ نمبر بن جاتے۔

دینش شرما اس کا کالج کے زمانے کا دوست تھا دونوں نے جنرل ازم اکٹھے
تھا جس کے بعد شرما نے اعلیٰ سروسز کا امتحان پاس کرنے کے بعد "را" میں عہدہ حاصل
تھا اور اب وہ ڈپلومیٹ کور کے ساتھ دنیا کے مختلف بھارتی سفارت خانوں میں خد
انجام دے رہا تھا۔ دونوں کالج کی دوستی کو ابھی تک نہیں بھلا پائے تھے۔ "را" سے
تعارف بھی دینش شرما نے ہی کروایا تھا۔

گیتا پاٹھک کی ایڈونچرس مزاج اور اپنے بزنس میں اس کی ہوشیاری چا

کھتے ہوئے "را" کے اعلیٰ عہدے دار اور گیتا کے دوست شرما نے اندازہ لگا لیا تھا کہ لڑکی
ہم کی ہے اور ایجنسی کے لئے بہترین سرمایہ ثابت ہوگی۔ اس نے گیتا کو "را" کے ساتھ
منسلک کروانے کے بعد اسے تین چار غیر ممالک میں صحافی کے کور Cover میں سیر
پانے کروا دیئے تھے جس کے بعد سے دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے
جب بھی دینش شرما دہلی آتا تو دونوں کی شامیں اور راتیں اکٹھے ہی گزرتی تھیں دونوں
سنجیدگی کے ساتھ اگلے سال شادی کرنے کا پروگرام بھی بنا چکے تھے.....

پاکستان میں گیتا کی آمد اور "را" "موساد" مشترکہ منصوبے میں اس کے کردار
کی اہمیت "را" کے اعلیٰ عہدے داران اور پاکستان میں موجود بھارتی ہائی کمیشن کے "پروٹوکول
آفیسر" دینش شرما کے علم میں تھی اسے اپنی محبوبہ کی اہمیت کا بھی بخوبی احساس تھا جس کے
کندھوں پر سوار ہو کر اسے ابھی بہت سی منازل طے کرنی تھیں۔ یہ گیتا کی دوستی ہی تھی جس
نے دینش شرما کو بہت شروع ہی میں Abroad پوسٹنگ دلا دی تھی ورنہ تو کئی کئی سال
دہلی میں جوتیاں چٹخانے کے بعد کسی خوش قسمت کو کسی غیر ملکی بھارتی ہائی کمیشن، ایمبیسی یا
قونصلیٹ میں خدمات انجام دینے کا موقع ملا کرتا تھا۔

☆O☆

"ویل ڈن..... شاندار..... ونڈرفل"۔

گیتا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ دیوانہ وار اس سے لپٹ کر اسے مبارک
باد دینے لگا۔

"تھینک یو..... دھنواد..... شکریہ".....

گیتا نے ادائے دلربانہ سے شرما کی بانہوں میں جھولتے ہوئے کہا۔

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس "کارنامے" کی خوشی شیئر کر رہے تھے اور
خوشی میں بھرا دینش شرما پاکستان سے متعلق جی بھر کے دل کا غبار نکال رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر
بات پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر 11 ستمبر کے بعد پاکستان پر افغانستان کی طرح عتاب کیوں

نازل نہیں ہوا۔

''احمق ہیں سارے.....ایک دم جاہل''.....

اس نے بھارتی لیڈر شپ کو انگریزی میں تمام ممکنہ گالیوں سے نوازتے ہو

کہا۔

''اور کیا.....ایسی ''جیو پولیٹیکل سچوایشن'' کو بھی اپنے حق میں استعمال نہیں

سکے''.....

گیتا نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ارے میرے بس میں ہو تو دیش کا سارا بجٹ ایجنسی کے لئے مختص

دوں.....اگر ہم لوگ نہ ہوں تو ان سالوں کو یہ پاکستانی گدھے بننے پر مجبور کر دیں''.....

اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''ڈارلنگ اب ایسی بات بھی نہ کہو۔اتنے سمارٹ نہیں ہیں یہ لوگ.....اگر

اہل ہوتے تو اس طرح آسانی سے مجھے کام نہ کرنے دیتے.....بڑے سیدھا سادے

ہیں یہ تو.....ارے انہیں تو میں اپنی انگلیوں پر نچا سکتی ہوں میں.....گیتا پاٹھک''.....

اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

اس قہقہے میں شرمانے اس کا ساتھ دیا تھا۔

''ارے بھئی جس کام کے لئے آیا تھا وہ تو جلدی کر لینا چاہئے ... let's

Celebrate''

اس نے اچانک کچھ یاد آنے پر گیتا سے کہا۔

''ارے یار مسلمان ملک ہے یہاں کیا ہوگا''.....

گیتا نے ادائے بے نیازی سے کہا۔

''اب اتنا بھی مسلمان نہیں.....اور ہمارے لئے تو یہ بھارت جیسا ہی ہے''

اس نے مسکراتے ہوئے گیتا کو آنکھ ماری اور انٹر کام پر ہوٹل انتظامیہ سے

کرنے لگا۔

☆O☆

شفٹ مینجر کے کمرے میں آپریٹر نے براہ راست کال منتقل کر دی تھی۔

''یس روم سروس''.....

شفٹ مینجر نے کمرہ نمبر 202 سے آنے والی کال ریسیو کرتے ہوئے اپنے

دوست کیپٹن راحیل کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی جو ویٹر کے لباس میں اس کے سامنے والی

کرسی پر بیٹھا تھا۔

''ٹولا رج سکاچ.....''

دوسری طرف سے حکم موصول ہوا۔

''مائی پلیزر سر!''

شفٹ مینجر کیپٹن راحیل کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

اگلے چند منٹ بعد کیپٹن راحیل ویٹر کے لبادے میں روم نمبر 202 کی طرف

شراب کی ٹرالی گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا۔

ہوٹل انتظامیہ کے ممکنہ سوالات سے بچنے کے لئے شفٹ مینجر لفٹ میں اس کے

ساتھ ہی سوار ہو گیا تھا۔دونوں کی خوش قسمتی کہ اس فلور پر ان کا ٹکراؤ ہوٹل انتظامیہ کے کسی

اہم رکن سے نہیں ہوا۔جو اکا دکا ملازمین یہاں موجود تھے وہ مینجر صاحب کو دیکھ کر احتراماً ہی

اتنے الرٹ ہو جاتے تھے کہ اس گورے چٹے لمبے تڑنگے ویٹر کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں

جانا تھا جو مینجر صاحب کے ساتھ ٹرالی گھسیٹتا ہوا کمرہ نمبر 202 کی طرف جا رہا تھا۔

کمرے کے نزدیک پہنچ کر شفٹ مینجر نے اسے ہاتھ کے انگوٹھے سے ''گڈ لک''

کا مخصوص اشارہ کیا اور تیزی سے آگے نکل گیا.....

راحیل نے بڑے مہذب انداز میں دروازے پر دستک دی۔

''کم ان''.....

گیتا پاٹھک کی آواز سنائی دی۔

راحیل آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگا۔

''گڈ ایوننگ میڈم''

اس نے ایسے مہذب انداز سے گیتا کو مخاطب کیا کہ وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''گڈ ایوننگ''۔

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''جام تیار کر دوں میڈم''.....

اس نے ٹرالی صوفے کے نزدیک لاتے ہوئے جس پر شرما براجمان تھا اس سے کہا کہ دونوں نے فوراً ''یس'' کہہ دیا۔

راحیل نے کسی پرانے اور انتہائی تربیت یافتہ ''بارٹنڈر'' کی طرح دونوں کے لئے جام تیار کئے اور باری باری دونوں کو پیش کر دیئے۔ شرما کی جہاندیدہ نگاہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ گیتا شراب سے زیادہ ساقی میں دلچسپی لے رہی ہے.....

ساؤتھ انڈیا کی سانولی سلونی گیتا پاٹھک کی کمزوری راحیل جیسے گورے چٹے لمبے تڑنگے نوجوان ہمیشہ رہے تھے اس کی اس کمزوری کا شرما سے زیادہ کسے احساس تھا۔

''واؤ''.....

راحیل کے ہاتھوں جام پکڑتے ہوئے پستہ قد گیتا کے منہ سے اچانک نکلا تو باقاعدہ گھبرا گیا۔

''سالی شراب کی تعریف کر رہی ہے یا اس ساقی کی''.....

اس نے بنگالی زبان میں گیتا سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دونوں کی''.....

گیتا نے انگریزی میں جواب دیا تو راحیل کو شرما کے پہلے سوال کا بھی انداز گیا۔

وہ دل ہی دل میں اپنی ابتدائی کامیابی پر مسکرا دیا۔

دونوں نے اس کی موجودگی میں جام ٹکرا کر اپنے ہونٹوں سے لگائے تھے۔ وہ اس دوران بظاہر ان سے قطعی لاتعلق اپنے کام میں مصروف رہا۔

''میڈم آپ شاید جرنلسٹ ہیں''.....

انگریزی میں اس نے اچانک ہی گیتا سے اگلا سوال داغ کر اندھیرے میں تیر چلا دیا۔

''تمہیں کیسے علم ہوا بھئی''.....

گیتا کے بجائے شرما نے چونک کر اس سے بظاہر معمول کے لہجے میں سوال کیا۔

''میڈم کا کمرہ دیکھ کر''.....

راحیل نے ایک کونے میں دھرے کیمرے کی طرف اشارہ کیا اور اس کی اگلی کسی بات سے پہلے اپنا لمبا چوڑا تعارف کرواتے ہوئے جرمن، دوبئی، سنگاپور اور ہانگ کانگ کے ان ہوٹلوں کے نام لے دیئے جہاں وہ بطور بارٹنڈر خدمات انجام دے چکا تھا۔

''بڑے زبردست آدمی ہو تم''.....

گیتا نے سکاچ کا گھونٹ حلق میں انڈیلا۔

''اس کمپلیمنٹ (Complement) کا شکریہ میڈم..... شیرازی نام ہے میرا..... کوئی بھی خدمت کر کے مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے آپ سے پہلے ''رائیٹرز'' کی مس جیکولین سمتھ کے لئے کام کیا تھا میڈم.....''

اس نے بات سے بات نکالی۔

''تم تو یار واقعی بڑے کام کے آدمی لگتے ہو.....''

اس مرتبہ شرما نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''Thank you سر''.....

اس نے شرما سے کہا۔

''کیا کیا تھا جیکولین کے لئے''.....

گیتا کو علم تھا رائٹرز کی جیکولین سمتھ کوئی معمولی ہستی نہیں تھی اگر اس نے ان بارٹنڈر کی خدمات حاصل کی تھیں تو وہ بھی اس کے ذریعے کوئی سکوپ مار سکتی تھی۔

''میں مہمند ایجنسی کا رہنے والا ہوں میڈم.....وہ جو طالبان والی سٹوری انہوں نے فائل کی تھی وہ سارے رابطے میں نے ہی کروائے تھے''.....

اس کی اس بات پر دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا.....

''یار ہمارے لئے بھی کوئی سٹوری نکالو ناں.....تم تو زبردست آدمی لگتے ہو بھئی.....بے فکر رہنا ہماری میڈم بھی بہت بڑے چینل کے لئے کام کر رہی ہیں''.....

شرما نے کسی اگلے امکان کو ذہن میں رکھ کر بات بڑھائی۔

''مائی پلیئر سر!''.....

راحیل نے قریباً کورنش بجالاتے ہوئے جواب دیا۔

گیتا نے اس سے پرائیویٹ فون نمبر لے لیا تھا۔ راحیل نے اسے کہا تھا کہ وہ اس کے کام کے لئے تین چار دن کی چھٹی بھی لے سکتا ہے اس کی دس چھٹیاں ابھی تک Due ہیں۔

دم رخصت اس نے دونوں کو Have a Nice Evening بھی Wish کر دی تھی۔ اس بات کا اندازہ وہ دونوں ہی نہ کر سکے کہ زمین پر جھکتے ہوئے جب اس نے سوڈے کی خالی بوتل اٹھائی تو بیڈ کے نیچے بڑی ہوشیاری سے ایک چھوٹا سا گجٹ رکھ دیا تھا۔

اب اس کمرے میں ہونے والی کوئی بھی گفتگو وہ با آسانی سن سکتا تھا۔

☆O☆

ہوٹل کی پارکنگ کے ایک کونے میں وین کھڑی تھی جس پر کسی کمپنی کا بورڈ آویزاں تھا اور اس کے سیاہ رنگ کے شیشوں پر بھی پینٹنگ کر کے انہیں مختلف رنگوں میں

تبدیل کر دیا گیا تھا۔ بادی النظر میں یہ بچوں کے لئے سویٹس تیار کرنے والی کسی کمپنی کی وین دکھائی دیتی تھی۔ اس وین کے اندر جدید مواصلاتی نظام نصب تھا اور اب کیپٹن راحیل ویٹر کی یونیفارم پہن کر یہاں کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے کمرہ نمبر 202 میں ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ شاید شرما کو کچھ زیادہ ہی چڑھنے لگی تھی اور وہ گیتا پاٹھک سے راحیل کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''سالی کیوں جھوٹ بولتی ہے صاف کیوں نہیں کہتی اس کی جوانی پر مرمٹی ہے''.....

''شرما پلیز.....خود پر کنٹرول کرو کیا یہاں سے حالت مدہوشی میں ہائی کمیشن جاؤ گے؟''

گیتا نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اسے واقعی یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر انڈین ہائی کمیشن کا شراب کے نشے میں مدہوش کوئی اعلیٰ عہدے دار اس کے کمرے سے برآمد ہوا تو پاکستانی پریس اس کی اچھی بھلی درگت بنا کر رکھ دے گا۔

''آئی ایم سوری ڈارلنگ.....او۔کے نارمل ہوں میں.....بس کرتا ہوں.....''

شرما نے کہا اور راحیل کو گلاس رکھنے کی آواز سنائی دی۔

''خود کو سنبھالو شرما.....وہ کوئی معمولی بارٹنڈر نہیں.....مہمند ایجنسی کا رہنے والا ہے اور اس کے طالبان سے تعلقات بھی ہیں.....بہت کام آ سکتا ہے ہمارے.....لگتا بھی خاصا رنگین مزاج ہے.....جن ہوٹلوں کا حوالہ دے رہا تھا وہاں کوئی پارسا تو اس جیسے کام پر نہیں رکھا جاتا ناں.....''

گیتا نے کہا۔

''بات تو تمہاری سچ ہے گیتا ڈارلنگ لیکن یہ بڑے چالاک لوگ ہیں.....کہیں کوئی اور مصیبت نہ کھڑی ہو جائے''.....

شرما نے اپنا شک بتایا۔

''کیا مصیبت کھڑی ہوگی..... ڈیم اٹ..... تم ابھی تک نارمل نہیں ہوئے شرما..... کوئی بھی چانس بن سکتا ہے..... کوئی بڑا سکوپ مار سکتی ہوں میں اس کے ذریعے..... شرما تم جانتے ہو میری چھٹی حس مجھے کبھی دھوکہ نہیں دیتی.....''

گیتا نے چڑ کر کہا۔

''وہ تو ہے ڈارلنگ لیکن.....''

''یہ کیا لیکن لیکن لگا رکھی ہے تم نے..... اور ہاں میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔ اب تو تمہارے علاوہ اور کسی کے ساتھ بھاگ بھی نہیں سکتی..... پلیز کہیں میرا پیچھا نہ شروع کر دینا.....''

گیتا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں کرتا ڈارلنگ..... تم جانتی ہو میں بڑا محتاط آدمی ہوں لیکن کیا کروں..... عادت جو ہوگئی ہے تمہاری مجھے''.....

اس نے رومانٹک موڈ میں کہا۔

''دیکھو شرما یہ بڑے چالاک لوگ ہیں۔ مجھ پر نظر ہوگی ان کی..... کہیں تم سے نتھی کر کے اگر انہوں نے کوئی سکینڈل بنا دیا تو میری ساری کریڈیبلٹی ختم ہو جائے گی۔ وہ لوگ جو مجھے میڈیا کوئین کہتے ہیں ایجنسیوں کی ٹاؤٹ جاننے لگیں گے''.....

اس نے عندیہ ظاہر کیا۔

''ارے نہیں..... کیوں خواہ مخواہ ڈرتی رہتی ہو زمانے سے..... آخر ہم شادی بھی تو کرنے جا رہے ہیں اگلے سال پھر کیا باقی رہ جائے گا''.....

شرما نے اس کو حوصلہ دینا چاہا۔

''تب اذر بات ہوگی شرما صاحب''.....

گیتا کچھ سنجیدہ ہونے لگی تھی۔

دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ کافی دیر جاری رہا۔ جس کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا تھا۔

شرما اب کمرے سے روانگی کی تیاری کر رہا تھا۔ جیسے ہی کانوں سے ہیڈ فون لگائے کیپٹن راحیل کو اس کے ارادے کی خبر ہوئی۔ اس نے فوراً اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے واکی ٹاکی پر اس کھیل کا اگلا ایکٹ شروع کرنے کا سگنل دے دیا.....

''گو آ ھیڈ''.....

اس نے صرف دو لفظ کہے اور واکی ٹاکی رکھ کر دوبارہ ہیڈ فون کے ذریعے دونوں کی گفتگو سننے لگا.....

☆O☆

انسپکٹر باجوہ نے اپنے واکی ٹاکی پر جیسے ہی کیپٹن راحیل کی طرف سے "Go Ahead" کا سگنل موصول کیا وہ اپنی ساتھی سب انسپکٹر عالیہ اور کیمرہ مین کے ساتھ لفٹ کی طرف لپکا.....

لفٹ دوسری منزل پر رکی تو دلہن کے لباس میں ملبوس عالیہ اور انسپکٹر باجوہ نے بالکل نو بیاہتا جوڑوں کی طرح ایک دوسرے کے ہاتھ تھام لئے.....

کیمرہ مین راہداری کے دو رویہ بنے کمروں کے سامنے سے گزرتا کمرہ نمبر 202 سے آگے نکل گیا تھا لیکن اس نے ایسی پوزیشن لی تھی جس سے اس کمرے میں آنے جانے والوں کی ایک ایک لمحے کی مصروفیات ریکارڈ کر سکتا۔

انسپکٹر باجوہ نے واکی ٹاکی اس طرح اپنے کان سے لگایا ہوا تھا کہ کسی دوسرے کو نمایاں سے دکھائی نہ دے سکے۔

اب اسے دوسرے سگنل کا انتظار تھا جو بمشکل دو منٹ بعد ہی مل گیا۔

"Now".....

کیپٹن راحیل کی آواز سنائی دی اور انسپکٹر باجوہ نے واکی ٹاکی اپنے کوٹ کی

جیب میں ڈال کر عالیہ کی بانہوں میں بانہیں ڈالیں اور راہداری میں اس سمت چلنا شروع
جدھر کمرہ نمبر 202 سے شرما اور گیتا باہر نکل رہے تھے۔

ٹائمنگ شاندار تھی.....

کیپٹن راحیل نے اسے عین ان لمحات میں Move کیا تھا جب شرما اور
اپنے کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔ گیتا کو شرما کی حالت قابل اعتبار نہیں لگتی تھی اور
اسے خود پارکنگ میں موجود ہائی کمیشن کی کار تک چھوڑنے جا رہی تھی جس کے بعد ڈرا
اسے سنبھال لیتا۔

عین ان لمحات میں جب انڈین ہائی کمیشن کا سفارت کار دنیش شرما اور سٹار
چینل کی گیتا پاٹھک اپنے کمرے سے برآمد ہو رہے تھے۔ کیمرہ مین چودھری اپنے کام
جت گیا۔

دونوں کو صرف اتنی بات سمجھ آ سکی تھی کہ کوئی نو بیاہتا جوڑا ہنی مون منانے
میں آیا ہے اور شادی بیاہ کی رسومات کے مطابق ان کے حجلۂ عروسی پہنچنے تک کی فلم بنا
رہی ہے۔

یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کیمرے کے لینز ان پر فوکس
اور دونوں کے کمرے سے نکل کر راہداری کے آخری کونے سے مڑ کر لفٹ پر پہنچنے تک
مکمل فلم ریکارڈ ہو چکی ہے۔

اب پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے بھارتی ڈپلومیٹ دنیش شرما اور سٹار ٹی وی
کی رپورٹر گیتا پاٹھک کے درمیان تعلقات ان کی پیرزادہ سے متعلق گفتگو اور پیرزادہ کو
سازش کے تحت ٹی وی چینل پر دکھانے کے سارے منصوبے کی ریکارڈنگ ہو چکی تھی جس
مدد سے پاکستانی انٹیلی جنس یہ بات با آسانی ثابت کر سکتی تھی کہ پیرزادہ تک گیتا پاٹھک
پہنچنا اور اس کی خبر کے ذریعے سنسنی پھیلا کر عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنا ایک سوچے
منصوبے کا حصہ ہے اور یہ اپریشن بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کی طرف سے پاکستان کو

کرنے کی شر انگیز مہم کا حصہ ہے۔

کیپٹن راحیل نے اپنی ٹیم کی مدد سے ایسا اہتمام کر دیا تھا کہ جتنا عرصہ گیتا پاٹھک
اس ہوٹل میں قیام کرتی کمرہ نمبر 202 میں ہوٹل انتظامیہ کی طرف سے جانے والا ہر ویٹر یا
انتظامیہ کا کوئی بھی ذمہ دار پاکستانی انٹیلی جنس کا کوئی افسر ہوتا۔

اس کمرے کے اندر ہونے والی ہر سرگرمی ریکارڈ کی جا رہی تھی لیکن اس خصوصی
احتیاط کے ساتھ کہ کسی کا دھیان بھی اس طرف نہ جائے۔

کیپٹن راحیل نے بڑا معرکہ سر کیا تھا .....اسے اپنے ساتھیوں کی طرف سے
زبردست داد موصول ہو رہی تھی اب وہ بے چینی سے گیتا پاٹھک کے اس فون کا منتظر تھا جو
اس کی دانست میں گیتا پاٹھک نے اسے ضرور کرنا تھا جس کے بعد ہی وہ اگلی حکمت عملی تیار
کرتا۔

"ویل ڈن.....ویل ڈن مائی بوائے"

کرنل ورڈگ نے اس کے لئے کھڑے ہو کر تالی بجائی تھی۔ جائنٹ ٹاسک فورس
کے باقی ممبران نے بھی اس کی تقلید کی۔

☆O☆

ہائی جیک

لیزا مارٹن کو یہاں دن رات کی تمیز تو نہیں رہی تھی لیکن اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے یہاں آئے آج پانچواں دن ہے۔ یہاں کوئی گھڑی تو موجود نہیں تھی البتہ اسے روزانہ انگریزی اخبار ضرور مل جاتا تھا لیکن وہ بھی سنسر ہونے کے بعد البتہ اس نے اپنے اغوا کے دوسرے ہی روز یہ خبر پڑھ لی تھی کہ امریکی وزیر خارجہ نے اس کے اغوا پر زبردست تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پاکستانی حکومت سے درخواست کی تھی کہ وہ لیزا مارٹن کو برآمد کروانے کے لئے ہر ممکن طریقہ کار اپنائے۔ جس کے جواب میں پاکستانی وزیر خارجہ نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اغوا کی زبردست مذمت کی اور اخبار نویسوں کو یقین دلایا تھا کہ حکومت لیزا مارٹن تک پہنچ کر رہے گی اور اس کے اغوا کار اپنے بھیانک انجام سے نہیں بچ سکیں گے۔

پیرزادہ کے غائب ہونے کی خبر بھی اس تک اخبار کے ذریعے ہی پہنچی تھی جس سے پاکستانی ایجنسیاں سرگرمی سے تلاش کر رہی تھیں۔

لیزا مارٹن کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا رائے قائم کرے؟

اگر پیرزادہ اس کے اغوا میں ملوث نہیں تو وہ غائب کیوں ہوا ہے؟ اگر وہ اس اغوا میں ملوث ہے تو ابھی تک اس کے سامنے کیوں نہیں آیا؟

اسے ڈھنگ سے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا خود کو تن بہ تقدیر کئے اب وہ آمدہ حالات کے مقابلے کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی۔

اب تک صرف ایک مرتبہ وہ نوجوان اس کے سامنے آیا تھا جس نے ٹیکسی ڈرائیور کے روپ میں اسے اغوا کیا تھا اس کے علاوہ اور کسی سے اس کا سامنا صاعقہ کے علاوہ نہیں ہوا تھا۔

صاعقہ کے لہجے کی درشتگی برقرار تھی۔

وہ لیزا مارٹن کی معمولی حرکتوں کا بھی سختی سے نوٹس لیتی تھی۔ اس کے کھانے پینے' ٹہلنے بیٹھنے' کمرے میں چلنے تک ہر حرکت کو مانیٹر کر رہی تھی۔ لیزا مارٹن زندگی میں پہلی مرتبہ اغوا ہوئی تھی لیکن اس نے آج تک اغوا ہونے والوں کے جتنے واقعات سنے' پڑھے یا پھر فلموں میں دیکھے تھے وہاں اسے کبھی بھی اس طرح کی مضبوط محتاط اور انتہائی ذہین لڑکی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ صاعقہ کوئی معمولی دہشت گرد نہیں اس کی تربیت بہت سخت مراحل سے گزرنے کے بعد مکمل ہوئی ہے وہ ذہنی ہی نہیں جسمانی طور پر بھی بہت مضبوط تھی کبھی کبھی تو لیزا مارٹن کو یوں لگتا تھا کہ اس کا تعلق امریکن ایف بی آئی ہی سے ہے۔ کیونکہ ایسی سمارٹ خاتون کا مشرقی ممالک کی کسی دہشت گرد تنظیم سے تعلق اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس نے فلسطینی اور لبانی دہشت گرد لڑکیوں کو قریب سے دیکھا تھا امریکہ کی جیلوں میں ان سے انٹرویو کئے تھے لیکن صاعقہ ایسی خصوصیات اسے کسی اور میں دکھائی نہیں دی تھیں .....

کبھی کبھی تو وہ صاعقہ سے بہت خوفزدہ ہو جاتی تھی ..... سوتے میں اچانک ہی بڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی اسے یوں محسوس ہوتا جیسے صاعقہ دوران نیند اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار

ڈالے گی۔

وہ دن میں متعدد مرتبہ لیزا مارٹن کے ساتھ شدید نفرت کا اظہار کرتی رہتی تھی اس نے لیزا سے کہا تھا کہ اگر وہ اپنے ساتھیوں کے احکامات کی پابند نہ ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے اس کے جسم کی بوٹی بوٹی کاٹ کر الگ کر دیتی.....

ایسی باتیں کرتے ہوئے اس کا لہجہ بڑا ڈراؤنا ہو جاتا کبھی کبھی تو وہ لیزا مارٹن کو بالکل خونخوار چڑیل دکھائی دینے لگتی تھی۔

ایک مرتبہ صرف لیزا مارٹن نے اس سے کمرے کے باہر چہل قدمی کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں اس نے لیزا مارٹن کو اتنا خوفزدہ کیا تھا کہ اب اس نے خوف کے مارے اس سے کوئی سوال ہی کرنا چھوڑ دیا تھا۔

لیزا مارٹن کے لئے یہ بات باعث حیرانگی تھی کہ اسے اغوا کرنے والا شخص اس سے نہایت اخلاق اور نرم لہجے میں گفتگو کرتا ہے اس کے برعکس صاعقہ نے اسے مسلسل ٹارچر کا شکار بنایا ہوا تھا۔

''شاید یہ بھی ان کی حکمت عملی ہو.....''

اس نے سوچا۔

آج اچانک جب اس کو اغوا کرنے والا ٹیکسی ڈرائیور سامنے آیا تو اس نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے باہر چہل قدمی کی درخواست کر دی۔

''اگر تم لوگ میرے ذریعے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بھی اس کے لئے میرا زندہ رہنا ضروری ہے.....شاید تمہیں اس بات کا اندازہ ہو؟.....اور یہاں مسلسل بند رہنے سے میرا دم گھٹنے لگا ہے.....میں مر جاؤں گی''.....

اس نے یہ بات کچھ ایسے دردناک لہجے میں کہی تھی کہ عباس کو اس پر رحم آ گیا.....

''ٹھیک ہے ...اس کا بندوبست ہو جائے گا''

اس نے مختصر جواب دیا۔

ابھی وہ اپنی بات بمشکل مکمل کر پایا تھا جب اچانک نبیلہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''کیا بات ہے.....کیا چاہتی ہو تم''؟

اس نے شاید لیزا مارٹن کی بات سن لی تھی۔

لیزا نے اس کے سامنے اپنی درخواست دہرائی۔

''شٹ اپ ..... میں تمہیں پہلے بھی اس بات کا جواب دے چکی ہوں ..... ہماری طرف سے تم ابھی مر جاؤ.....''

اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

لیزا مارٹن نے اس صورت حال سے نفسیاتی فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی تھی۔

''لیکن یہ ''جنٹل مین'' تو میرے ساتھ وعدہ کر چکا ہے.....اور مسلمان وعدے کے.....''

''خاموش ہو جاؤ.....سنا نہیں تم نے''.....

اس نے دوبارہ لیزا مارٹن کی بات کو غصے سے کاٹ دیا۔

''آپ کیا کہتے ہیں؟''

اس مرتبہ لیزا نے اس کے بجائے کمانڈر عباس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ہو جائے گا' کہاں ہو جائے گا''.....

عباس نے قدرے چڑ کر جواب دیا۔

نبیلہ نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ عباس اس کا مطلب سمجھ گیا فوراً اس نے نبیلہ کو باہر آنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔

''دیکھتی ہوں تجھے.....حرافہ''.....

نبیلہ نے غصے سے کھولتے ہوئے لیزا سے کہا اور زوردار آواز سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

لیزا ایک مرتبہ تو سہم کر رہ گئی تھی۔

☆O☆

''کیا ظلم کر رہے ہیں آپ''؟

باہر آتے ہی اس نے عباس سے کہا۔

''نبیلہ میرے خیال سے ایسی کوئی غلط بات نہیں کہی اس نے''

عباس نے اس سے آنکھیں ملائے بغیر جواب دیا۔

''بس یہی ہماری وہ کمزوری ہے جس سے یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں..... انہیں علم ہے اس بات کا کہ مسلمان ظلم نہیں کر سکتا..... اور خود..... خود یہ سب کچھ کرتے ہیں اور وہ بھی انسانیت کے نام پر..... عباس انہوں نے وہاں قندوز اور قلعہ جنگی میں کیا سلوک کیا تھا ہتھیار ڈالنے والوں کے ساتھ..... تمہیں علم نہیں کیا..... یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں میں تو کہتی ہوں دوسری مرتبہ رابطہ قائم کرنے کے بجائے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کا جسم حصوں میں پارسل کر دیا جائے اس کی ایمبیسی کو.....''

نبیلہ غصے سے کھول رہی تھی.....

اور..... عباس کے لئے اس کی نفسیاتی پوزیشن کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا.....

وہ جانتا تھا کہ نبیلہ کے دل میں کیا الاؤ دہک رہا ہے..... افغانستان میں طالبان کے خلاف ہونے والے ہر مظالم پر وہ سیخ پا ہو جایا کرتی تھی.....

''لیکن اس سب کچھ میں لیزا مارٹن کا کیا قصور ہے نبیلہ..... وہ امریکن فوجی نہیں..... وہ تو سویلین ہے.....''

عباس نے مسکراتے ہوئے حالات کی تلخی کو کم کرنا چاہا۔

''یہ..... ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں..... معلوم نہیں پیرزادہ صاحب نے بتایا تھا اس کے متعلق..... یہودن ہے..... سی آئی اے کے لئے کام کرتی ہے یہ

مارے جاسوس جو یہاں صحافیوں کے روپ میں آ گئے ہیں سب کو جانتی ہوں میں..... ان کی معصوم شکل پر مت جاؤ..... چلتے پھرتے زہریلے ٹائم بم ہیں یہ عباس.....''

اس کا غصہ برقرار تھا۔

''نبیلہ! آخر قیدیوں کے بھی کچھ حقوق تو ہوتے ہیں ناں''.....

عباس نے نبیلہ کو نارمل کرنا چاہا۔

''یہ جنگی قیدی نہیں عباس..... مجرم ہیں یہ سب..... قاتل ہیں بے گناہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کے..... کیا قصور تھا ان کا جن پر کابل شہر میں بمباری کی گئی..... تم نے کیا ہیلی کاپٹروں اپاچی نہیں دیکھے اور وہ قلعہ جنگی میں انہوں نے کس طرح ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل عام کیا تھا.....''

نبیلہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی تھی.....

''چلو چھوڑو انہیں..... دفع کرو..... ہم بہرحال مسلمان ہیں اور ہمیں کم از کم اتنا ظلم نہیں کرنا چاہئے جتنا وہ کر چکے ہیں..... ایک تجویز ہے میرے ذہن میں.....''

اس نے نبیلہ کے خدشات دور کرنے کے لئے کہا۔

''کیا''؟

نبیلہ نے متجسس ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے کمرے سے نکالیں گے..... چہل قدمی کروانے کے بعد پھر اسے کمرے میں لے جا کر پٹی اتار دیں گے''.....

عباس نے اسے مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

''میرا تو دل بالکل نہیں مانتا عباس..... پھر بھی تم نے وعدہ کر لیا ہے تو مجبوری ہے بہرحال.....''

نیم دروں نیم بروں اس نے عباس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں لیزا مارٹن کے کمرے میں دوبارہ موجود تھے۔ انہوں نے

لیزا کو بتایا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے چہل قدمی کروائی جائے گی.....

لیزا نے اس شرط پر بھی آمادگی ظاہر کر دی۔

وہ یہاں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بسا اوقات تو اسے یوں لگتا تھا کہ صاعقہ کہیں اسے سانس لینے سے بھی نہ روک دے.....ایک بات البتہ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ اس کے مقابلے میں اس کے مرد ساتھی مہربان ہیں اور اب بھی انہوں نے صاعقہ کی مرضی کے بغیر اسے چہل قدمی کی اجازت دی ہے۔

اس نے دل ہی دل میں خداوند کا شکر ادا کیا کیونکہ مسلسل یہاں کمرے میں بند رہنے سے اب اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

''ہم تمہیں قریباً دو گھنٹے بعد باہر نکالیں گے''.....

صاعقہ نے اگلا حکم سنایا۔

''بہت چالاک لڑکی ہے''.....لیزا نے دل ہی دل میں سوچا.....شاید اسے اس امر میں بھی شک ہے کہ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کے باوجود لیزا یہ نہ دیکھ لے کہ اسے کہاں قید رکھا گیا ہے.....

اسے اندازہ تھا کہ دو گھنٹے بعد رات گہری ہو جائے گی اور اس کے صیاد اسے گہری اندھیری رات میں بھی آنکھوں پر پٹی باندھ کر باہر چہل قدمی کروائیں گے۔

دو گھنٹے بعد نبیلہ نے اس کی آنکھوں پر کپڑا باندھ دیا تھا.....اس کی درخواست پر عباس نے نبیلہ کی دی ہوئی مضبوط گانٹھیں کچھ ڈھیلی کر دی تھیں.....صاعقہ اسے ہاتھ پکڑ کر باہر لائی تھی.....

لیزا مارٹن کو صرف اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ اس نے بلڈنگ کے کچھ کمرے عبور کئے ہیں جس کے بعد اسے دو تین چکر دینے کے بعد ایک جگہ پہنچایا گیا اور کہا گیا تھا کہ وہ یہاں پچاس قدم سیدھے چلنے کے بعد لوٹ آئے اور چہل قدمی کرتی رہے وہ اس وقت ایک گراؤنڈ میں موجود ہے اگر گرنے لگی تو اسے صاعقہ تھام لے گی۔ صاعقہ نے یہ بات

بطور خاص اسے باور کروا دی تھی کہ اگر لیزا مارٹن نے غلطی سے بھی اپنا ہاتھ منہ کی طرف بڑھایا تو اس کے اردگرد موجود مجاہدین اسے گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے.....صاعقہ نے اس پر نفسیاتی دباؤ بڑھانے کے لئے اسے کہا تھا کہ وہ اس وقت مجاہدین کے ایک مرکز میں قید ہے.....

لیزا مارٹن کو اس بات کا اندازہ تو نہیں تھا کہ اسے کہاں رکھا گیا ہے البتہ اس کی خواہش ضرور تھی کہ جہاں اسے رکھا گیا ہے کم از کم وہ اس جگہ کو دیکھ لے لیکن یہ لوگ بہت محتاط دکھائی دیتے تھے۔ شاید وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اگر مستقبل میں امریکی حکومت کے ساتھ کسی ''ڈیل'' کے نتیجے میں لیزا رہا بھی ہو تو اسے یہ علم نہ ہو سکے کہ اسے کہاں رکھا گیا تھا؟

بے چاری لیزا مارٹن تو یہ بات بھی نہیں جانتی تھی کہ یہاں پر سوائے صاعقہ، عباس اور کمانڈر رشید کے اور کوئی موجود ہی نہیں۔

☆O☆

کمانڈر رشید بھی آج شام ہی یہاں پہنچا تھا۔ وہ شہر میں بیٹھ کر صورت حال کا جائزہ لیتا رہا تھا اور آج شام اس نے پاکستان کے ہنگامی دورے پر آئے امریکن وزیر خارجہ کو لیزا مارٹن کے اغوا کے حوالے سے جس موڈ میں بات کرتے دیکھا تھا اس سے وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

امریکن وزیر خارجہ نے واشنگٹن الفاظ میں کہا تھا کہ امریکی حکومت کی طے شدہ پالیسی کے مطابق وہ اغوا کاروں کے کسی مطالبے پر کان نہیں دھریں گے البتہ ان کا سراغ ملنے پر ان کے خلاف انتہائی کارروائی کی جائے گی اور دنیا کے آخری کونے تک ان کا تعاقب کیا جائے گا.....

ان کے ہمراہ پریس کانفرنس میں موجود پاکستانی وزیر خارجہ نے ان سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر اس گھناؤنے فعل کی مذمت کی تھی اور واشنگٹن الفاظ میں کہا تھا کہ اس اغوا کے ذمہ دار کبھی حکومت کی گرفت سے بچ نہیں پائیں گے۔

کمانڈر رشید کو یہ فکر دامن گیر ہو رہی تھی کہ پاکستانی اخبارات نے بلا سوچے سمجھے جس طرح پیرزادہ پر اس اغوا کا ملبہ ڈال دیا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ اس نے ہی لیزا مارٹن کو غائب کر رکھا ہے اس کے بعد عین ممکن ہے کہ سرحدی علاقے کے بے گناہ عوام کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ شروع ہو جائے کیونکہ بھارتی اور غیر ملکی میڈیا مسلسل ہرزہ سرائی کر رہے تھے کہ پیرزادہ نارتھ ایریا میں چھپا ہوا ہے اور اسے مجاہدین نے اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے۔ بعض نام نہاد صحافی محض اپنے نمبر بنانے یا پھر عوام میں سنسنی پھیلانے کے لئے ایسی دو چار جگہوں کی نشاندہی بھی کر چکے تھے جہاں پیرزادہ کی موجودگی کے امکانات تھے۔

انہوں نے ایسے عینی شاہد بھی گھڑ لئے تھے جنہوں نے پیرزادہ کو لیزا مارٹن کے اغوا کے بعد یہاں دیکھا تھا اس سلسلے میں پراسرار کہانیاں بھی اخبارات کی زینت بن رہی تھیں اور روز بروز ایسی شر انگیزی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

کمانڈر رشید سے زیادہ کسے اس بات کا اندازہ تھا کہ امریکن نارتھ ایریا کی سرحدوں پر آباد ان قبائل کے لئے کیا رویہ رکھتے ہیں جنہوں نے تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر ان مجاہدین کی مدد کی تھی جو کسی نہ کسی طرح امریکہ کی تباہ کن بمباری سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

لیزا مارٹن کی طرف سے انہوں نے جو فیکس Fax امریکہ ارسال کی تھی اس کے لئے انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے یہاں کے بجائے کراچی سے فیکس کیا گیا تا کہ اس بات کا علم بھی نہ ہو سکے کہ انہوں نے لیزا کو کہاں چھپا رکھا ہے۔

کراچی ایک بڑا شہر تھا اور وہ آسانی سے امریکہ اور پاکستانی ایجنسیوں کو یہ دھوکہ دے سکتے تھے کہ لیزا کو انہوں نے یہیں چھپا رکھا ہے جبکہ لیزا مارٹن یہاں سے ہزار میل دور ان کے قبضے میں موجود تھی.....

اس فیکس اور اس کے بعد اپنے مطالبات کے لئے بھیجی گئی ای میل کا امریکن حکومت کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا البتہ لیزا مارٹن کی بوڑھی ماں جو کینسر کی

مریض تھی کی طرف سے اغوا کاروں کی منت سماجت کا سلسلہ مسلسل جاری تھا۔ لیزا مارٹن کی ماں کی اپیلیں مغرب سے زیادہ پاکستانی میڈیا بڑھ چڑھ کر شائع کر رہا تھا اور اس دردناک انداز میں اس کے حالات کی تصویر کشی کی جا رہی تھی کہ ہر "صاحب دل" دل تھام کر رہ جائے۔

امریکن حکومت نے اس اغوا کی تشہیر ایسے بھرپور اور نفسیاتی انداز میں کی تھی کہ اغوا کرنے والوں کے لئے کسی کے دل میں موجود ہمدردی کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔

اور.....ایسا ہی ہوا؟

اب پاکستان کی مختلف سیاسی، سماجی اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی طرف سے اغوا کاروں کی مذمت کا سلسلہ جاری تھا اور ان سے بار بار اپیل کی جا رہی تھی کہ وہ بے گناہ لیزا مارٹن کو رہا کر دیں۔

وہ سرکاری درباری علماء جنہیں ہمیشہ حکومتوں کا قرب حاصل رہتا ہے بڑے بڑے دلائل اور براہین کے ساتھ یہ ثابت کر رہے تھے کہ اغوا کاروں کا یہ اقدام قطعاً غیر اسلامی ہے اور وہ کسی ہمدردی کے مستحق نہیں۔ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ان علماء کی طرف سے ان غیر ملکی خواتین و حضرات سے ملاقاتوں اور دعوتوں کا سلسلہ مسلسل جاری تھا جو امریکہ سے پاکستان لیزا مارٹن کو رہا کروانے اور اس رہائی مہم کو مؤثر بنانے کے لئے چلے آئے تھے۔

صورت حال ایسی بن گئی تھی کہ اب کسی بھی طبقہ ہائے زندگی کے لوگوں میں ان کے لئے کوئی ہمدردی باقی نہیں رہی تھی۔

ایک تو افغانستان سے طالبان کی پسپائی نے ہی مجاہدین کا مورال ڈاؤن کر دیا تھا تحکمتی اقدامات اور امریکی بمباری کی تباہ کاریاں دیکھتے ہوئے یوں بھی عوام کو اب "جہاد" سے خوف آنے لگا تھا۔ اب اس تازہ حرکت کے بعد عوام یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ مجاہدین ان کے لئے کوئی نیا عذاب نہ کھڑا کر دیں.....

کمانڈر رشید نے محسوس کیا تھا کہ اس اقدام سے عوامی حلقوں میں ان کی مخالفت بڑھنے لگی ہے اور ان کے ہمدرد بھی کم پڑنے لگے ہیں۔ دوسرا بڑا خطرہ اس بات کا تھا کہ کہیں غصے سے جھنجلائی اتحادی فوجیں صوبہ سرحد کے بے گناہ عوام پر نہ چڑھ دوڑیں کیونکہ پاکستان کے کچھ غیر ذمہ دار صحافی وہاں پیرزادہ کی موجودگی کے انکشافات کر رہے تھے۔

اس بات کو تو کمانڈر رشید ہی جانتا تھا کہ پیرزادہ کا اس اغوا سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

☆O☆

دونوں کمرے میں مذاکرات کر رہے تھے۔ صاعقہ عموماً ان کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرتی تھی نہ ہی وہ کمانڈر رشید سے زیادہ بات کرتی تھی۔ اس مدت میں وہ لیزا مارٹن کو چہل قدمی کروانے کے بعد اس کے کمرے تک پہنچا کر واپس آئی تھی۔

لیزا مارٹن نے آنکھوں سے پٹی اترنے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا تو صاعقہ نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔

لیزا کے لئے یہی غنیمت تھا کہ کسی بہانے سہی اسے کمرے سے باہر نکلنے کا موقعہ تو ملا۔ اس نے ابھی تک یہاں سے فرار کے امکانات پر غور نہیں کیا تھا کیونکہ اس کے خیال سے ایسا بظاہر ناممکن تھا یوں بھی ایک اجنبی ملک میں وہ دہشت گردوں کی قید سے بھاگ کر کہاں جا سکتی تھی؟

صاعقہ دبے پاؤں اس کمرے کی طرف جا رہی تھی جہاں دونوں موجود تھے۔ خلاف معمول آج اس نے دونوں کی گفتگو سننے کی ٹھانی تھی اور اب کمرے کے "کی ہول" سے اندر جھانکنے کے بعد وہاں کان لگائے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس بات کا اسے اطمینان پہلے سے حاصل تھا کہ کوئی اور یہاں موجود نہیں جو اس کی چوری پکڑے گا۔

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں"؟

اسے عباس کی آواز سنائی دی۔

"عباس مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ہم سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے"..... کمانڈر رشید نے کہا۔

"آپ کمانڈر صاحب آپ..... یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں"؟

عباس نے اس کی طرف بے یقینی کے انداز میں دیکھا تھا۔

"ہاں میں بھی اس کے لئے اتنا ہی ذمہ دار یا قصوروار ہوں جتنا کوئی اور..... تم نے کبھی کوئی بات مجھ سے نہیں چھپائی اور ہم سب نے یہ منصوبہ مل کر بنایا تھا لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے....."

کمانڈر رشید نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی شاید اسے اپنا مقصد سمجھانے کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"جیسے کیا"؟

عباس نے ان کی طرف بے یقینی کے انداز میں دیکھا۔

"جیسے خدانخواستہ کسی نے ہمیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کر لیا ہے"..... کمانڈر رشید نے بالآخر دل کی بات کہہ ہی دی۔

"یہ کیسے ممکن ہے کمانڈر صاحب"؟

عباس نے بے یقینی کے لہجے میں کہا۔

"سب کچھ ممکن ہے میرے بھائی..... ان آنکھوں نے وہ وہ کچھ دیکھ لیا ہے جس سے متعلق کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا"..... کمانڈر رشید نے باقاعدہ ٹھنڈی آہ بھری۔

"کمانڈر صاحب! آپ جانتے ہیں ہمارا یہ پروگرام اچانک بنا تھا۔ پیرزادہ نے ملاقات میں خود اس لڑکی کی اصلیت بے نقاب کی تھی اور ہم نے اس کا اغوا خدانخواستہ دولت کے حصول کے لئے نہیں کیا..... ہم تو اپنے بے گناہ ساتھیوں کی رہائی چاہتے ہیں اور بس....."

عباس نے اپنی صفائی پیش کی۔

''عباس کبھی کبھی میں سوچتا ہوں ہم نے پہلی مرتبہ کوئی غلطی نہیں کی..... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے خدانخواستہ کوئی نادیدہ طاقت پس پردہ رہ کر طویل عرصے سے ہمیں استعمال کر رہی ہے''.....

کمانڈر رشید کی اس بات نے اسے چونکا کر رکھ دیا۔

''خدانخواستہ کمانڈر صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں..... آپ کو تو ہمیں حوصلہ دینا چاہئے..... آپ خود ہی.....''

عباس نے ان کی طرف حیرانگی سے دیکھا۔

''نہیں عباس! میں نے حوصلہ نہیں ہارا البتہ طویل عرصے بعد اپنا محاسبہ کیا ہے ..... مجھے یوں لگتا ہے جیسے روس کے اس خطے سے نکلنے سے پہلے ہی جب طاغوتی طاقتوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک جنم لے چکی ہے اور مسلمانوں نے جہاد کو شعار کر لیا ہے تو انہوں نے اس تحریک ہی کو ہائی جیک کر لیا شاید وہ جہاد کے ثمرات سے خوفزدہ ہو گئے تھے''.....

کمانڈر رشید کی اس بات نے عباس کو چونکا کر رکھ دیا۔

وہ حیران تھا آج کمانڈر صاحب کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ انہیں گزشتہ بارہ سال سے جانتا تھا دونوں نے مل کر زندگی موت کے متعدد معرکے لڑے تھے کئی مرتبہ مجاہدین نے کمانڈر رشید کی مدد سے ناممکن کو ممکن بنا کر دکھا دیا تھا.....

''آپ کیا چاہتے ہیں کمانڈر صاحب''.....

بالآخر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے براہ راست سوال کر دیا۔

''دیکھو عباس ہمیں اپنی جان کی پرواہ نہیں۔ ہم نے بہت پہلے اللہ سے اپنی جانوں کا سودا کر لیا تھا لیکن ڈیزی کٹر بموں سے بے گناہ انسانوں کی ہلاکت کا ایک مرتبہ تماشا دیکھنے کے بعد اب دوبارہ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ ایسا ہو''.....

کمانڈر رشید نے بالآخر دل کی بات کہہ ہی دی۔

''آپ کے خیال سے کیا اپنی ایک جرنلسٹ کی رہائی کے لئے امریکہ پاکستان پر حملہ کر دے گا..... اور وہ بھی ان حالات میں جبکہ وہ پاکستان کا قدم قدم پر محتاج ہے''.....

عباس نے پوچھا۔

''پاکستان پر نہیں البتہ صوبہ سرحد کے ان قبائلی علاقوں پر..... جہاں پاکستانی پریس کے کچھ عاقبت نااندیش پیرزادہ کی موجودگی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں''..... اس نے کہا۔

اور..... عباس کو تفصیل سے سب کچھ سمجھانے لگا۔

اب اس کی بات عباس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کے دل نے بھی ان خدشات پر صاد کر دیا تھا جو کمانڈر رشید کے دل و دماغ میں ہلچل پیدا کر رہے تھے۔

''گو کہ ہم نے اپنی حکمت عملی کے تحت ان لوگوں کو بھی باور کروایا ہے کہ لیزا مارٹن کو کراچی میں اغوا کر کے رکھا گیا ہے لیکن ہمارا واسطہ بڑے ہوشیار اور بے پناہ وسائل رکھنے والے دشمن سے ہے جس سے کسی بھی طرح کے ''سرپرائز'' کی امید کی جا سکتی ہے..... انہوں نے یہاں بھی اپنی نظریں گاڑ رکھی ہیں..... اگر اگلے دو چار روز میں دشمن کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں ملتا تو ہمیں لیزا مارٹن کو جذبہ خیر سگالی کے تحت آزاد کرنا ہوگا..... اسے کوئی نقصان پہنچنے کا مطلب ہے بہت سے بے گناہوں کی موت.....!''

کمانڈر رشید نے آخر میں فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''جیسا آپ چاہیں گے کمانڈر صاحب ایسا ہی ہوگا''.....

عباس نے ان کی بات سمجھ لی تھی۔

''اور ہاں..... نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے لیکن بطور احتیاط میں چاہوں گا کہ لیزا مارٹن کی رہائی والے دن تک یہ بات تمہارے اور میرے علاوہ کسی تیسرے کے علم میں بالکل نہیں ہونی چاہئے۔ خصوصاً بھابی نبیلہ تک یہ بات بالکل نہ پہنچے..... میں تمہارے جذبات

سمجھتا ہوں لیکن میرے عزیز ہماری بہن بہت جذباتی ہے اسے مجاہدین سے بہت زیادہ ہمدردی ہے اور وہ شاید یہ پسند نہ کرے کہ ایک یہودی لڑکی کو ہم بغیر اپنے مقاصد حاصل کئے رہا کر رہے ہیں''.....

کمانڈر رشید نے اسے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا کمانڈر صاحب''.....

عباس نے اطاعت امیر میں سر جھکا دیا۔

دونوں شاید کمرے سے باہر آنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ نبیلہ نے ان کے تیور بھانپ لئے تھے۔ وہ تیزی سے لیکن کوئی آواز پیدا کئے بغیر وہاں سے ہٹ گئی اور اپنے کمرے میں بستر پر گر کر حالات پر غور کرنے لگی۔

اسے کمانڈر رشید کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا اور اب اس کے مضمرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

☆O☆

ڈائریکٹر آرمسٹرانگ کھڑکی سے باہر سڑک کا نظارہ کر رہا تھا جب بوب کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آمد ہی اتنی جارحانہ تھی کہ آرمسٹرانگ چونکے بغیر نہ رہا۔

''یس سر''.....

اس نے قدرے اونچی آواز سے کہا۔

''بیٹھو''.....

ڈائریکٹر سی آئی اے آرمسٹرانگ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور بوب نے خود کو قریباً کرسی پر گرا دیا۔

''مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے بوب لیکن ایجنسی کے کچھ اصول ہیں''.....

آرمسٹرانگ نے اس کے نزدیک پہنچ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا اور سامنے

ہی پر بیٹھ گیا۔

''ایجنسی کی بات نہ کیجئے سر! وہ تو کبھی کی ''موساد'' کے ہاتھوں اغوا ہو چکی ہے.....اب تو 11 ستمبر کے بعد ہم یوں بھی ان کے یرغمالی بنے ہوئے ہیں''.....

بوب نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

''تم بسا اوقات ایسا سچ بول دیتے ہو بوب جو تمہارے اور تمہارے دوستوں کے لئے لاینحل مسائل کھڑے کر سکتا ہے.....جانتے ہو ناں تم؟''.....

آرمسٹرانگ نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔

''یس سر! لیکن میں اس وقت اپنے ڈائریکٹر نہیں ایجنسی کے ایک خیر خواہ سے بات کر رہا ہوں سر! آپ جانتے ہیں میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا.....''

بوب نے سنبھل کر کہا۔

''جانتا ہوں.....جانتا ہوں.....''

آرمسٹرانگ نے قریباً چڑ جانے کے انداز میں کہا۔

''سر! ڈینیئل نے میرے ساتھ مڈل ایسٹ میں چار سال گزارے ہیں.....میں اس کی رگ رگ کو سمجھتا ہوں۔ میں نے آپ سے پہلے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ.....''

''ہاں! ہاں!''

آرمسٹرانگ نے اس کی بات کاٹ دی۔ نجانے کیوں وہ نہیں چاہتا تھا کہ بوب کے منہ سے اگلی بات ریکارڈ پر آ جائے۔ بوب نے برازیل میں اپنی جان پر کھیل کر اس کو موت کے شکنجے سے چھین لیا تھا.....وہ اس کا ماتحت ہی نہیں محسن بھی تھا اور آرمسٹرانگ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے محسن کو بھی ان حالات کا شکار بننے دے جن کا شکار کارل سمتھ ہوا تھا۔

کارل سمتھ کی موت اور دھماکے سے گھر اور اس میں موجود ریکارڈ کی تباہی نے انہیں سب کچھ سمجھا دیا تھا.....

ایف بی آئی کی خفیہ تحقیقاتی رپورٹ سی آئی اے پینٹاگون اور نیشنل سکیورٹی

ایجنسی کو مل چکی تھی جس میں قتل کے اس طریقے کو "موساد" سے منسوب کیا گیا تھا۔ یہ بات تینوں ایجنسیوں کی فائلوں میں درج تھی کہ کارل سمتھ ڈبل کراس ہے۔

"ڈینئیل Under Observation (زیرنگرانی) ہے"۔۔۔۔۔

اس نے بوب کو صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

"تھینک یو سر! میرے خیال سے مجھے اس خبر پر خوش ہونا چاہئے۔۔۔۔۔ سو میں ہو رہا ہوں۔۔۔۔۔"

بوب کے لہجے کا طنز آرمسٹرانگ کو کاٹ رہا تھا۔

لیکن۔۔۔۔۔ وہ بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔

"اب یہ فائل بند ہو گئی ہے بوب۔۔۔۔۔ اور میں تمہیں دوسرے سٹیشن پر بھیج رہا ہوں"

اس نے اگلی بات بوب کی طرف دیکھے بغیر کہی تھی۔

"تھینک یو سر! میں بھی یکسانیت سے اکتانے لگا ہوں"۔۔۔۔۔

بوب نے کہا۔

"آل دی بیسٹ"۔۔۔۔۔

آرمسٹرانگ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بوب مسکراتا ہوا اس سے مصافحہ کرنے لگا۔

☆O☆

ٹشو پیپرز

کمانڈر عابد کاشمیری کے لئے اس کا اب تک زندہ رہ جانا ہی کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ لشکر جرار کے سربراہ کی حیثیت سے اس نے دنیا کے ہر اس کونے میں جہاں کوئی بھی مظلوم مسلمان ظلم کے خلاف سینہ سپر ہے ایک ممتاز مقام حاصل کر رکھا تھا۔ لشکر جرار کے فدائیوں نے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج اور پیرا ملٹری فورسز کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔

یہ فدائی بی ایس ایف ہو یا آر پی ایف ہو یا سی آر پی ایف ہو راشٹریہ رائفل کسی بھی کیمپ میں نعرہ تکبیر بلند کرتے گھس جاتے اور دیوانہ وار دشمن سے ٹکرانے کے بعد درجنوں کو موت کی گہری نیند سلا کر خود بھی داعی اجل کو لبیک کہتے۔۔۔۔۔

بھارتی جانتے تھے کہ اس طرح ان کے کیمپوں میں دن دیہاڑے گھس کر زندگی اور موت کا کھیل رچانے والے یہ لوگ کوئی عام قسم کے مجاہد نہیں ہو سکتے۔۔۔۔۔ اور نہ ہی یہ زندہ واپسی کی امید لے کر یہاں آئے ہیں۔۔۔۔۔ جو شخص مرنے کی آرزو لے کر حملہ آور ہوا سے زیر کرنا آسان نہیں ہوتا۔۔۔۔۔

کمانڈر عابد کاشمیری کے فدائین نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے تھے کہ آج کے دور کے انسان ہی نہیں لگتے تھے.....

بالکل قرون اولیٰ کے مجاہدوں کی طرح وہ زندگی سے بے نیاز اور شہادت کے متمنی ہو کر دشمن کے کیمپ میں گھستے اور کشتوں کے پشتے لگا کر جام شہادت نوش کر جاتے۔ جب سے فدائین کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو رہا تھا جہادی حلقوں میں کمانڈر عابد کاشمیری کا احترام دوچند ہو گیا تھا۔ خصوصاً غیر ممالک میں موجود مسلمان لاکھوں روپے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور چپ چاپ نذرانہ عقیدت گزار کر واپس لوٹ جاتے۔

کمانڈر عابد کاشمیری نے کبھی بھی میڈیا کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور وہ برملا کہا کرتے تھے کہ دور جدید کی آدھی جنگ تو میڈیا پر لڑی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر سال اپنی مجاہد تنظیم لشکر جرار کا بہت بڑا اجتماع کرتے اس اجتماع میں دنیا کے کونے کونے سے جہاد سے دلچسپی رکھنے والے مسلمان آتے اور انوار و برکات سمیٹ کر واپس لوٹتے.....

ان میں عرب سے عجم اور دیار فرنگ سے امریکہ و افریقہ غرض دنیا کے ہر کونے کونے سے مسلمان عقیدت کے ساتھ شمولیت اختیار کرتے تھے۔ اس اجتماع پر دیگر مجاہد تنظیموں کے نامور کمانڈرز بھی شامل ہوتے اور اپنے زور خطابت کے جوہر دکھاتے۔

جن دنوں یہ اجتماع ہوتا سارے ملک کی فضا جہادی بن جایا کرتی تھی۔ مجاہدین اپنی تربیت کا عملی مظاہرہ کرتے۔ حاضرین کو مجاہدین کے تازہ ترین کارناموں سے آگاہ کیا جاتا۔ انہیں جہاد کو اپنے گھروں میں جاری و ساری رکھنے کی ترغیب ملتی اور ایسے مناظر بھی دیکھنے کو ملتے کہ مائیں اپنے بچوں کو جہاد کے لئے وقف کر دیتیں۔

اس اجتماع پر بڑے بڑے ایمان افروز مناظر دکھائی دیا کرتے تھے۔ اخبارات اجتماع پر خصوصی ایڈیشن شائع کرتے۔ ویڈیو فلمیں تیار ہوتیں اور دنیا کے کونے کونے میں موجود مسلمانوں تک یہ فلمیں پہنچائی جاتیں۔ جہاں جہاں لشکر جرار کی فلمیں اور لٹریچر پہنچتا مسلمانوں کے مردہ دلوں میں نئی زندگی دوڑنے لگتی۔

تین سال پہلے ایک ایسے ہی اجتماع پر کمانڈر عابد کاشمیری کی ملاقات امریکہ سے آئے ایک درد دل رکھنے والے ان کے ہم مسلک مولانا قادری صاحب سے ہوئی جو لشکر جرار کی نذر کرنے کے لئے بطور چندہ ڈالروں کے بنڈل لئے حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے کمانڈر صاحب کو بتایا کہ ساری زندگی وہ جس خواہش اور خواب کو لے کر زندہ رہے آج اس کی تعبیر لشکر جرار کے فدائین کی شکل میں دیکھ رہے ہیں انہوں نے کمانڈر عابد کاشمیری کی خدمت میں ایک خطیر رقم پیش کرنے کے بعد کہا کہ آج کے بعد وہ امریکہ کے کونے کونے سے لشکر جرار کے لئے چندہ اکٹھا کر کے یہاں پہنچایا کریں گے۔

کمانڈر عابد کاشمیری کوئی ایسے دنیا دار آدمی نہیں تھے لیکن جہاد کی ضرورتوں خصوصاً مجاہدین اور شہداء کے خاندانوں کی کفالت کا سارا بوجھ ان کے کندھوں پر آن پڑا تھا اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے انہیں ایسے صاحب حیثیت مسلمانوں کی ضرورت ضرور رہتی تھی جو لشکر کی مالی معاونت کر کے ان کی لائف لائن بنے رہیں۔

انہوں نے مولانا قادری کی آمد کو بھی تائید غیبی جانا.....!

مولانا قادری اپنے بزنس کے سلسلے میں پاکستان آتے جاتے رہتے تھے وہ جب بھی پاکستان آتے کمانڈر عابد کاشمیری کے خصوصی مہمان بنتے اور ہر ملاقات پر ان کی خدمت میں مجاہدین کے لئے نذرانہ ضرور پیش کرتے تھے۔

یہ ان کا اخلاص تھا جس نے جلد ہی کمانڈر عابد کاشمیری کو مولانا قادری کا گرویدہ کر دیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ کمانڈر کاشمیری بیشتر امور پر مولانا قادری سے مشاورت بھی کرنے لگے تھے کیونکہ مولانا قادری کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیوں سے نوازا خصوصاً تنظیمی امور پر ان کا مطالعہ اور مشاہدہ قابل دید تھا۔ انہوں نے کمانڈر صاحب کو مغربی ممالک سے ایسے ایسے حساس نوعیت کے آلات سمگل کر کے پہنچائے تھے جنہوں نے لشکر جرار کو جدید ترین ذرائع مواصلات کا مالک بنا دیا تھا۔

میدان کارزار میں ان جدید آلات کی مدد سے لشکر جرار کے مجاہدین محیر العقول

کارنامے انجام دیا کرتے تھے۔ ان کا کمیونی کیشن سسٹم ایسا مضبوط تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں چکرا کر رہ جایا کرتی تھیں۔ پیغام رسانی کے ایسے ایسے ذرائع انہوں نے اپنا رکھے تھے جو دشمن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔

کمانڈر عابد کاشمیری اور ان کے سینئر کمانڈر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ مولانا قادری کو دراصل لشکر جرار میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے.....

مولانا قادری کا حلقہ احباب بڑا غیر معمولی تھا۔ وہ بڑے بڑے امریکن ڈپلومیٹس اور غیر ملکی اعلیٰ شخصیات کے ساتھ ذاتی تعلقات رکھتے تھے اور ان کی طرف سے ملنے والی بیشتر اطلاعات ایسی ہوتی تھیں جنہیں سننے کے بعد لشکر جرار کے کمانڈر نہ صرف حیران رہ جاتے تھے بلکہ بڑے بڑے پیش آمدہ مشکلات کی بروقت نشاندہی کے بعد پلاننگ کر کے ان سے بچ بھی جایا کرتے تھے۔

☆O☆

11 ستمبر کے بعد سے مولانا قادری کی حالت دیدنی تھی وہ کمانڈر عابد کاشمیری سے ملتے تو بچوں کی طرح رونے لگتے۔ افغانستان میں امریکہ کے ہاتھوں طالبان کی پسپائی نے مولانا قادری کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے جس کا لشکر جرار کے تمام کمانڈروں کو شدت سے احساس تھا۔

یہ بات وہ لوگ عرصے سے محسوس کر رہے تھے کہ 11 ستمبر کے حادثے نے مجاہد تنظیموں کے لئے بڑے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے امریکہ کی حمایت میں طالبان کے خلاف ہونے والی کاروائی کے بعد ملک میں موجود مجاہد تنظیموں پر پابندیاں لگا کر ان کی سرگرمیوں کو شدت سے محدود کر دیا گیا تھا۔

کمانڈر عابد کاشمیری کو اپنی ساری ریاضت خاک میں ملتی دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے طویل جدوجہد کے بعد ملک میں جہادی مزاج پیدا کیا تھا وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ بہت جلد مجاہدین دہلی کے لال قلعہ پر جھنڈا لہرائیں گے اور روس کی طرح ایک روز ا

جانثار مجاہد امریکہ کو بھی خس و خاشاک میں ملا کر رکھ دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مقبوضہ کشمیر ہی نہیں بھارت کے بڑے بڑے شہروں تک اپنے فدائین کا سلسلہ پھیلا دیا جو بھارتی حکومت کے لئے لاینحل مسئلہ بن کر رہ گئے تھے۔

لیکن..... 11 ستمبر کے بعد حکومت نے اچانک جو یوٹرن لیا تھا اس نے کمانڈر عابد کاشمیری کو حیران و پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔

حکومت نے سختی سے ان کے کیمپ بند کروا دیئے۔ ان کی سرگرمیوں پر مکمل پابندی لگا دی۔ بڑے بڑے کمانڈروں اور مجاہدین کو پس دیوار زنداں کر دیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ان کے لئے سوائے زیر زمین چپ چاپ بیٹھ کر اچھے وقت کا انتظار کرنے اور کوئی چارہ باقی نہ رہا۔

ان حالات میں کمانڈر عابد کاشمیری اپنے دیرینہ ہمدم اور غمگسار مولانا قادری کی زیادہ ہی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کے نظم نے اپنے پاؤں بھارت اور مقبوضہ کشمیر میں اتنے زیادہ پھیلا دیئے تھے کہ اب انہیں سمیٹنا کار دارد تھا۔

☆O☆

کمانڈر عابد کاشمیری اپنی محفوظ پناہ گاہ میں موجود تھے جب انہیں مولانا قادری کی آمد کی اطلاع ملی اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی کہ اس آمد اور ملاقات کو قریبی ساتھیوں سے بھی خفیہ رکھا جائے گا۔

کمانڈر عابد کاشمیری سے زیادہ اور کون اس خصوصی احتیاط کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ انہوں نے اس بات کا خصوصی اہتمام کیا کہ اس مرتبہ مولانا قادری کی آمد اور ملاقات کا علم سوائے معدودے چند خاص کمانڈروں کے اور کسی کو نہ ہو سکے۔

مولانا قادری نے کمانڈر صاحب سے معانقہ کیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے.....

"کمانڈر صاحب کاش یہ روز بد دیکھنے سے پہلے موت آ جاتی"

انہوں نے اس طرح بھرائی ہوئی اور دکھ بھری آواز میں یہ بات کہی کہ کمانڈر عابد کاشمیری کے ساتھ موجود ان کے دو انتہائی اہم ذمہ داروں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

مولانا قادری نے بتایا کہ امریکہ اور مغربی ممالک میں مسلمانوں کو کس بے رحمی سے مارا پیٹا جا رہا ہے اور کس طرح دنیا کی یہ بزعم خویش مہذب حکومتیں ان پر انسانیت سوز مظالم روا رکھے ہوئے ہیں۔

انہوں نے بتایا تھا کہ وہ شاید ان سنگین حالات میں پاکستان آنے کا قصد نہ کرتے لیکن جب سے انہوں نے امریکہ میں ایک انتہائی اہم پاکستانی شخصیت سے ملاقات گزشتہ تین روز پہلے ہی امریکی دورے سے واپس لوٹے ہیں یہ بات سنی تو ان سے رہا نہ گیا.....

اس کے بعد انہوں نے بڑے دکھی دل سے لیکن بڑے رازدارانہ انداز میں یہ بات بتانی شروع کی.....

انہوں نے کمانڈر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو بتایا کہ حکومت نے مجاہدین کی سرگرمیوں کو مکمل طور پر کچلنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اس سلسلے میں اسے امریکہ کی مکمل معاونت بھی حاصل ہے۔

"لیکن اس طرح تو مقبوضہ کشمیر کے مسلمان بددل ہو جائیں گے..... ان کی کمر ہمت ٹوٹ جائے گی۔ بھارت میں مسلمانوں کے اندر جو احساس آزادی جنم لے رہا ہے وہ دم توڑ دے گا اور ساری دنیا میں مسلمان ذلیل و رسوا ہو کر رہ جائیں گے".....

ایک کمانڈر نے کہا۔

"جی ہاں! آج مسلمان کو جو عزت حاصل ہے وہ صرف جہاد کے سبب سے ہے جب ہم ایسی اہم سنت سے کنارہ کش ہو گئے تو سارے جہان کی ذلت و خواری ہمارا مقدر بن جائے گی۔"

دوسرے اہم کمانڈر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"لیکن مولانا اس مسئلے کا حل کیا ہے"؟

کمانڈر عابد کاشمیری نے بے قرار ہو کر دریافت کیا۔

"دیکھئے کمانڈر صاحب..... ہمارے لئے تو پاکستان کی حیثیت ایک مسجد کی سی ہے۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کی واحد امید پاکستان ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں کچھ لوگ ان کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ ان حالات میں خصوصاً پاکستان آرمی کو یہ باور کروانا ضروری ہے کہ ان مجاہد تنظیموں کا وجود ان کے لئے ناگزیر ہے".....

مولانا قادری گویا ہوئے۔

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اپنے ہی ملک کی فوج کے خلاف ہتھیار اٹھا لیں"؟

ایک سینئر کمانڈر نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ..... حضرت میں تو پہلے ہی گوش گزار کر چکا ہوں کہ پاکستان ہمارے لئے مسجد کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا طریقہ ہرگز یہ نہیں۔ خدانہ کرے کہ ایسا وقت کبھی قوم پر آئے۔ جب اسے اپنی ہی فوج کے خلاف ہتھیار اٹھانے پڑیں۔ لیکن ہم ایک کام ضرور کر سکتے ہیں کہ پاکستان کے ازلی دشمن بھارت پر ایسی زوردار ضرب لگائیں کہ وہ تلملا کر غصے میں اپنی فوجیں سرحدوں پر لے آئے اور پاکستان کے لئے مجاہد تنظیموں کی اہمیت اور بڑھ جائے....."

مولانا قادری نے اپنا منصوبہ بیان کر دیا۔

"مولانا نے بات تو ٹھیک کہی ہے....."

کمانڈر عابد کاشمیری نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بالکل کمانڈر صاحب اسی طرح اگر ایک بڑی کاروائی ہو جائے تو ہم دشمن کو جو سبق سکھانے کی خوشیاں منا رہے ہیں کہ حکومت کی پالیسیوں کی وجہ سے لشکر جرار ختم ہو چکا ہے اس کو پتا چل جائے گا کہ ہم ابھی زندہ ہیں اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کا حوصلہ بھی بڑھے گا

ان کا تو مورال بہت بری طرح گر چکا ہے''.....

دوسرے کمانڈر صاحب نے اپنی تجویز پیش کی۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ایسی زوردار ضرب کہاں لگائی جائے جس کے بعد دشمن بوکھلا کر ایسا کچھ کر گزرے جس کی وہ لوگ امید کر رہے ہیں اور حالات ان کے کنٹرول میں آ جائیں۔

''مقبوضہ کشمیر اسمبلی پر.....''

مولانا قادری نے فوراً ہی کہا۔

''اسمبلی پر؟''.....

کمانڈر عابد کاشمیری نے ان کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں..... بہت عرصے بعد بھارت بین الاقوامی حالات سے فائدہ اٹھا کر کشمیر اسمبلی کا اجلاس بلا رہا ہے جہاں مقبوضہ کشمیر کا کٹھ پتلی وزیراعلیٰ بھی موجود ہوگا۔ اسمبلی کسی بھی ملک کی جمہوری طاقت کا سمبل ہوا کرتی ہے کمانڈر صاحب..... وہاں اجلاس کے پہلے ہی روز ہونے والا حملہ ساری دنیا کو یہ باور کروا دے گا کہ جہاد کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت بند نہیں باندھ سکتی''.....

مولانا قادری نے دلائل کے انبار لگانے شروع کئے اور لگاتے چلے گئے۔ عشاء کے بعد بھی یہ مجلس جاری رہی اور رات دیر گئے وہ لوگ مولانا قادری کے اس منصوبے پر عمل درآمد کے لئے تیار ہو چکے تھے۔

☆O☆

کمانڈر مشتاق کو جب اپنے ہائیڈ آؤٹ پر مرکز کی طرف سے یہ حکم موصول ہوا تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے وہ سر جھکائے دشمن کی زیادتیوں کا سامنا کر رہے تھے۔ انہیں 11 ستمبر کے بعد زیرزمین ہو کر خاموشی اختیار کرنے اور کوئی بھی کارروائی نہ کرنے کے احکامات ملے تھے جس پر مجاہدین میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اکا دکا

کارروائیاں کر کے وہ اپنے ساتھیوں کا مورال بڑھانے کی کوشش تو کرتے لیکن ساتھی مایوسی کا شکار ہو رہے تھے۔

بھارتی فوج کو طویل عرصے کے بعد اپنے جوہر دکھانے کا موقعہ ملا تھا۔ وہ لوگ مست ہاتھیوں کی طرح دندناتے ہوئے آتے اور کسی بھی گاؤں پر حملہ آور ہو کر وہاں کا مال اسباب عزت آبرو سب کچھ لوٹ کر لے جاتے۔

نوجوانوں کو اغوا کر کے تشدد کے ذریعے اذیت ناک موت سے دوچار کرنے کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ عموماً ایسے کسی بھی واقعہ کے بعد مجاہدین کی طرف سے فوج کو ایسا منہ توڑ جواب ملا کرتا تھا جس کے بعد کئی دنوں تک وہ اپنے زخم سینچتے رہتے لیکن اب ایسی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہی تھی۔ چند روز پہلے تک فدائین کے وہ حملے جنہوں نے بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبا دیئے تھے اور جن سے خوفزدہ ہو کر بھارتی فوج میں فرار کے واقعات بڑھنے لگے تھے معدوم ہو چکے تھے۔

اس صورت حال نے عام کشمیری کو بددل کر دیا تھا۔

خوف نے کشمیریوں کے دل و دماغ پر تسلط جما لیا تھا۔ وہ خود کو بے بس اور تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ ظلم تو ان پر پچاس سال سے ہو رہا تھا لیکن گزشتہ بارہ سال سے اس ظلم کے خلاف مجاہدین کے منہ توڑ جواب نے انہیں بڑا مضبوط سہارا دیا تھا۔

کمانڈر مشتاق لشکر جرار کا ایریا کمانڈر تھا.....

اس کے جوشیلے جانفروش اس سے حملے کی اجازت مانگتے تو وہ خاموشی اختیار کر لیتا..... جب مجاہدین بضد ہوتے تو مرکز کے حکم اور اطاعت امیر کا درس ملتا.....

بھارتی فوج نے فدائین کے حملوں نے چھاؤنیوں تک محدود کر دیا تھا اب کونوں کھدروں سے نکل کر سری نگر کے گلی محلوں میں دندنانے لگی تھی۔

کمانڈر مشتاق کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کارروائی کے نتیجے میں ایک مرتبہ تو ہمارا بھارت دہل کر رہ جائے گا اور ان کی وقتی خاموشی کو آئندہ کبھی بزدلی سے تعبیر نہیں کیا

جائے گا۔ اس نے مجاہدین کی ترتیب بندی کر دی تھی۔ اہداف کا تعین ہو گیا تھا۔ ضروری ساز و سامان اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ انہیں کسی بھی لمحے کوچ کا حکم مل سکتا تھا۔

☆O☆

11 ستمبر کے بعد عالمی سطح پر جو بھی تبدیلیاں آئیں ان سے یوں تو جنوبی ایشیا کا خطہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا لیکن بھارتی حکومت کو بطور خاص مقبوضہ کشمیر میں جو ریلیف ملا تھا اس کے بعد سے وہ 11 ستمبر کے حملہ آوروں کے متعلق دل ہی دل میں بڑے احسان مندی کے جذبات رکھنے لگے تھے۔ اچانک دنیا میں بلند ہونے والے دہشت گردی کے غلغلے میں جہاں گیہوں کے ساتھ گھن پستا شروع ہوا بھارت نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا اور خود کو دہشت گردی کا شکار بنانے لگا خصوصاً کشمیر کے حوالے سے طویل مدت بعد بھارتیوں کی مراد بر آئی جب ان کے ''کراس بارڈر ٹیررازم'' کو پذیرائی ملنے لگی۔

اس صورت حال نے مجاہدین کو فی الوقت ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی اپنانے پر مجبور کر دیا تھا اور بھارتی حکومت نے اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی تھی۔

''اگر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو پھر شاید اتنا اس دوبارہ کبھی ہمیں ایسا موقعہ نہ دے۔''

کٹھ پتلی وزیراعلیٰ نے اس روز جب مرکزی حکومت کی ایک اہم میٹنگ میں یہ بات کہی تو وزیراعظم بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے اور تھوڑی دیر بعد ہی انہوں نے اگلے دس روز بعد سری نگر اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس اجلاس میں بطور خاص بھارتی وزیر داخلہ نے شمولیت کرنی تھی۔

اجلاس کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں اور حفاظتی انتظامات پر خصوصی توجہ دی جا رہی تھی۔ اسمبلی کی طرف آنے اور جانے والے راستے سکیورٹی فورسز نے اس طرح کیموفلاج کر رکھے تھے کہ ان کی اجازت کے بغیر چڑیا بھی ادھر پر نہیں مار سکتی تھی۔

دہلی سے اسمبلی کے اس سیشن کو خصوصی خطاب کرنے کے لئے وزیر داخلہ کی آمد

پریس سے پوشیدہ رکھی گئی تھی لیکن ممبران اسمبلی کو اعتماد میں لے کر اس سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ بصورت دیگر شاید حکومت اسمبلی کا کورم ہی پورا نہ کر پاتی۔ کیونکہ جو خوف و ہراس یہاں طاری تھا اس فضا میں کسی ممبر اسمبلی کے لئے اسمبلی اجلاس میں شرکت کرنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔

وہ بے چارے تو جیسے تیسے ممبران منتخب ہو گئے تھے لیکن اپنی رہائش گاہوں پر ان کے قیام کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا خوف کے مارے اکثر ممبران تو جموں یا دہلی میں ہی مستقل ٹھکانے بنا چکے تھے لیکن اس مرتبہ انہیں حکومت کی طرف سے بطور خاص تحفظات کے ساتھ اسمبلی اجلاس میں شمولیت پر مجبور کیا گیا تھا اور امید کی جا رہی تھی کہ مدتوں بعد کشمیر اسمبلی میں بھاری رونق دیکھنے کو ملے گی۔

آج دن کے گیارہ بجے اجلاس شروع ہوتا تھا.....!

وزیر داخلہ نے دہلی سے ایک خصوصی پرواز کے ذریعے سری نگر ہوائی اڈے تک آنا تھا جہاں سے ان کی بحفاظت اسمبلی ہال تک جانے اور خطاب کے بعد واپس آنے کے انتظامات مکمل تھے..... وزیر داخلہ کے سٹاف کو پروگرام کا علم تھا اس کے مطابق تیاریاں بھی جاری تھیں۔

ٹھیک 9 بجے وزیر داخلہ اپنے سیکرٹریٹ سے نکلنے کے لئے پر تول رہے تھے جب انہیں کچھ دیر انتظار کے لئے کہا گیا۔ وضاحت طلب کرنے پر بتایا گیا کہ جہاز میں معمولی سی خرابی آ گئی ہے جسے اگلے ایک گھنٹے تک ٹھیک کر لیا جائے گا۔

سری نگر سے دہلی تک جہاز ایک گھنٹہ میں آسانی سے پہنچ سکتا تھا اس لئے وزیر داخلہ سے سٹاف نے کچھ زیادہ تردد نہ کیا لیکن ایک گھنٹہ بعد انہیں مزید انتظار کرنے کی ہدایت ملی کیونکہ سری نگر ایئر ٹریفک کنٹرول نے بتایا تھا کہ لینڈنگ کے لئے موسم سازگار نہیں ہے گہرے بادلوں کی وجہ سے کچھ مشکلات پیش آ سکتی تھیں۔

اجلاس کی تیاری مکمل تھی اور سری نگر ایئر پورٹ سے وزیراعلیٰ مقبوضہ کشمیر کا رابطہ

قائم تھا انہیں پل پل کی خبر دی جارہی تھی۔ اچانک جب مزید انتظار کرنے کے لئے کہا گیا تو وہ کچھ پریشان ہوئے اور انہوں نے براہ راست دہلی سے رابطہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد خصوصی لائن پر وہ دہلی میں وزیر داخلہ سے بات کر رہے تھے۔

''شری مان یہاں تو ساری دنیا کا پریس آپ کا منتظر ہے''.....

انہوں نے چھٹتے ہی کہا۔

''آپ مطمئن رہیں شاید اے ٹی سی (ایئر کنٹرول ٹاور) کی طرف سے کچھ پرابلم آ رہی ہے جیسے ہی موسم لینڈنگ کے لئے سازگار ہوگا میں آوش (لازمی) پہنچتا ہوں''۔

انہوں نے منتری جی کو اطمینان دلایا۔

''اگر آپ کہیں تو ہم سیشن کچھ دیر سے شروع کروائیں''.....

چیف منسٹر نے خیال ظاہر کیا۔

''ارے نہیں مہاراج ایسا انیائے (ظلم) نہ کیجئے۔ یدھی ساری دنیا کا پریس باہر موجود ہے۔ دشمنوں کو غلط باتیں پھیلانے کا موقعہ ملے گا۔ آپ معمول کے مطابق اپنے سیشن شروع کریں.....''

وزیر داخلہ نے بدک کر کہا۔

''ٹھیک ہے شری مان جیسا آپ کا حکم.....لیکن پلیز زیادہ دیر نہ کیجئے .....''

چیف منسٹر نے قدرے بددلی سے فون رکھ دیا۔

''بزدل سالا.....'' وزیر داخلہ نے فون رکھ کر اسے گالی دی.....راج پاٹھ چلا نہیں سکتے بس شوق بہت ہے چیف منسٹری کا.....''

''مہاراج میں تو پہلے ہی بینتی کرتا آیا ہوں کہ وہاں گورنر راج نافذ کیجئے''۔

چیف سیکرٹری نے جو ان کے سامنے بیٹھا تھا دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''اور کیا ارے میرے بس میں ہو تو ان سالوں کو جیل میں بند کر دوں

ہمارے یہ مہاشے پی ایم صاحب ہیں.....خیر جانے دیجئے اس مسئلے کو.....ہاں کیا کہہ رہے تھے آپ''؟

انہوں نے اپنی زبان سے پھسلتے الفاظ کو اچانک تھام کر کہا۔

اور دونوں دوسرے امور پر باتیں کرنے لگے۔

☆O☆

چیف منسٹر نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے تھے.....

وہ نام کا مسلمان ضرور تھا لیکن اندر سے مکمل ہندو.....باپ دادا کے زمانے سے لوگ دہلی سرکار کی چاکری کرتے آ رہے تھے۔ اس کے باپ کے متعلق تو کئی کشمیری لوگ بڑی عجیب عجیب داستانیں سنایا کرتے تھے۔

داستانیں تو اس کی بھی بھارتی پریس میں بہت سی شائع ہو چکی تھیں لیکن اس نے کبھی ان باتوں کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اسے علم تھا کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی اس جیسا بے حیثیت اور لالچی وزیر اعلیٰ دہلی سرکار کو نہیں ملے گا گو کہ اس سے بڑے بڑے بے غیرت یہاں موجود تھے لیکن اس کی طرح دہلی کے درباری حلقوں تک ان کی رسائی ممکن ہی نہیں تھی۔

وزیر اعلیٰ صاحب کی بہن ایک ہندو صنعت کار سے بیاہی ہوئی تھیں اور شاہزادے نے ایک ہندو دوشیزہ سے ہندو رسومات کے مطابق بیاہ رچایا تھا۔ ان کے ہاں بڑے مذاہب میں شادی بیاہ معمول کی بات تھی۔ شاید ہی بھارت کی کوئی ایسی سرکار ہو جس سے ان کے عزیز و اقارب کے خصوصی تعلقات اس حوالے سے نہ رہے ہوں۔

وزیر اعلیٰ کا مستقل قیام دہلی میں رہتا تھا گو کہ انہیں اس سلسلے میں ''سکیورٹی'' کی خصوصی رعایت حاصل تھی کیونکہ اب تک ان پر دو خطرناک حملے ہو چکے تھے۔ یہ الگ بات کہ ایسے حملے عموماً ان اوقات میں ہوتے تھے جب وہ کسی جگہ یا تو پہنچنے والے ہوتے یا وہاں سے روانہ ہو چکے ہوتے ایسے حملوں کی خبروں کی الیکٹرانک اور نیوز میڈیا پر تشہیر کا خصوصی

اہتمام وزیراعلیٰ صاحب بذات خود دلچسپی لے کر فرمایا کرتے تھے۔

اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے اگر انہیں انسانیت کی سطح سے بھی گرنا پڑتا تو وہ قطعاً ہچکچاہٹ نہ کرتے۔ ان کی صاحبزادی کے ایک فلمی اداکار کے ساتھ معاشقے کی خبریں آئے روز اخبارات کی زینت بنا کرتی تھیں لیکن کبھی ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی تھی۔ دوسری صاحبزادی پہلے ہی سے شوبز میں موجود تھیں اور ممبئے کی فلم انڈسٹری میں انہیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ وزیراعلیٰ صاحب کو ماضی قریب میں شہرت حاصل کرنے کے بعد اب اپنی تیزی سے گرتی ساکھ سنبھالنے والی اداکاراؤں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا خاصا شوق تھا اور ان کی رنگین راتوں کے قصے زبان زد خاص و عام تھے۔ فلم انڈسٹری کی بوڑھی دوشیزائیں ان کی خاص مہمان بنا کرتی تھیں اور سری نگر میں ان کے آبائی گھر میں ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

وزیر داخلہ کی طرف سے اچانک پروگرام میں تاخیر کی اطلاع انہیں ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ پرانا گھاگ تھا اور کئی ایسی باتیں اس کے دماغ میں پہلے سے موجود رہتی تھیں جو ابھی دہلی کے شیطانی دماغ سوچ ہی رہے ہوتے تھے۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے اچانک فون اٹھایا اور آپریٹر سے کہا کہ ان کے سالے ڈائریکٹر محکمہ موسمیات سری نگر کے آفس میں رابطہ کروائے اور رابطہ بحال ہونے پر اس نے دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد موسم کے متعلق باتیں شروع کر دیں۔

اس کے سالے نے بتایا کہ موسم حیرت انگیز حد تک خوشگوار ہے اور تین ماہ بعد شاید یہ پہلا موقع آیا ہے جب سری نگر ایئرپورٹ سے معمول کی پروازیں بغیر کسی رکاوٹ کے آ جا رہی ہیں.....

وزیراعلیٰ نے یہ جواب سن کر دوبارہ ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرنے کے بعد فون رکھ دیا اور اب وہ اپنے خصوصی معاون اور رازدان سے مشاورت کر رہا تھا۔

''ضرور دال میں کچھ کالا ہے حضور''.....

معاون نے کہا۔

''ہاں میرا دل بھی یہی کہتا ہے لیکن کیا کیا جائے؟.....''

وزیراعلیٰ نے اپنی پریشانی بتائی۔

''میرے پاس ایک حل ہے اس مسئلے کا''.....

معاون کے شیطانی دماغ نے اسے نئی راہ سجھائی۔

''کیا''؟

وزیراعلیٰ نے پورا منہ کھول کر پوچھا۔

''سیشن کا آغاز کروا دیں حضور.....سپیکر صاحب تو موجود ہیں ناں..... وہاں اطلاع پہنچا دیں کہ آپ ایئرپورٹ سے وزیر داخلہ کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے.....''

معاون نے کہا تو وزیراعلیٰ کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ نمایاں ہوئی۔

''واہ بھئی واہ..... یار تم بندے کام کے ہو''.....

انہوں نے اپنے رازداں کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''حضور غلام کس کا ہوں.....''

معاون نے بے غیرتی سے دانتوں کی نمائش کی۔

''ٹھیک ہے تم سپیکر کو اطلاع پہنچا دو کہ گیارہ بجے سیشن شروع ہوگا۔ معمول کی کارروائی شروع ہونے کے کچھ دیر بعد تک ہم پہنچ جائیں گے۔ کہہ دینا کہ وہاں دہلی میں اہم میٹنگ کی وجہ سے وزیر داخلہ کو کچھ دیر ہو گئی ہے باقی سب ٹھیک ہے.....''

وزیراعلیٰ نے ہدایات جاری کیں۔

وزیراعلیٰ کی چھٹی حس نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے ورنہ وزیر داخلہ جیسا متعصب اور پاکستان دشمن شخص کبھی اس طرح حیل وحجت نہ کرتا

''جائیں بھاڑ میں سالے اگر انہیں کسی حملے کی اطلاع بھی ملی ہے تو بھی مجھے کیا بہت عقل مند سمجھتا ہے خود کو یہ کھتری کی اولاد مجھے قربانی کا بکرا بنانا چاہتا ہے

دیکھ لوں گا"۔

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

☆O☆

مقبوضہ کشمیر اسمبلی کا اجلاس تلاوت اور بندے ماترم کے ساتھ شروع ہو گیا.....

ممبران نے ابھی تک وزیراعلیٰ اور وزیر داخلہ کی غیر موجودگی کا نوٹس نہیں لیا تھا لیکن اجلاس شروع ہونے کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد تک بھی جب انہیں کوئی اطلاع نہ دی گئی تو ان کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا اور اب تو انہوں نے باقاعدہ کروٹیں بھی بدلنی شروع کر دی تھیں۔

اس کے بعد پوائنٹ آف آرڈر پر ایک ممبر نے کھڑے ہو کر وزیراعلیٰ کے خلاف تقریر شروع کر دی جس میں اسے بزدل اور غدار کہا گیا کہ اتنے اہم سیشن پر بھی وہ یہاں سے غائب ہے۔ ممبر کا کہنا تھا کہ وزیراعلیٰ خوفزدہ ہو کر دبلی بھاگ گیا ہے۔

اس اطلاع نے وہاں موجود ممبران میں تشویش کی لہر دوڑا دی اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اونچا اونچا بولنے لگے اور چلا چلا کر اسمبلی ہال پھلی بازار کا منظر پیش کرنے لگا۔ اسمبلی کے سپیکر نے انہیں یقین دلایا کہ وزیراعلیٰ تھوڑی دیر بعد وزیر داخلہ کے ساتھ آ رہے ہیں لیکن ممبران کا اصرار بڑھنے لگا جس پر سپیکر نے اجلاس کی کاروائی دو گھنٹے کے لئے مؤخر کر دی۔

ممبران اسمبلی نے کاروائی مؤخر ہونے کے اعلان کے ساتھ ہی اسی طرح باہر جانے والے دروازے کی طرف دوڑ لگائی جیسے اچانک سکول میں چھٹی کی گھنٹی بجنے پر بچے لگایا کرتے ہیں یا پھر جیسے انہیں کسی نے اسمبلی کی عمارت میں بم کی اطلاع دے دی ہو۔

اسمبلی کے دروازے پر اخبار نویسوں کا ہجوم ان کا منتظر تھا لیکن ہر ممبر اسمبلی ان کی نظروں سے بچ کر کیفے ٹیریا اور پارکنگ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

عین ان لمحات میں یہ بھاگ دوڑ جاری تھی۔ اچانک وہاں ایک جیپ آ کر رکی جس سے بی ایس ایف کی وردیاں پہنے لشکر جرار کے تین مجاہد برآمد ہوئے جنہوں نے اپنی

رائفلیں سیدھی کیں اور فائرنگ شروع کر دی۔

جہادی نعرے بلند کرتے وہ ہینڈ گرنیڈ پھینک رہے تھے اور فائرنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا تھا کہ فائرنگ سے غیر ملکی پریس کا کوئی نمائندہ زخمی نہ ہو۔ اخبارات کے فوٹو گرافر اور رپورٹرز کے ہاتھ ایک بڑا ایشو لگ گیا تھا انہوں نے اپنے کیمروں کا رخ اس سمت کر دیا۔

اسمبلی کی حفاظت پر مامور سکیورٹی فورسز کے لئے یہ حملہ اتنا اچانک اور بوکھلا دینے والا تھا کہ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے بجائے خود کو بچانے کے لئے کونوں کھدروں میں جگہ تلاش کرنے لگے لیکن بالآخر اپنی نوکریاں بچانے کے لئے انہوں نے اندھا دھند ہوا میں گولیاں چلانی شروع کر دیں کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ آخر کس پر گولی چلا رہے ہیں۔

حملہ آوروں نے دس منٹ تک یہاں اپنا سکہ جمائے رکھا۔ اس اثناء میں آرمی کے ٹرک کمانڈوز کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ کمانڈوز کو حفاظتی اقدامات کے پیش نظر حملہ آوروں سے دور اور اس سمت میں اتارا گیا تھا جہاں وہ حملہ آوروں کی گولیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ آرمی کے جوانوں نے جلد ہی صورت حال پر قابو پا لیا انہوں نے خودکار اسلحے سے فائرنگ شروع کی اور لشکر جرار کے حملہ آوروں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

حملہ آوروں کے بھاگنے کے بعد بھی کافی دیر تک خوفزدہ سکیورٹی فورسز کے جوان باہر نہ نکلے اور آرمی والوں نے انہیں گالیاں دے کر کونوں کھدروں سے باہر نکالا۔ حملے میں بیالیس ممبر اسمبلی تو کیا مرتا تین بے چارے چھوٹے ملازم اور دو راہگیر مارے گئے۔ ایک ممبر بھی زخمی ہو گیا۔

حملہ آوروں کے فرار کے قریباً آدھ گھنٹہ بعد وزیر داخلہ کا جہاز سری نگر ایئر پورٹ پر لینڈ ہوا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس واقعہ کے منتظر تھے اور وقوع پذیر ہونے کے بعد وہاں پہنچ کر ڈرامے کے باقی ایکٹ مکمل کرنا چاہتے تھے۔

وزیراعلیٰ کو حملے کی اطلاع اپنے گھر کے محفوظ کمرے میں جہاں وہ دہلی سے آئے ہی روز آئی ایک اداکارہ سے تبادلہ خیال کر رہے تھے' ملی تو ان کی ہوائیں اڑنے لگیں۔

ان کے خدشات سچ ثابت ہوئے تھے.....

معاون نے انہیں ایک مرتبہ پھر موت کے منہ میں جانے سے بچالیا تھا اور وہ یہ بات اچھی طرح جان گئے تھے کہ وزیر داخلہ کو اس حملے کی پیشگی اطلاع تھی یہ الگ بات کہ اس نے وزیراعلیٰ کو اعتماد میں نہیں لیا..... وہ لوگ اس حملے سے بے شمار فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن وہ ہی کیوں؟

وزیراعلیٰ نے سوچا..... میں کیوں نہیں؟

حملہ آوروں کے فرار ہونے کے بمشکل پندرہ منٹ بعد وہ بلٹ پروف کار میں بلیک کیٹس کمانڈوز کا جلوس لے کر پہنچ گیا۔

بلیک کیٹس Black Cats کمانڈوز نے اسے اس طرح اپنے نرغے میں لے رکھا تھا کہ بیک وقت چلنے والی درجنوں گولیوں میں سے کوئی گولی اس کے جسم کو نہ چھو پاتی۔ وزیراعلیٰ نے بڑے غصے اور جوش و خروش میں حملہ آوروں کے خلاف تقریر شروع کر دی۔ اس نے اپنے خوف اور چہرے کی زردی کو چھپانے کے لئے پانی کے دو تین گلاس پی لئے لیکن ابھی تک اس کا گلا خشک تھا۔

اخبار نویس وزیراعلیٰ پر امڈے چلے آئے تھے جب اچانک فوج کا جلوس لے کر مرکزی وزیر داخلہ وہاں پہنچ گیا اور اس نے عالمی پریس کے سامنے اس حملے کو پاکستانی جارحیت قرار دے کر پاکستان کے خلاف لاف گزاف شروع کر دی اس نے اخبار نویسوں کو بتایا تھا کہ حملہ آوروں کا پتہ لگ گیا ہے اور انہیں آئی ایس آئی نے خاص تربیت دے کر یہاں بھیجا تھا اس نے امریکہ سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر التجا کی تھی کہ وہ پاکستان کی دہشت گردی سے انہیں نجات دلائے۔

سارا پریس، وزیر داخلہ کی آمد پر وزیراعلیٰ کو چھوڑ کر اس کی طرف لپک رہا تھا۔ وزیر

اعلیٰ کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس بوڑھے کھوسٹ کا منہ نوچ لے لیکن اپنی اس خواہش کو ضبط کر کے اس نے بڑے تحمل اور بے شرمی سے وزیر داخلہ کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کی ایک گالی کے جواب میں پاکستان کو چار گالیاں دیتے ہوئے بعض ایسے جملے بھی کہہ دیئے جو متعصب وزیر داخلہ بھی شاید کبھی نہ کہہ پاتا۔

دونوں وہاں سے سیدھے ایئر پورٹ پہنچے اور وزیراعلیٰ قریباً زبردستی وزیر داخلہ کے ساتھ اسی جہاز میں دہلی بھاگ گیا جس میں وزیر داخلہ یہاں آیا تھا۔

دہلی ایئر پورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں اس نے وزیر داخلہ کی توقعات سے زیادہ بڑھ چڑھ کر پاکستان کے خلاف زبان درازی کی اور بھارتی حکومت سے اپیل کی کہ وہ مزید فوج مقبوضہ کشمیر میں بھیجے اور پاکستان پر فوراً حملہ کر کے اسے سبق سکھاوے۔

☆O☆

عین ان لمحات میں جب مقبوضہ کشمیر کا وزیراعلیٰ اور بھارتی سرکار کا وزیر داخلہ اس ڈرامے میں اپنی جاندار اداکاری سے سنسنی پیدا کر رہے تھے۔ لودھی روڈ کی ایک عمارت کے محفوظ کمرے میں مولانا قادری ڈائریکٹر آپریشن کے ساتھ "جام فتح" شیئر کر رہے تھے۔

ڈائریکٹر کے سامنے ان فیکس کے فوٹو سٹیٹ موجود تھے جن میں لشکر جرار کی طرف سے اس حملے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے بھارتی حکومت کو دھمکی دی گئی تھی کہ لشکر اب بھارت کے کونے کونے میں ان پر حملے کرے گا اور جب تک مقبوضہ کشمیر میں ایک بھی بھارتی فوجی باقی ہے حملوں کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

"ویل ڈن مولانا".....

ڈائریکٹر نے اپنے ہاتھوں وہسکی کا جام دوبارہ بھرتے ہوئے مولانا قادری کے لئے داد تحسین بلند کی۔

"حضور نوکر ہیں آپ کے..... آپ نے حکم دیا بندے نے تعمیل کر دی۔ بندے نے اس بات کا خصوصی اہتمام کیا ہے کہ لشکر جرار کی طرف سے ہر قابل ذکر غیر ملکی خبر رساں

ایجنسی کو اس حملے کی ذمہ داری کا لیٹر ضرور فیکس کیا جائے..... آپ تو جانتے ہی ہیں ہم اپنے دوستوں کو..... کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ ہم پر غلط الزام لگایا گیا ہے..... کوئی حجت باقی نہیں چھوڑی حضور ہم نے.....''

مولانا نے جام ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''مان گئے مولانا مان گئے..... کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ آپ کو میری جگہ ہونا چاہئے تھا۔''

ڈائریکٹر نے مولانا کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''ارے حضور ہم تو اب بھی خود کو آپ کی جگہ ہی محسوس کرتے ہیں''.....

مولانا مسکرائے۔

دونوں کی گفتگو کا سلسلہ فون کی گھنٹی کی آواز سے ٹوٹا.....

ڈائریکٹر آپریشن کو پی۔اے نے بتایا کہ دوسری طرف لائن پر وزیر داخلہ ہیں ہے۔

''یس سر''۔

اس نے فون پر ہی مؤدب ہوتے ہوئے کہا۔

''مبارک..... مبارک ہو بھئی..... بڑا زبردست معرکہ سر کیا ہے تم لوگوں نے

.....ویل ڈن..... ویل ڈن..... keep it up.....''

وزیر داخلہ کی خوشی کا اندازہ اس کی آواز سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

''تھینک یو سر! دھنواد سر..... سر مولانا صاحب تشریف فرما ہیں سب انہی کی مہربانی سے ہوا ہے سر''.....

اس نے چاہا اس مرحلے پر مولانا کے بھی نمبر بنا دے۔

''یار اس سالے کو زیادہ لفٹ نہ کرایا کرو..... یہ قابل اعتبار لوگ نہیں ہیں

وزیر داخلہ نے فون پر مولانا کو تین چار گالیاں دے کر کہا۔

''آپ مطمئن رہیں سر''.....

ڈائریکٹر کمال کا اداکار تھا۔ فون رکھ کر وہ مولانا سے مخاطب ہوا.....

''واہ حضور واہ..... کمال ہو گیا یہ تو..... منسٹر صاحب تو آپ کے ہم سے بھی زیادہ مداح نکلے..... ارے مولانا کہاں نہیں ہیں آپ کے چاہنے والے.....''

''بھئی ذرہ نوازی ہے ان کی..... بس آپ کل شام تک لائسنس دلوا دیجئے مہربانی..... پرسوں رات کی فلائیٹ سے واپس جانا ہے مجھے..... وہاں امریکہ میں کام کا ہرج ہو رہا ہے''.....

مولانا نے انکساری سے اپنا کام بھی یاد دلا دیا۔

''حکم کی تعمیل ہو گی حضور''.....

ڈائریکٹر نے اسے خوش کرتے ہوئے کہا۔

☆O☆

ہنگامی میٹنگ

''ڈیم اٹ''.....

غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے بریگیڈیئر جہانزیب نے فون کریڈل پر رکھا تھا۔

ان کے وہم وگمان میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ان حالات میں کسی مجاہد تنظیم کی طرف سے اس طرح کی جہالت کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ دنیا بھر کے چینل بھارتی حکومت کی زبان بول رہے تھے خصوصاً یورپی چینلز سے جو گزشتہ دنوں سے لیزا مارٹن کے اغوا کی خبریں بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے تھے اب مقبوضہ کشمیر اسمبلی پر حملے کو بھی اپنا موضوع بنالیا تھا۔ بھارتی وزیر داخلہ اور مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ کی طرف سے پاکستان کے خلاف دیئے گئے بیانات کو بار بار دکھایا اور دہرایا جارہا تھا.....

مقبوضہ کشمیر اسمبلی پر حملے کے ساتھ ہی دنیا بھر میں موجود بھارتی ڈپلومیٹ ایکٹو ہو گئے تھے.....خصوصاً امریکہ اور لندن میں موجود بھارتی لابی نے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ پراپیگنڈہ کی توپوں کا رخ پاکستان کی طرف کر دیا تھا۔ حالات پر پاکستان کی گرفت

کمزور پڑنے لگی تھی۔ امریکن حکومت نے فی الحال اس مسئلے پر ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی اپنائی ہوئی تھی.....

افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی بھرپور مدد کو امریکن اس مرحلے پر نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ پاکستان کی مدد کے بغیر امریکن کبھی افغانستان کی سرزمین پر پاؤں نہیں رکھ سکتے تھے۔

لیکن.....دہشت گردوں کے خلاف امریکہ کی تازہ مہم اس بات کی متقاضی تھی کہ مقبوضہ کشمیر اسمبلی پر ہونے والے اس حملے کا امریکہ نوٹس لے جس کو بھارتی اپنی سالمیت پر حملہ قرار دے رہے تھے۔ بھارتی فوجیں پاکستانی سرحدوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

سی آئی اے کے سیٹلائیٹ صدر امریکہ کو بھارتی افواج کی نقل وحرکت کے ایک ایک لمحے سے خبردار کر رہے تھے اور امریکن جانتے تھے کہ پاکستان کبھی بھارتی فوج کی جارحیت نظر انداز نہیں کرے گا پاکستان کو بھی جواباً اپنے دفاع کے لئے افواج کو سرحدوں پر لگانا پڑے گا جس سے پاکستان کے لئے امریکہ کی موثر امداد ممکن نہیں رہے گی۔

امریکنوں کے لئے یہ بات باعث تشویش تھی کہ پاکستانی فوج کا ایک ڈویژن جو شمالی سرحدوں پر موجود ہے اپنی ہنگامی ذمہ داریوں کے لئے اسے مغربی سرحد کی طرف کوچ کرنا پڑے گا۔ انہوں نے اس مسئلے کو بہت سنجیدگی سے لیا تھا اور بے شمار مصلحتوں کے باوجود پاکستان پر مسلسل دباؤ بڑھا رہے تھے کہ وہ اس واقعہ کے ذمہ داروں کے خلاف سخت نوٹس لے اور آئندہ سے ایسے واقعات کو روکنے کی کوشش کرے۔

پاکستانی انٹیلیجنس کیلئے پریشانی سے زیادہ حیرانگی کی بات یہ تھی کہ مقبوضہ کشمیر میں جو کچھ ہوا وہ ان کے علم میں ہی نہیں تھا۔

بریگیڈیئر جہانزیب جو انٹیلی جنس میں اسی سیل کے انچارج تھے حملے کے بعد سے مسلسل اعلیٰ حکام کے سامنے اپنی صفائی پیش کر رہے تھے۔

''اس سازش کو فوراً بے نقاب ہونا چاہئے بریگیڈیئر صاحب''.....

جنرل صاحب نے ان سے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا اور اب بریگیڈیئر جہانزیب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہنگامی میٹنگ میں صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے اپنا کاؤنٹر (Counter) سسٹم اتنا مضبوط بنا رکھا تھا کہ اس میں کہیں سے نقب لگانے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

لیکن.....اس واردات نے انہیں اپنے سسٹم کی کمزوری کا احساس دلا دیا تھا۔ ان کے سامنے ایک ایک لمحے کی تفصیلات آ رہی تھیں۔ حملے سے وزیر داخلہ کی آمد اور پریس کانفرنس تک کے اہم واقعات.....

مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کے نیٹ ورک سے حاصل کردہ معلومات.....

پاکستان میں موجود مجاہد تنظیموں میں اپنے ''سورسز'' سے حاصل کردہ معلومات.....

اور وہ سب ممکنہ ذرائع جن سے انہیں اطلاعات مل سکتی تھیں سے معلومات حاصل کر رہے تھے۔

انہوں نے حاصل کردہ جزئیات کو جمع کیا اور صبح سے رات کے آخری پہر تک مسلسل غور و خوض کے بعد ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔

''Trap''.....

بریگیڈیئر جہانزیب نے حتمی فیصلہ سنا دیا۔

''لیکن یہ کچھ غیر متوقع نہیں تھا سر! اس کی امید تو ہم کر رہے تے۔ اس بین الاقوامی صورت حال میں چھلانگ نہ لگانا کیسے ممکن تھا..... یہ دوسرا حملہ ہے جو ان کی طرف سے ہوا ہے.....''

کرنل عارف نے اپنی رائے دی۔

''اگر آپ برا نہ منائیں سر تو عرض کروں کہ ہمارے Defensive ہونے کی وجہ سے وہ اتنی جارحیت کر رہے ہیں''۔

کرنل خان نے اپنی بے لاگ رائے پیش کی۔

''اس کھیل میں آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے کرنل.....لیکن ہم انہیں اپنی مرضی کے میدان میں کھیلنے نہیں دیں گے.....کمانڈر عابد کاشمیری سے میری میٹنگ فوراً ارینج کرو''.....

بریگیڈیئر جہانزیب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''یس سر''.....

کرنل خان بولے.....

میٹنگ فی الوقت برخاست ہو گئی تھی لیکن ان لوگوں نے ''ایمرجنسی کرائسس کنٹرول سنٹر'' بنا لیا تھا اور اب وہ دشمن کی کسی بھی اوچھی حرکت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے تیار تھے۔

☆O☆

کمانڈر عابد کاشمیری کے لئے بریگیڈیئر جہانزیب سے ملاقات کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ وہ کسی بھی ممکنہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا.....شام کو ملاقات کا وقت طے ہوا تھا تب تک اسے اپنے ساتھیوں سے مشاورت کا موقعہ حاصل تھا۔

کمانڈر عابد کاشمیری نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور بریگیڈیئر جہانزیب سے ممکنہ ملاقات کے لئے اپنے ذہن میں ایک پلان بنا لیا.....ان کے لئے سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ لشکر کی طرف سے ساری دنیا کی خبر رساں ایجنسیوں کو کس نے بیانات جاری کئے انہوں نے تو صرف بھارت کی ایک ایجنسی کو بیان فیکس کیا تھا۔

''کمانڈر صاحب مجھے تو دال میں کچھ کالا دکھائی دیتا ہے''.....

ان کے قریبی ساتھی نے عندیہ ظاہر کیا۔

''لیکن اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ ہم نے ایکشن کیا.....اس کی ذمہ داری بھی لے رہے ہیں.....''

کمانڈر عابد کاشمیری نے کہا۔

''لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کمانڈر صاحب کہ آخر امریکہ لندن پیرس اور دوبئی سے ہماری جانب سے کس نے بیانات جاری کئے.....''

ان کے ساتھی نے اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے کہا۔

''کمانڈر صاحب سوچ میں پڑ گئے.....!!

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

انہوں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔

''خدا کرے میں جو سوچ رہا ہوں ایسا نہ ہو لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کمانڈر صاحب جیسے ہمیں کسی نے بے خبر رکھ کر استعمال کر لیا ہے.....''

کمانڈر صاحب نے ان کی طرف قدرے پریشانی سے دیکھا۔ کمانڈر عثمانی بڑے مخلص اور جانثار تھے اور ان کی طرف سے آج تک کبھی اس طرح کی بات نہیں کہی گئی تھی..... مولانا قادری کے ساتھ ہونے والی مشاورت میں سوئے اتفاق سے کمانڈر عثمانی شامل نہیں تھے۔

''خدانخواستہ اگر ایسا ہو گیا ہے تو.....''

کمانڈر عابد کاشمیری نے بات نامکمل چھوڑ دی وہ گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''بہر حال ہماری نیتوں کا اخلاص اللہ تعالیٰ پر ظاہر ہے..... اگر لاعلمی میں ہم نے کوئی غلط قدم اٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں۔''

کمانڈر عثمانی نے انہیں زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا پریشان دیکھا تھا۔ انہوں نے کمانڈر عثمانی کی بات کا جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی تھی اب انہیں اس بات کی سمجھ آ گئی تھی کہ بریگیڈیئر جہانزیب نے انہیں ملاقات کے لئے کیوں طلب کیا ہے۔

☆O☆

کمانڈر کاشمیری اس وقت بریگیڈیئر جہانزیب اور کرنل خان کے سامنے بیٹھے اپنے اس ایکشن کی وضاحت کر رہے تھے انہوں نے باالکم و کاست ساری کہانی دہرا دی

بنکہ اب وہ اپنے ضمیر پر کسی بھی قسم کا بوجھ رکھنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

''آپ مولانا قادری کو کب سے جانتے ہیں''؟

کرنل خان نے پوچھا۔

''گزشتہ تین برس سے وہ ہمارے لئے کام کر رہے ہیں''.....

کمانڈر صاحب نے کہا۔

''کمانڈر صاحب آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے آپ کو اب تک کتنا نقصان پہنچایا ہے''۔

بریگیڈیئر جہانزیب نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا''؟

کمانڈر صاحب کو سمجھ تو آ گئی تھی لیکن وہ مطمئن ہونا چاہتے تھے۔

''یہی ہیں ناں آپ کے مولانا قادری صاحب''.....

کرنل خان نے ایک تصویر ان کی طرف بڑھائی۔

''جی ہاں.....''

کمانڈر صاحب کو حیرانگی ہوئی کہ یہ تصویر ان لوگوں تک کیسے پہنچ گئی انہوں نے تو آج تک مولانا قادری کی ہدایت پر ان کی آمد یا روانگی کی ہوا بھی کسی ایجنسی کو نہیں لگنے دی تھی۔

''کمانڈر صاحب یہ شخص ''را'' کا ایجنٹ ہے ..... امریکہ میں گزشتہ تین سال سے ان کے لئے کام کر رہا ہے اور اپنا آخری کارنامہ آپ کے ہاتھوں انجام دلانے کے بعد سب اپنا بوریا بستر سمیٹ کر کسی دوسرے یورپی ملک کی طرف کوچ کر گیا ہے..... افسوس آپ نے ہمیں اس شخص کے متعلق کچھ نہیں بتایا..... ہمیں بھی اس کی اصلیت کا علم دو ماہ پہلے ہی ہوا تھا اور اس کی کارروائیوں کو مانیٹر کر رہے تھے.....''

بریگیڈیئر جہانزیب کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ کسی نیزے کی انی کی طرح

کمانڈر صاحب کو اپنے سینے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح کی پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں آپ جانتے ہیں ہم نے کبھی ایسا کام نہیں کیا جس سے ہمارے مہمانوں کو پریشانی لاحق ہو..... بہرحال یہ بہت بڑی زیادتی ہوگئی۔''

کمانڈر صاحب بہت شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔

دونوں غصے سے کمانڈر عابد کاشمیری کی طرف دیکھ رہے تھے..... انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس شخص کو کیا کہیں جس کے کردار پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن جو اپنی سادگی کی وجہ سے آج ملک کی سلامتی کے لئے مسئلہ بن گیا تھا.....

کمانڈر عابد کاشمیری جب یہاں سے رخصت ہو کر اپنے مرکز پر پہنچے تو پولیس ان کے استقبال کو موجود تھی۔

پولیس آفیسر نے انہیں عدالتی حکم نامہ دکھایا جس کے مطابق انہیں تین ماہ کے لئے نظر بند کیا جا رہا تھا۔ اس روز لشکر جرار پر پابندی عائد کر دی گئی پاکستانی حکومت نے اس اقدام کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف اپنے موقف کا اعادہ کیا اور وزارت خارجہ کے ترجمان کی طرف سے ہونے والی ہنگامی پریس کانفرنس میں عالمی پریس کے نمائندوں کو بتایا گیا کہ یہ حملہ ''را'' کی سازش تھی جس کا مقصد پاکستان کو بدنام کر کے اپنا الو سیدھا کرنا تھا۔

☆O☆

پیرزادہ اپنی ایک محفوظ پناہ گاہ پر صورت حال کا سنجیدگی سے جائزہ لے رہا تھا۔

لیزا مارٹن کے اغوا میں اس کو مرکزی ملزم گردان کر بھارتی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا اور ابھی اس حوالے سے پاکستان پر الزامات کی بارش ہو ہی رہی تھی جب اچانک مقبوضہ کشمیر اسمبلی پر حملہ کی لشکر جرار نے ذمہ داری قبول کر کے جلتی پر تیل پھینک دیا۔

اس مرحلے پر اس کا خاموش بیٹھے رہنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے تمام خطرات

بالائے طاق رکھ کر اب منظر عام پر آنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ اپنی اور اپنے ملک کی پوزیشن اپنی حد تک ضرور صاف کر سکے۔

اپنے اس فیصلے سے اس نے جب اپنے مریدوں کو آگاہ کیا تو انہوں نے اپنی تمام توجہ اس طرف مبذول کر دی کہ پیرزادہ کو گرفتاری کے ساتھ ہی کہیں ایف بی آئی کے حوالے نہ کر دیا جائے اور وہ اسے اٹھا کر گیوبا کے عقوبت خانے میں پہنچا دیں کیونکہ اس وقت حالات ایسے تھے کہ کوئی کسی کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔

اپنے مرشد کے فیصلے سے آگاہ ہونے کے بعد اس کے مریدوں نے اس گرفتاری کے قانونی پہلوؤں کا جائزہ لیا اور پیرزادہ کے مرید معروف وکیل جنجوعہ صاحب نے ایسے قانونی اہتمام کی تیاری شروع کی جن کی مدد سے وہ پیرزادہ کو امریکہ کے خونیں شکنجے سے بچا سکیں۔

آج وہ دن آ گیا تھا جب پیرزادہ نے اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے مرید اپنے پیر کو خصوصی اہتمام کے ساتھ ڈی آئی جی کے آفس لے گئے جہاں پہلے سے اخبار والے موجود تھے۔

پیرزادہ ڈرامائی انداز میں اپنے وکیل جنجوعہ صاحب کے ساتھ نمودار ہوا اس نے اخبار نویسوں میں پہلے سے ٹائپ شدہ ایک بیان تقسیم کیا جس میں انہیں اپنے ماضی کے حوالے سے باخبر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ کچھ ایجنسیاں اس کے امریکی مسلمانوں خصوصاً یا نام مسلمانوں میں اثر رسوخ کی وجہ سے اس سے عناد رکھتی ہیں اور اس کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش اس حوالے سے تیار کرتی رہتی ہیں۔ لیزا مارٹن کے اغوا میں اسے ملوث کرنا بھی اسی سازش کا حصہ ہے۔ اس نے لیزا مارٹن کی انٹرویو کی خواہش کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ ابھی تک دونوں کی باقاعدہ ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔

پولیس کو جب پریس کانفرنس کی اطلاع ملی تو اس نے گھیرا ڈال کر پیرزادہ کو پکڑ لیا۔ اس مرحلے پر جنجوعہ صاحب نے عدالتی حکم نامہ پیش کر دیا جس میں عدالت نے پولیس کو

حکم جاری کیا تھا کہ پیرزادہ کو عدالت کے علم میں لائے بغیر امریکہ کے حوالے نہ کیا جائے۔

☆O☆

وزیر داخلہ جانکی داس اور وزیر خارجہ ادوھے شیام بڑے ہنگامی دورے پر امریکہ پہنچے تھے۔ دونوں اس وقت سیکرٹری آف سٹیٹ سے ہنگامی ملاقات کر رہے تھے۔ دونوں کے ساتھ آئے وفد میں موجود ''را'' کا ڈائریکٹر کاؤنٹر انٹیلی جنس اپنے ایک ماتحت کے ساتھ موجود تھا جبکہ دوسری طرف سیکرٹری آف سٹیٹ کے ساتھ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے نمائندے بیٹھے تھے۔

یہ خصوصی میٹنگ بھارتی حکومت کی درخواست پر بلائی گئی تھی جہاں ادوھے شیام اور جانکی داس نے پہلے ایک طویل تقریر باری باری پاکستان کی بھارت کے خلاف معاندانہ کاروائیوں کے ضمن میں کی۔

ان کی تقاریر کی طوالت سے وہاں موجود تمام معزز ارکان مجلس خاصے بور ہو رہے تھے لیکن دونوں کو اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں تھی انہیں اپنا تعصب بھرپور طریقے سے نکالنے اور پاکستان کے خلاف جی بھر کے زہر اگلنے کا ایسا نادر موقعہ پھر کب میسر آ سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے دونوں خاموش ہوئے تو امریکی وفد نے قدرے سکھ کا سانس لیا۔

''شری مان سیکرٹری آف سٹیٹ اب ہم آپ کی خدمت میں ان کی دہشت گردی کا تازہ ترین ثبوت پیش کرتے ہیں۔''

جانکی داس نے اپنی زبان ہونٹوں پر پھیرنے کے بعد اپنی سانپ ایسی تیکھی نظروں سے ''را'' کے ڈائریکٹر کاؤنٹر انٹیلی جنس کی طرف دیکھا جس نے اپنے بریف کیس سے تین ایک ہی طرح کی فائلیں نکالیں اور انہیں سی آئی اے ایف بی آئی کے ڈائریکٹرز اور سیکرٹری آف سٹیٹ کے سامنے رکھ دیا۔

تینوں نے فائلوں کا مطالعہ شروع کیا اس دوران ان کی طرف سے ہونے والے مختلف سوالات کے جوابات انہیں ڈائریکٹر کاؤنٹر انٹیلی جنس (سی آئی) کی طرف سے مل

رہے تھے۔

تینوں کے فائلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ڈائریکٹر (سی آئی) اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور اس نے بریفنگ کا آغاز کیا۔

اس بریفنگ میں اس نے پاکستان کی طرف سے ہونے والی مبینہ دہشت گردی کی تفصیلات بالکل اسی انداز میں بیان کرنا شروع کیں جس طرح اس سے پہلے جانکی داس اور ادوھے شیام بیان کر چکے تھے۔

امریکی سی آئی اے کا ڈائریکٹر باقی وفد کے ارکان کے برعکس کچھ زیادہ ہی بددلی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جسے بطور خاص ''را'' کے ڈائریکٹر (سی آئی) نے نوٹ بھی کیا لیکن اسے یہاں صرف اپنی وہ ڈیوٹی ادا کرنی تھی جس کے لئے اسے امریکہ جہاز پر سوار کر کے لایا گیا تھا۔

''سیکرٹری صاحب ہم پر فوج کا دباؤ بہت بڑھ گیا ہے خصوصاً نوجوان آفیسرز میں سخت بے چینی پائی جاتی ہے..... جتنا الگ سے ہماری جان کو آ رہی ہے اور ہم بڑے دکھی دل کے ساتھ آپ کو مطلع کر رہے ہیں کہ اب ہمارے لئے صبر کرنا ممکن نہیں رہا خصوصاً اسمبلی پر حملے کے بعد سے ہم بے حد مجبور ہو گئے ہیں''.....

ادوھے شیام نے بین السطور میں انہیں اپنے عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے شاید امریکیوں کی آشیرواد طلب کی تھی۔

''جی ہاں..... ہمارے لئے دہشت گردوں کے ٹھکانوں پر حملہ ناگزیر ہو چکا ہے''.....

جانکی داس بولا۔

''معزز منسٹر صاحبان شاید پریذیڈنٹ اس بات کو پسند نہ کریں۔ ہماری آپ سے یہی درخواست ہو گی کہ آپ صبر سے کام لیں اور دونوں اطراف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے اس خطے میں ایک نہ ختم ہونے والی تباہی کا آغاز ہو جائے۔''

سیکرٹری نے انہیں سمجھایا۔

''لیکن ہمارے لئے یہ ناممکن ہے شری مان''.....

جانکی داس کے لئے خود پر قابو پانا ناممکن ہو رہا تھا۔

''آپ آخر کس بنیاد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں''.....

سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے بالآخر فائل بند کرتے ہوئے زبان کھولی۔

''جناب والا کشمیر اسمبلی پر ان لوگوں کا حملہ.....''

اودھے شیام نے کچھ کہنا چاہا لیکن ڈائریکٹر سی آئی اے نے اس کی بات ہاتھ کے اشارے سے کاٹتے ہوئے اسے صبر کی تلقین کی اور اپنا بریف کیس کھولنے لگا۔

بریف کیس سے ایک سرخ رنگ کی فائل اس نے نکالی جس پر بڑے بڑے کالے حروف میں ''ٹاپ سیکرٹ'' لکھا تھا۔ یہ فائل اس نے ''را'' کے ڈائریکٹر (سی آئی) کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر داس پاکستانی اتھارٹیز ہم سے اس شخص مولانا قادری کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہی ہے۔ جو امریکن سٹیزن ہے لیکن گزشتہ ہفتے سے اپنا کاروبار سمیٹ کر پیرس منتقل ہو چکا ہے.....آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں ناں.....''

''را'' کے ڈائریکٹر (سی آئی) کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لئے تو فق ہو گیا لیکن فوراً ہی وہ سنبھل گیا اس نے کنائے سے جانکی داس کی طرف دیکھا جو اس کے دائیں ہاتھ بیٹھا تھا پھر اس کی نظریں ایک لمحے کے لئے اودھے شیام سے ٹکرائیں اور دونوں کے منہ لٹک گئے۔

تینوں نے دل ہی دل میں آئی ایس آئی کو گالیاں دیں اور ان کے بولنے کا انداز بدل گیا۔

''دیکھئے مہاراج یہ سب ان لوگوں کا جھوٹا پراپیگنڈہ ہے۔ اسی طرح یہ اپنے ہر غلط ایکشن کا جواز تلاش کر لیتے ہیں.....''

اودھے شیام نے انگریزی بگھارنی شروع کی۔

''عزت مآب منسٹر صاحب میرا سوال اپنی جگہ قائم ہے۔ کیا آپ اس شخص کی گرفتاری کی اجازت دیں گے''؟

سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا اور اودھے شیام کھسیانا ہو کر جانکی داس کی طرف دیکھنے لگا۔

اگلے چند منٹ میں محفل کا رنگ ہی بدل گیا۔

فریقین انتہائی منافقت سے ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے خالص ڈپلومیٹک زبان بولنی شروع کر دی اور اگلے بیس منٹ بعد وہ میٹنگ ختم کر کے باہر آ گئے جہاں اخبار نویسوں کے ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے سیکرٹری آف سٹیٹ نے کہا کہ امریکی حکومت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ پاکستان اور بھارت اچھے ہمسایوں کی طرح رہیں۔ پاکستانی حکومت دہشت گردی کے خلاف امریکہ کا ساتھ دے رہی ہے اور پاکستانی وزیراعظم جو بہت لبرل ہیں انتہا پسندی کے خلاف بڑے سخت اقدامات کر رہے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ وہ انتہا پسندوں کو ختم کرنے کا اپنا مشن جاری رکھیں گے اور بھارت میں مداخلت کرنے والے دہشت گردوں کو کنٹرول کریں گے''.....

یہ ایک ''روٹین سٹیٹ منٹ'' تھی.....!

جانکی داس کے اشارے پر بھارت سے ان کے وفد کے ساتھ آئے دو اخبار نویسوں نے سیکرٹری آف سٹیٹ سے پاکستانی جارحیت اور کشمیر اسمبلی پر حملے کے حوالے سے دو تین تند و تیز سوالات کر دیئے۔ ایسے بے ہودہ سوالات پر عام قسم کے سرکاری افسر کو بھی غصہ آ سکتا تھا لیکن ان کی توقعات کے بالکل برعکس سیکرٹری آف سٹیٹ نے مسکراتے ہوئے ان کے سوالات ٹال دیئے اور پریس کانفرنس ختم کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

''میں نے تو عرض کیا تھا شری مان کہ مکمل ہوم ورک کے بغیر جانا مناسب نہیں.....''

میٹنگ کے خاتمے پر اپنے ہوٹل پہنچتے ہی اس کے سیکرٹری نے کہا۔

''ارے بھاڑ میں گیا تمہارا ہنیم ورک..... ذلیل کروا کے رکھ دیا''.....

جانکی داس پھٹ پڑا۔

''مسٹر داس مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی ایجنسی نے ہمیں ہمیشہ رسوا ہی کروایا ہے.....''

اودھے شیام نے بھی دل کی بھڑاس نکالی۔

''اور یہ سالے الو کے پٹھے اخبار والے حکومت کے خرچ پر گلچھرے اڑاتے پھر رہے ہیں ایک فقرہ تو اس سے پاکستان کے خلاف کہلوا نہیں سکے..... میرے بس میں ہو تو انہیں جہاز سے دھکا دے کر سمندر میں پھینکوا دوں..... نان سنس''.....

جانکی داس نے داس کی طرف دیکھ کر اخبار نویسوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں جو بھارت سے حکومت کے خرچ پر آئے تھے اور کچھ نہیں کر پائے.....

''ان کا انتخاب ہم نے نہیں شری مان..... بی بی آئی والوں نے کیا تھا.....'' داس نے اپنی صفائی پیش کی۔

''وہ بھی گدھے ہیں سالے''.....

جانکی داس کا غصہ بے قابو ہو رہا تھا اور داس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کا ٹینٹوا دبا دے۔

☆O☆

دونوں انڈین ہائی کمیشن میں موجود تھے.....

شرما نے گیتا کو ہوٹل ہی میں بتا دیا تھا کہ خصوصاً وہ یہاں کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس نے گیتا سے کہا تھا کہ پاکستانی بہت چالاک ہیں ایک لمحے کے لئے ان پر سے نظر نہیں اٹھاتے عین ممکن ہے کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ کیمرہ ان کی حرکات و سکنات کو نوٹ کر رہا ہو..... لیکن وہاں ہائی کمیشن میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے.....

گیتا اس سونے کی چڑیا کو ہاتھ سے کھونے کے لئے تیار نہیں تھی حالانکہ ابھی تک اس کا ذہن اس نوجوان ویٹر میں الجھا ہوا تھا جس نے اسے اپنا فون نمبر دیا تھا اور جس سے وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہونے لگی تھی۔

''کوئی سگریٹ وغیرہ کا بندوبست بھی کیا ہے یا نہیں''.....

صبح شرما کے پہلو سے اٹھنے کے بعد اس نے طویل انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''اوہ آئی ایم سوری..... ہنی آئی ایم ویری سوری۔ دراصل وہ ہمارا چوکیدار جو کبھی کبھی مجھے چرس لا کر دیا کرتا تھا گزشتہ چھ سات روز سے غائب ہے۔ خدا جانے کہاں مر گیا''.....

شرما کو غصہ آنے لگا تھا۔

اس کی محبوبہ نے اس سے چرس کے سگریٹ کی فرمائش کی تھی اور وہ پوری کرنے سے قاصر تھا۔

''اوہ شرما.....'' گیتا نے قریباً چیخ کر کہا..... ''تمہیں علم تھا کہ میں آ رہی ہوں اور تم نے.....''

اس نے غصے سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہنی..... پلیز برا مت ماننا..... یہاں اپنے سیکورٹی انچارج نے تو ہمارے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگا رکھی ہے..... ایجنسیوں کے لوگ سائے کی طرح ہمارے پیچھے لگے ہیں۔ ناگزیر ضرورت کے بغیر ہم گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے.....''

شرما واقعی شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

''آل رائیٹ..... اٹس او۔ کے (It's O.K) میں کر لوں گی بندوبست۔ مجھ پر تو ایسی کوئی پابندی نہیں..... شکر ہے بھگوان کا میں نے تمہارے کہنے میں آ کر فارن سروسز جوائن نہیں کر لی.....''

گیتا نے اس کی بے بسی کا احساس کر لیا تھا۔

"لیکن ..... تم کیسے کرو گی ڈارلنگ ..... تم بھی انڈر آبزرویشن (Under Observation) ہوگی....."

شرما نے اسے محتاط رہنے کی تلقین کی۔

"اوہو..... شرما یار مجھے نہ ڈرایا کرو ان باتوں سے..... بھئی میں آزاد پنچھی ہوں..... کرنے دو میری نگرانی انہیں چرس پینے کے الزام میں تو وہ گدھے مجھے گرفتار نہیں کریں گے..... میں کوئی اپنے ساتھ تو نہیں لے جا رہی ناں..... اور وہ اپنا ویٹر شیرازی کس دن کام آئے گا....."

اس نے آخری فقرہ قدرے مسکراتے ہوئے شرما سے کہا تھا۔

"بڑی خطرناک شے ہو تم....."

شرما نے اس کی کمر کو سہلاتے ہوئے کہا۔

وہ تو ہے....."

گیتا نے پلنگ پر بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگایا اور لمبا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں اڑانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ہوٹل کی طرف جا رہی تھی.....!

جیسے ہی ہائی کمیشن سے وہ کار میں برآمد ہوئی۔ انسپکٹر ملک نے جو کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان موٹر سائیکل کھڑی کیے اس کا منتظر تھا اپنے موبائل فون سے کیپٹن راحیل کو مطلع کیا اور موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے نیچے آ گیا۔

گیتا کی گاڑی کا دو گاڑیاں اور ایک موٹر سائیکل تعاقب کر رہے تھے لیکن ہائی کمیشن کے ہوشیار ڈرائیور کو ان میں سے کسی پر شک نہیں ہوا تھا۔

"سالا ایسے ہی پھنکتار ہتا ہے....."

اس نے ہوٹل پارکنگ سے ڈرائیور کو واپس جانے کی ہدایت کرتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

ہائی کمیشن سے یہاں تک وہ بطور خاص گاڑی کے شیشوں سے اس بات کا جائزہ لیتی آئی تھی کہ کہیں کوئی گاڑی ان کا تعاقب تو نہیں کر رہی۔ اسے ایسی کوئی کار دکھائی نہیں دی تھی جس نے ہائی کمیشن سے یہاں ہوٹل تک ان کا پیچھا کیا ہو.....

اپنے کمرے میں آ کر وہ کمر کے بل بستر پر گری اور گہرے گہرے سانس لینے لگی.....

اسے اپنے اس دورے کو ہر ممکن طریقے سے کارآمد بنانا تھا۔ پیرزادہ کی سٹوری نے اسے آسمان صحافت کا درخشندہ ستارہ بنا دیا تھا اور اس کا چینل اس سے ایک آدھ ایسی ہی سٹوری کی مسلسل ڈیمانڈ کر رہا تھا۔

"کرتی ہوں کچھ....."

اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے کہا اور فون پر بارٹنڈر شیرازی کا نمبر ملانے لگی۔

☆O☆

راحیل کے موبائل کی گھنٹی بجی اور سکرین پر ہوٹل کا نمبر آیا تو اس کا دل ایک مرتبہ معمول سے زیادہ زور سے دھڑکا تھا۔

"یس"....

اس نے بڑے مہذب انداز میں کہا۔

"میں ہوں گیتا پاٹھک"....

دوسری طرف سے اسے حسب توقع آواز سنائی دی تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"اوہ میڈم آپ..... مائی پلیئر۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ مجھے آپ کا فون سن کتنی خوشی ہو رہی ہے"....

اس نے ذہنی طور پر خود کو مکمل چوکس کر لیا تھا۔

"کیسے ہو تم....."

گیتا نے لہجہ قدرے شوخ کر لیا تھا۔

''جی ایک دم شاندار..... بلکہ اب تو بہت ہی شاندار''.....

اس نے بظاہر جوش وخروش سے کہا۔

''ایک کام تھا تم سے''.....

گیتا نے قدرے جھجک سے کہا۔

''میری خوش قسمتی ہے میڈم آپ کے کسی کام آسکوں پلیز! پلیز!''

راحیل واقعی خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

''تم یہاں ہوٹل نہیں آسکتے کیا؟''

گیتا نے کچھ سوچ کر کہا۔

''کیوں نہیں' کیوں نہیں میڈم..... ابھی آیا..... آپ اپنے کمرے ہی میں ہیں ناں''.....

''ہاں..... کتنی دیر تک پہنچو گے''.....

گیتا نے سامنے دیوار سے چپکی گھڑی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''دس منٹ میں میڈم..... دس منٹ میں.....''

راحیل نے کہا حالانکہ وہ ہوٹل کے ساتھ والی بلڈنگ میں موجود تھا۔

''او۔ کے۔ میں انتظار کر رہی ہوں''.....

گیتا نے فون رکھ دیا۔

دس منٹ بعد وہ گیتا کے کمرے کے باہر دستک دے رہا تھا.....!

''زبردست بھئی تم تو کمال کے آدمی ہو..... دس منٹ بعد ہی آ گئے''.....

گیتا نے اسے تحسین بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''میڈم وہاں ویسٹ میں رہ کر یہی تو ایک اچھی عادت اپنائی ہے''.

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بیٹھو کیا منگواؤں تمہارے لئے ..... چائے' کافی یا ..... کچھ اور

اس نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے راحیل کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ کر اپنے فقرے کے آخری الفاظ قدرے چباتے اور مسکراتے ہوئے ادا کئے تھے.....!

''ارے نہیں میڈم آپ تو مہمان ہیں ہماری ..... میں منگواتا ہوں آپ کے لئے''.....

اس نے جان بوجھ کر گیتا پاٹھک کی آخری بات نظر انداز کر دی۔

''دیکھو بھئی..... یہ میں میں اور آپ آپ میں گاڑی نکل جاتی ہے ہم تو جرنلسٹ لوگ ہیں تکلفات ویسے بھی پسند نہیں کرتے..... اچھا بولو۔ چائے' کافی یا.....؟''

گیتا نے پھر پہلے والا انداز اختیار کیا۔

''کافی ہی منگوالیں میڈم ..... پلیز یہاں کم از کم میں تو اور کچھ پینے سے

اس نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کی۔

''جیسے تمہاری مرضی..... لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں''.....

گیتا نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔

''تھینک یو''.....

اس نے کہا اور گیتا نے فون پر کافی کا آرڈر دیا۔

کافی آنے تک وہ گھما پھرا کر راحیل سے باتیں کرتی رہی۔ راحیل نے زندگی میں کبھی ایسی شاندار اداکاری نہیں کی تھی جیسی اب کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گیتا پاٹھک اس کی شخصیت کو تول رہی ہے کہ اس پر کتنا وزن لاد سکتی ہے اور راحیل اس کے سامنے خود کو مکمل گدھا بنا کر پیش کر رہا تھا تاکہ گیتا کوئی بات کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔

''آپ مجھے شیرازی کہہ سکتی ہیں میڈم.....''

اس نے گیتا سے کہا جو اسے بار بار مسٹر کہہ رہی تھی۔

''تھینک یو.....تم بندے دلچسپ ہو شیرازی..... یہ بتاؤ میرے لئے کچھ کر بھی سکو گے یا.....؟''

اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے راحیل کو عجیب سے انداز میں دیکھ کر کہا۔

''میں آپ کے لئے جان دے سکتا ہوں میڈم.....''

راحیل نے کچھ ایسے انداز میں یہ بات کہی تھی کہ گیتا دہل کر رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر دبا دیا ہو.....

''تمہاری باتیں تم سے بھی زیادہ دلچسپ ہیں۔ لگتا ہے فلمیں بہت دیکھتے ہو''.....

گیتا نے سنبھل کر کہا۔

''آپ نے برا تو نہیں مانا میڈم.....؟''

راحیل نے اس کی طرف دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مجھے اچھا لگا''.....

گیتا نے قریباً ہنستے ہوئے لیکن مذاق کے انداز میں کہا۔

''ایک بات کہوں میڈم اگر آپ برا مت مانیں''.....

راحیل نے اب اس پر نفسیاتی حملے کی مکمل تیاری کر لی تھی۔

''ہوں.....''

گیتا نے بظاہر رومانٹک ہونے کی اداکاری کی۔

''آپ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہیں ..... میں بہت پروفیشنل ہوں اپنے بزنس میں.....اور آپ کے لئے بہت کچھ کر سکتا ہوں''.....

اس نے پہلا بھرپور حملہ کیا۔

''اچھا.....کیا کر سکتے ہو .....؟''

گیتا نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میڈم اس شہر میں امیگریشن سے نارکوٹکس تک سب اپنے جاننے والے ہیں۔ یہ منٹ ذرا ٹی وی لگا دیں''.....

اچانک ہی اس نے کہا تو گیتا چونکی اور اس نے ٹی وی کا سوئچ آن کر کے اس کی طرف دیکھا۔

''برا مت مانیے میڈم..... میں چھ سال سے اس بزنس میں ہوں.....آپ بڑین ہیں یہاں ایجنسی کے لوگ کسی بھی غیر ملکی کی باتیں ریکارڈ کر سکتے ہیں..... یہ بات مجھے ایجنسی فرانس پریس کی مشعل بیرت نے سنگاپور میں بتائی تھی میڈم کہ اس طرح ہلکی آواز میں ٹی وی لگانے سے کمرے میں ہونے والی گفتگو ریکارڈ نہیں ہو سکتی.....''

اس نے گیتا کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بھرپور قدم اٹھایا۔

''ونڈرفل یار تم تو واقعی بہت کام کے آدمی ہو.....اچھا یہ بتاؤ کچھ پینے کے لئے بھی باہر مل سکتا ہے یا نہیں.....میرا مطلب ہے ڈرنکس کے علاوہ.....''

گیتا اس کے بچھائے ہوئے جال میں بڑی خوشی سے پھنس رہی تھی۔

''ارے میڈم آپ حکم دیجئے..... ہیروئن' چرس' گانجا۔ میں نے کہا ناں میں ارتھ ایجنسی کا رہنے والا ہوں.....میڈم میں نے یہ جو آج کل لیزا مارٹن کی بہت خبریں آ رہی ہیں ناں.....''؟

اس نے جان بوجھ کر بات نامکمل چھوڑ دی۔

''ہاں.....ہاں.....کیا اسے کیا؟''

گیتا کا تجسس اپنے نقطۂ عروج کو چھو رہا تھا۔

''میں نے اسے پاؤ چرس بطور تحفہ پیش کی تھی..... ہائے بے چاری دو روز بعد ہی فوت ہو گئی..... میں نے تو کہا تھا کہ میرے پاس بہت اچھا اور محفوظ ٹھکانہ ہے لیکن امریکن تھی نا.....اپنی مرضی کرنے پر مصر رہی.....خیر ہمیں کیا جی.....آپ فرمائیے.....''

جیسے جیسے اس کے منہ سے یہ باتیں نکل رہی تھیں گیتا پاٹھک کو اپنے دل کی

دھڑکنیں بے قابو ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

یہ پٹھان زادہ تو اس کی توقعات سے بڑھ کر کام کا آدمی نکلا تھا..... وہ اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

''شیرازی یو آر ونڈرفل.....''

''میڈم پلیز..... وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں انسان بھی ہوں۔ میرا مطلب ہے گوشت پوست کا انسان اور بڑے بھرپور جذبات بھی رکھتا ہوں''.....

اس نے بالکل نوعمر لڑکوں کی طرح شرماتے ہوئے کہا تو گیتا کے دل میں جلترنگ بجنے لگی۔

''نو پرابلم یار..... سب چلتا ہے.....''

اس نے راحیل کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

☆O☆

تھوڑی دیر بعد دونوں کمرے سے باہر جا رہے تھے۔

شیرازی نے اسے اپنے علاقے میں چھپے ''القاعدہ'' کے ممبران سے ملانے کا وعدہ کیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ وہ اس کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لے سکتا ہے۔ جواب میں اس نے گیتا سے صرف ایک ہی درخواست کی تھی کہ اسے اپنی حکومت کی طرف سے بمبئے کا ویزہ لگوا دے کیونکہ اسے انڈین ایکٹرسوں سے ملنے کا بہت شوق ہے اور انڈین گورنمنٹ سوائے دہلی کے اور کسی شہر کا ویزہ نہیں لگاتی.....

گیتا پاٹھک نے اس سونے کی چڑیا کو اپنی دانست میں اپنی زلفوں کا اسیر بنا لیا تھا اس نے خود سپردگی کے عالم میں اپنے کمرے میں دو مرتبہ اس سے معانقہ کر لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ وہ اسے یہاں سے اپنے ساتھ بمبئے لے کر جائے گی اسے خود ہائی کمیشن لے جا کر ویزہ لگوا کر دے گی اور یہی نہیں جس ایکٹرس سے وہ چاہے گا اس کی ملاقات کروائے گی لیکن اس شرط پر کہ وہ بھارت میں اس کا ذاتی مہمان ہوگا۔

اور..... شیرازی نے شرماتے ہوئے اس کی یہ شرط مان لی تھی۔

گیتا پاٹھک کو امید تھی کہ اس ''گدھے'' کے ذریعے وہ اگر القاعدہ کے کسی قابل لیڈر کا ان حالات میں انٹرویو کرنے میں کامیاب ہو گئی تو اس کی لاٹری نکل آئے گی۔ کئی روپے اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے۔ لاکھوں روپے..... اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا.....

اس وقت وہ شیرازی کے ساتھ اس کے فلیٹ میں جا رہی تھی جہاں اس نے گیتا کے لئے چرس نوشی کا اہتمام کرنا تھا۔

پارکنگ میں موجود اس کی کار میں بیٹھے ہوئے گیتا حیران رہ گئی..... نئے ماڈل کی اور خاصی مہنگی گاڑی تھی.....

''تمہاری ہے کیا؟''.....

اس نے راحیل کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''ارے میڈم آپ نے اس خاکسار کا ابھی دیکھا ہی کیا ہے..... یہ ہوٹل کی جاب تو صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ اپنا پردہ رہے..... میڈم میرے والد اپنے قبیلے کے سردار ہیں..... بہت جائیداد ہے اُدھر ایجنسی میں اپنی ...اور میں بھی بہت کما لیتا ہوں یہاں سٹارز کی خدمت کر کے پھر ساری دنیا میں گھومنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اگلے دو تین ماہ کے بعد کمپنی مجھے جاپان بھیج رہی ہے..... ہمارے ہوٹل کی بڑی Chain ہے میڈم آپ سے کیا پردہ..... مس لیزا مارٹن نے دو ہزار ڈالر دیئے تھے میڈم دو ہزار ڈالر کسی کا انٹرویو کرنا چاہتی تھی کیا نام ہے اس کم بخت کا۔ میں نے کہا نو پرابلم .. اپنے بندے ہر جگہ موجود ہیں میڈم..... آزما کر دیکھ لیں آپ بھی..... بے چاری لیزا..... اوہ مائی گاڈ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئی.....''

اس کی زبان مسلسل چل رہی تھی.....

فلیٹ پہنچنے تک اس نے گیتا پاٹھک کے مسلسل سوالات کے جوابات میں اسے

ایسی شاندار کہانی سناوی تھی اور اسے ایسا چکرا دیا تھا کہ اب اس کے لئے شیرازی سے الگ رہنا کاردارد تھا۔ اس نے بڑے ڈرامائی انداز میں گیتا پاٹھک سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کا نام درمیان میں نہ آنے دے تو وہ ایسے مجاہدین سے اس کی ملاقات بھی کروا سکتا ہے جن کے ذریعے لیزا مارٹن تک پہنچا جا سکے۔

اس کی آخری پیشکش نے تو گیتا پاٹھک کو سر سے پاؤں تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس مرتبہ دنیش شرما کو اپنے حصے کا مال ہرگز نہیں کھانے دے گی..... اور ''را'' سے براہ راست ڈیل کرے گی۔

یہ تو لاکھوں کا پراجیکٹ تھا لاکھوں کا.....

''ایسی تیسی دنیش شرما کی..... نہیں کرتا مجھ سے شادی تو جائے بھاڑ میں۔ میرے لئے اور بہت سے گدھے موجود ہیں''.....

اس نے دل ہی دل میں کہا اور مسکرا دی.....

اب وہ آمدہ حالات کی منصوبہ بندی کر رہی تھی اور ان امکانات کا جائزہ لے رہی تھی جو اسے آسمان کی بلندیوں تک اڑا لے جانے والے تھے۔

☆O☆

نیا حملہ

گٹ وگ لندن سے ائر انڈیا کی یہ فلائیٹ قدرے تاخیر سے روانہ ہوئی تھی.....!

پہلے تو جہاز کے لینڈنگ گیئر میں خرابی پڑ گئی۔ اس کے بعد ایک انجن پرابلم کرنے لگا لیکن انجینئرز نے چار گھنٹے کی جان توڑ مشقت کے بعد جہاز کو اڑان بھرنے کی کلیرنس دلا دی۔

مولانا قادری نے یہ چار گھنٹے جس طرح لاؤنج میں بے چینی سے گذارے تھے وہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ نجانے کیوں انہیں اس دوران مسلسل دھڑکا لگا رہا کہ کہیں کوئی ان ہونی نہ ہو جائے.....

جب سے وہ امریکہ سے پیرس منتقل ہوئے تھے اس کے بعد سے مسلسل بے چینی کے شکار تھے۔ ان کا ارادہ تو جلد از جلد بھارت جا کر بزنس سنبھالنے کا تھا لیکن ''دوستوں'' نے ابھی اس کی اجازت نہیں دی تھی شاید وہ مولانا قادری سے کوئی اور ''کارنامہ'' بھی انجام

دلانا چاہتے تھے۔

پیرس کے مضافات میں جہاں وہ قیام پذیر تھے اور دور تک کوئی بھارتی یا پاکستانی گھرانا آباد نہیں تھا۔ انہوں نے پیرس پہنچتے ہی اپنی ڈاڑھی سے نجات حاصل کر لی تھی اور یہاں مولانا قادری کے بجائے اپنے اصلی نام منشی خیرالدین کے ساتھ رہائش اختیار کی تھی۔

اپنی دانست میں مولانا قادری نے ہر وہ نشان ختم کر دیا تھا جو ان کے ماضی تک کسی کو پہنچا سکتا اور اب بہت مطمئن بھی تھے۔

اس روز اچانک ہی ان کے دوست تیواری کا فون آیا تھا جس نے مولانا سے کہا تھا کہ وہ پیرس سے لندن آ جائے جہاں ان کی سیٹ بک ہے اور ائر انڈیا کے ذریعے ان کے دہلی پہنچنے کے انتظامات بھی مکمل ہیں تیواری نے انہیں کہا تھا کہ وہ خود ان کو لینے ائر پورٹ پر آئے گا اور اس دورے کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی کو نہ اپنا تعارف کروائیں اور نہ ہی اپنی ''بھارت یاترا'' کے بارے بتائیں۔

مولانا قادری جب لندن پہنچے تو اپنے ہوٹل کے کمرے میں ان کا وہ پاسپورٹ اور ٹکٹ پہنچا دیا گیا جس سے انہوں نے سفر کر کے بھارت پہنچنا تھا۔

اس پاسپورٹ پر جو لندن کے بھارتی ہائی کمیشن سے جاری ہوا تھا۔ ان کی تصویر کے علاوہ سب کچھ نقلی تھا۔ ان کا نام ''امید رائے'' اور شہریت بھارتی تھی اب وہ ایک بھارتی ہندو ٹورسٹ کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔

ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا جس نے انہیں کچھ پریشان کر دیا تھا لیکن پھر انہوں نے خود کو سمجھایا کہ یقیناً اس میں کوئی مصلحت ہی ہوگی اور وہ اس پر سوچیں ہی کیوں۔

مولانا قادری عرف امید رائے نے ائر پورٹ لاؤنج پر بیٹھے بیٹھے یہاں سے سکاچ کی خرید کردہ بوتل ایک چوتھائی خالی کر دی تھی اس کے علاوہ بوریت ختم کرنے کا اور کوئی طریقہ انہیں سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔ خدا خدا کر کے جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو انہوں نے باقی بوتل اپنے ہینڈ بیگ میں ٹھونسی اور جہاز کی طرف چل دیئے۔

ان کی یہ عادت تھی کہ بھارت روانگی سے پہلے اپنا شراب کا کوٹہ یہیں سے خرید کر سنبھال لیا کرتے تھے انہیں ہمیشہ اس بات کا شک رہتا تھا کہ بھارت میں باقی تمام چیزوں کی طرح ولایتی شراب بھی نقلی ہی ملتی ہے۔

ایگزیکٹو کلاس میں موجود اپنی سیٹ میں دھنستے ہوئے مولانا قادری کی نظریں بستور اس گجراتی ائر ہوسٹس پر گڑی تھیں جو انہیں دروازے سے یہاں تک بڑے اہتمام سے لائی تھی اور اب ان کا کوٹ اتارنے میں مدد دے رہی تھی مولانا سے کوٹ تھام کر اس نے قطار کے آخری حصے میں موجود ہینگرز میں سے ایک ہینگر پر ٹانگ دیا اور خود ان کے لئے مشروبات لانے چلی گئی۔

مولانا نے دہلی تک اس ائر ہوسٹس کی جان نہیں چھوڑی تھی اور کسی نہ کسی بہانے اسے اپنے پاس بلا کر اس سے بات چیت کا جواز نکالتے رہے۔

رات ایک پہر بیت چکی تھی جب جہاز دہلی کے انٹرنیشنل ائر پورٹ پر لینڈ ہوا مولانا سیڑھی سے اتر کر جیسے ہی زمین تک پہنچے وہاں ائر پورٹ سٹاف کے ساتھ کھڑے تیواری نے آگے بڑھ کر گرم جوشی سے ان سے معانقہ کیا اور ان کا ہاتھ تھام کر اس کار تک لے آیا جو رن وے کے دوسرے کونے پر جہاز سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

مولانا کو لے کر کار وی آئی پی لاؤنج کے اس مخصوص حصے کی طرف چلی گئی جہاں کوئی عام شخص گھسنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تیواری کے ساتھ کار سے اتر کر وہ یہاں آئے اور آگے چند منٹ بعد ان کا سامان ان تک پہنچا دیا گیا۔

ایک مرتبہ پھر مولانا کار میں تیواری کے ساتھ ائر پورٹ سے باہر نکل رہے تھے۔ تیواری مولانا کو دہلی سے باہر شاہ پور کے اسی خصوصی گیسٹ ہاؤس تک لے جا رہا تھا جہاں ''را'' کے انتہائی اہم مہمانوں کا قیام رہتا تھا۔ اس گیسٹ ہاؤس تک پہنچنا کسی عام شخص کے بس کی بات نہیں تھا۔ گیسٹ ہاؤس کے گرد دو تین کلومیٹر تک مصنوعی گھنا جنگل آباد کیا گیا تھا اور اس تک جانے والی واحد سڑک گیسٹ ہاؤس سے قریباً پانچ کلومیٹر دور گیٹ لگا کر بند کر

دی گئی تھی۔ اس بند گیٹ سے صرف وہی گاڑیاں گذر سکتی تھیں جن کی منزل گیسٹ ہاؤس ہوتی دوسری کوئی بھی گاڑی اس طرف نہیں آتی تھی۔

مولانا قادری ایک مرتبہ پہلے بھی اسی گیسٹ ہاؤس کی ''خصوصی مہمان نوازی'' کا لطف اٹھا چکے تھے یہ ان کی زندگی کی سب سے حسین راتیں تھیں جن کی یاد انہیں آج تک تڑپاتی تھی۔

جب تیوری نے انہیں بتایا کہ ان کا قیام شاہ پور گیسٹ ہاؤس میں ہے تو مولانا کی رال وہیں سے ٹپکنے لگی.....

وہ چشم تصور سے ان حسیناؤں کو دیکھ رہے تھے جن کے پہلو میں انہیں یہاں اپنی راتیں گذارنی تھیں۔

''ارے واہ تیوری صاحب! بھئی یہ تو کمال ہو گیا یعنی ایسا زبردست سرپرائز..... بھئی مان گئے آپ لوگوں کو.....''

مولانا قادری نے بھرپور جوش و جذبے سے تیواری کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''ارے حضور ابھی تو آپ کے لئے ایسے ایسے سرپرائز وہاں منتظر ہیں کہ بس دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے.....''

تیواری نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تیواری صاحب آپ اس بندہ ناچیز کو شاید شاہ پور پہنچنے سے پہلے ہی عالم بالا کی سیر کروانے پر تلے ہیں.....''

قادری صاحب نے مستی سے سرشار لہجے میں کہا۔

''نہیں حضور ایسا مت کہئے کیوں اس غریب کی نوکری کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کو ٹھکانے تک پہنچا دوں بس پھر سیدھے عالم بالا پہنچ جایئے گا ...''

تیواری کی مسکراہٹ برقرار رہی۔

''ارے بندہ پرور کیوں ہماری جان لینے پر تلے ہیں کچھ تو بتایئے گا''

قادری پر ابھی سے نشہ طاری ہونے لگا تھا۔

''تفصیلات میں جانے کا یارا تو نہیں حضور بس یہ جان لیجئے کہ آپ کی زندگی میں ی رات نہ کبھی پہلے آئی تھی نہ آئندہ کبھی آئے گی.....''

تیواری کی مکاری برقرار رہی۔

''گویا یہ ہماری زندگی کی آخری رات ہے''.....

مولانا قادری نے تو نجانے کس ترنگ میں یہ بات کہہ دی تھی لیکن تیواری گڑبڑا یا۔

''ارے بندہ نواز کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ہزار سال کی عمر ہے آپ کی مرت..... ہزار سال''.....

تیواری نے دانت نکالے۔

مولانا قادری نے شکار پور گیسٹ ہاؤس پہنچنے سے پہلے ہی تیاری شروع کر دی ی جس کا آغاز انہوں نے اگلی سیٹ پر دھرے اپنے ہینڈ بیگ کی جیب سے سکاچ کی بوتل نکالتے ہوئے کیا اور اس کے تین چار لمبے لمبے گھونٹ حلق میں انڈیل لئے.....

انہیں حیرانگی اس بات کی ہو رہی تھی کہ متعدد مرتبہ دعوت دینے پر بھی تیواری نے ل کو ہاتھ نہیں لگایا تھا حالانکہ شراب اس کی مولانا سے زیادہ کمزوری رہی تھی۔

''ڈرتا ہے سالا افسروں سے''.....

انہوں نے دل ہی دل میں اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

تیواری نے راستے میں ان سے مختلف نوعیت کے سوالات کر کے اس بات کی بین دہانی حاصل کر لی تھی کہ مولانا قادری نے پیرس سے دہلی پہنچنے تک کسی کو بھی اپنے اس فر سے متعلق کچھ نہیں بتایا انہوں نے پیرس میں موجود اپنی بیگم صاحبہ اور برخوردار سے کہا تھا کہ وہ ایمسٹرڈم میں بزنس ٹرپ پر جا رہے ہیں اور دو تین روز میں لوٹ آئیں گے۔

گھر والوں کے لئے یہ کوئی نئی خبر نہیں تھی کہ وہ جستجو کرتے ویسے بھی ان کی بیگم اور

صاحبزادے ان کی گھر سے غیر موجودگی میں زیادہ خوش رہا کرتے تھے۔

☆O☆

ریسٹ ہاؤس آ گیا تھا۔

شراب کے نشے میں دھت مولانا قادری جھومتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلے لیکن اپنے استقبال کے لئے آنے والوں کی شکل پر نظر پڑتے ہی ان کا نشہ ہرن ہو گیا۔ یہاں کے معمولات کے مطابق تو کسی نازک اندام حسینہ کو انہیں Receive کرنا چاہئے تھا لیکن یہ تو انتہائی مکروہ شکل والے دو جاٹ تھے.....

''آیئے مولوی صاحب آیئے ہم تو صبح سے آپ کا انتظار کر رہے تھے..... بہت دیر کر دی آپ نے تو''؟

ان میں سے ایک نے مولانا قادری کا ہاتھ آگے بڑھ کر تھامتے ہوئے کہا۔

مولانا قادری کو یوں لگا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہیں لیکن جیسے ہی اس نے جھٹکا دے کر انہیں اپنی طرف کھینچا تو ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ..... کیا مذاق ہے یہ؟''

انہوں نے قدرے غصے سے تیواری کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں نے کہا تھا ناں مولانا کہ وہاں بہت سے ''سرپرائز'' تمہارے منتظر ہیں''.....

تیواری نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

اور..... دوسرے ہی لمحے مولانا قادری کے منہ پر موت کی زردی نے ڈیرہ جما لیا اسے یاد آ گیا تیواری نے تو یہ بھی کہا تھا کہ ایسی رات اس کی زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں آئے گی.....!!

''تو کیا ان لوگوں نے مجھے مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے..... ٹشو پیپر کی طرح مجھے استعمال کرنے کے بعد اب مجھے گندگی کے ڈھیر پر پھینکنے والے ہیں یہ لوگ''.....

اس خیال نے انہیں لرزا کر رکھ دیا۔

''تیواری صاحب پلیز..... دیکھئے ناں..... یہ تو..... یہ تو اچھی بات نہیں..... اس طرح تو.....''

انہوں نے ذبح ہونے والی بھینس کے بچھڑے کی طرح تیواری کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

''دیکھئے مولانا میری یا ان لوگوں کی آپ سے کوئی دشمنی نہیں..... آپ کی طرح ہم بھی حکم کے پابند ہیں یہ سب کچھ اپنی مرضی سے تو نہیں کر رہے''.....

تیواری نے ان کی طرف دیکھ کر ادائے بے نیازی سے کہا۔

''کیا' کیا..... مطلب ہے تمہارا؟ کیا کرو گے تم میرے ساتھ؟ مجھے مار دو گے؟ بس..... میں تم سب کو فنا کر دوں گا..... تم نے یہ صلہ دیا ہے میری محنت کا..... میں نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا تیواری صاحب پلیز..... پلیز..... خدا کے لئے تیواری صاحب''.....

موت کے خوف سے لرزاں مولانا قادری نے چاہا کہ آگے بڑھ کر تیواری کے قدموں سے لپٹ جائے شاید اس طرح اسے رحم آ جائے اور اس کی جان بخشی ہو جائے۔

لیکن..... دوسرے جاٹ نے زوردار طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور وہ سامنے دیوار سے جا ٹکرایا۔

''سالا! دھمکیاں بھی دیتا ہے..... منت بھی کرتا ہے..... ابے جو اپنوں کا نہ ہوا وہ ہمارا کیا ہو گا۔''

''ابے خدا واسطے کرتا ہے ہمارے کام سالے تجھے کروڑوں کا فائدہ ہوا ہے اب تک بہت عیش کر لی بیٹا..... اب مرنے کے لئے تیار ہو جا.....''

دوسرے نے غصے سے کہا۔

مولانا قادری پر جیسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔

اس نے منہ بھر بھر کر انہیں گالیاں دینا شروع کر دیں..... اچانک ہی تیواری نے اپنے پہلو سے لٹکا سائیلنسر لگا پستول نکالا اور یکے بعد دیگرے کئی گولیاں اس کے جسم میں اتار دیں.....

''سالا بکواس بہت کرتا ہے.....''

اس نے غصے سے لاش کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''ہم نے تو کوئی اور پروگرام بنایا تھا سر!''.....

ان میں سے ایک نے کہا۔

''سوری یار..... پھر کبھی سہی..... یہ اکیلا تو ہمارے لئے اپنی کمیونٹی سے کام نہیں کر رہا..... اس جیسے کئی گدھے ہماری باربرداری کر رہے ہیں''.....

تیواری نے کہا.....

''کریا کرم کروا دیں صاحب.....''

دوسرے نے پوچھا۔

''ہاں صبح شمشان گھاٹ پر لے جا کر جلا دینا اسے..... سالا نام کا ہی مسلمان تھا میں کہاں اس کے لئے قبر کھودتا پھروں''.....

تیواری نے پستول دوبارہ ہولسٹر میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''جو حکم سر''.....

پہلے نے کہا۔

دونوں اس کے سامنے ہی لاش کو ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے دوسری طرف لے گئے۔ تیواری نے ڈرائیور کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گیا..... اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا جسے درست کرنے کا بندوبست بھی یہاں ہی موجود تھا۔

☆O☆

ہیڈ کوارٹر محفوظ ترین بم پروف تہ خانہ میں جہاں وہ میٹنگ کر رہے تھے آنے

والے زیادہ لوگ وہ تھے جو یہاں اس سے پہلے آئے تو کئی مرتبہ تھے لیکن یہاں آنے اور جانے کا راستہ انہیں معلوم نہیں تھا۔ بس وہ گراؤنڈ فلور پر موجود ایک لفٹ میں سوار ہوتے جس کے اندر کسی طرح کا کوئی سائن نہیں تھا۔ لفٹ انہیں لے کر پہلے سیدھی پھر دائیں ہاتھ کی ٹرین کی پٹڑی پر سفر کرتی اور ایک کمرے کے سامنے کا دروازہ کھل جاتا جس سے نکل کر وہ لوگ اس کمرے میں آ جاتے تھے۔ واپسی بھی ان کی اسی طرح ہوتی تھی۔

ڈی جی ''را'' اپنی ٹیم کے ساتھ میز کے ایک طرف جب کہ وزیر داخلہ وزیر خارجہ اور وزیر دفاع دوسری طرف موجود تھے۔

''آپ مطمئن رہیں سر! اب قادری انہیں دنیا کے کسی کونے میں نہیں ملے گا.....''

ڈی جی نے جانکی داس سے امریکہ کی روداد سن کر کہا۔

''شاباش میں تو کہتا ہوں ان سالے مسلوں کو ساتھ ساتھ فارغ کرتے جایا کرو..... اور مل جائیں گے بہت ''جن سنکھیا'' (آبادی) ہے ان کی''.....

اودھے شام نے اپنی خوشی جتائی۔

''الو کا پٹھا.....'' ڈی جی نے اسے دل ہی دل میں گالی دیتے ہوئے کہا..... ''یہ ہمیں سمجھائے گا کہ کسے کب فارغ کرنا ہے..... بڈھا کھوسٹ سالا دے کا مریض''.....

''بالکل بجا فرما رہے ہیں منسٹر صاحب''

وزیر دفاع مائیکل نے کہا۔

''ابے چپ کر چوڑھے کی اولاد..... سالا جانے کس گدھے نے اسے منسٹر بنا دیا ہے''..... ڈی جی نے اس کے متعلق دل ہی دل میں کہا۔

''دیکھو گپتا جی..... ہمیں تو اپنی زندگی میں اس ملک کو ٹوٹتے اور بھارت ماتا کو کھنڈ ہوتے دیکھنا ہے کچھ بھی کرو..... جلدی کرو 11 ستمبر کے بعد جیسے حالات جانے پھر کب پیدا ہوں.....''

جانکی داس نے جو خود کو آر ایس ایس کا ابتدائی ممبر کہنے میں بڑا فخر محسوس کرتا تھا

کہا۔

''ایسا ہی ہوگا سر!.....مسٹر داس پلیز.....''

ڈی جی نے اپنے ماتحت کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور ڈائریکٹر (سی آئی) مسٹر داس اٹھ کر اس بورڈ تک گیا جس کے ذریعے اسے ان لوگوں کو اگلے منصوبوں سے آگاہ کرنا تھا.....اس نے تفصیلاً منسٹر صاحبان کو بتایا کہ اگلے چند دنوں میں وہ کیا کرنے والے ہیں اور اس سے پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

''اس ملک کو غیر ملکیوں کے لئے غیر محفوظ ملک بنا دو گپتا جی''.....

اودھے شام پھنکارا۔

''ایسا ہی ہوگا سر''.....

ڈی جی نے رنار ٹایا فقرہ دہرایا۔

''یہ گرجے والی بات میرے من کو بہت اچھی لگی''.....مائیکل نے چونچ کھولی.....؟اس طرح ہم دنیا کو یہ بتا سکیں گے کہ بھارت ہی عیسائیوں کا قتل عام نہیں کر رہا پاکستان میں بھی وہ بالکل غیر محفوظ ہیں''.....انہیں بات مکمل کر کے اس نے داد طلب نظروں سے باقی لوگوں کی طرف دیکھا۔

''لعنت ہے تجھ پر سالے.....کرسچین ہو کر اپنے ہم مذہبوں کے لئے ایسے جذبات رکھتا ہے''.....ڈی جی نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے دل میں کہا۔

''یہ بڑا ہائی ٹائم (High Time) ہے گپتا جی بس آج کل میں ہی کچھ کر گزریے''.....

اودھے شیام نے جو خاصی جلدی میں دکھائی دے رہا تھا اس سے کہا۔

''سر آپ کے علم میں لانا تھا کام تو شروع ہو چکا ہے آپ اگلے چار پانچ روز میں سن لیں گے سب کچھ''.....ڈی جی نے کہا۔

''بہت مزا آئے گا''.....

جانکی داس نے سسکاری لی۔

تھوڑی دیر تک ڈی جی اور اس کے ماتحتوں سے مغز کھپائی کے بعد تینوں جس طرح یہاں آئے تھے اسی طرح واپس لوٹ گئے۔

☆O☆

دونوں بہت عرصے کے بعد اکٹھے ہوئے تھے۔اب تو انہیں بھی اپنے اصلی نام یاد نہیں رہے تھے۔اس مرتبہ ایک کو حمید اور دوسرے کو سعید نام الاٹ ہوا تھا۔حمید اور سعید نے پانچ سال پہلے ڈیرہ دون کے کیمپ بٹواری میں اکٹھے تربیت حاصل کی تھی۔دونوں کا تعلق ایک صوبائی دہشت گرد تنظیم سے تھا اور دونوں اپنی تنظیم کے حکم پر ہی تربیت حاصل کرنے بھارت گئے تھے۔انہوں نے پاکستان میں ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ دونوں الگ الگ ضلع کے رہنے والے تھے نہ ہی بھارت کے تربیتی کیمپ میں کسی کو ایک دوسرے سے اپنے اصلی تعارف کے ساتھ ملنے کی اجازت تھی۔ایسا کچھ ان کی حفاظت کے لئے ہی کیا جاتا تھا۔دہشت گرد تو جب کوئی خطرناک تربیت حاصل کرتے تو اپنے چہرے نقاب سے چھپا لیا کرتے تھے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت نہ کر سکیں ایک بات کا علم تو بہر حال ان سب کو تھا کہ ان کا تعلق پاکستان سے ہے اور پاکستان ہی میں انہوں نے تخریبی کارروائیاں بھی کرنی ہیں۔

حمید اور سعید کی بٹواری کیمپ سے رخصتی کے بعد دوسری ملاقات دو سال بعد تب ہوئی تھی جب انہیں اپنے علاقوں سے بہت دور پاکستان کی شمالی سرحد کے نزدیک ایک دھماکہ کرنے جانا تھا۔لیکن حمید کو اس بات کا علم تھا نہ ہی سعید کو کہ ان کا دوسرا ساتھی کون ہو سکتا ہے دونوں جب پشاور کے ایک ہوٹل میں اکٹھے ہوئے تو انہیں علم ہوا کہ دونوں کون ہیں۔

اس کے بعد وہ الگ ہوئے تو دوسری تین ملاقاتیں تقریباً دو تین ماہ کے وقفے سے ہوتی رہی جب انہیں کسی مشن پر اکٹھے بھیجا جاتا تھا اور آج وہ تقریباً دو سال بعد پھر اکٹھے ہوئے تھے اس مرتبہ انہیں شاید زندگی کا سب سے خطرناک مشن سونپا گیا تھا۔

لیکن..... دونوں کے لئے اب کوئی بھی مشن خطرناک نہیں رہا تھا۔ انہیں صرف دولت سے غرض تھی یا پھر اس جسمانی عیاشی سے جو ان کے ایک اشارے پر انہیں بہم پہنچا دی جاتی تھی۔ تربیت کے آغاز میں تو وہ خاصے انقلابی ہوا کرتے تھے لیکن پاکستان آنے کے کچھ عرصہ بعد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ انقلاب وغیرہ سب بکواس ہے انقلاب صرف اسی بات کا نام ہے کہ اپنے ملک میں دشمن کے کہنے پر دھماکے کئے جائیں' بے گناہوں کو قتل کیا جائے اور ہنگامہ آرائی کر کے اپنی حکومت کو بلیک میل کیا جائے۔ جن صوبائی مفادات کے نام پر انہیں ورغلایا گیا تھا اس کی کوئی حیثیت یا اہمیت نہیں تھی ان کے بڑے بھی صرف مفادات اور فلاحی مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے نعرے لگایا کرتے تھے ورنہ تو انہیں بھی اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ صوبے یا پارٹی کے لوگوں کا کیا حال ہے ان کی طرف سے سب کچھ جاتا جہنم میں انہیں صرف اپنے ذاتی مفادات عزیز تھے!

دونوں کو حسب سابق الگ الگ ہدایات ٹیلی فون پر ملی تھیں۔ انہیں تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ ہدایات دینے والا کون ہے کبھی کبھی البتہ کوئی اجنبی انہیں کام کرنے کا معاوضہ ضرور پہنچا دیا کرتا تھا۔

دونوں صوبائی دارالحکومت کے ریلوے سٹیشن کے نزدیک ایک ہوٹل پر آپس میں ملے تھے۔ اس ملاقات سے پہلے بھی انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ دونوں ہی اکٹھے ہو رہے ہیں بس سعید کو ہدایت ملی تھی کہ وہ ہوٹل انڈس کے کمرہ نمبر 208 میں جو اس کے نام پر بک ہو چکا ہے قیام کرے جہاں شام چھ بجے کے بعد کسی بھی وقت حمید اس سے ملاقات کرے گا۔

یہ حمید کون ہے؟

اس کا علم سعید کو نہیں تھا نہ ہی حمید کو علم تھا کہ سعید کون ہو سکتا ہے۔ دونوں نے جب ایک دوسرے کو دیکھا تو ایک دوسرے سے بے تکلفی سے لپٹ گئے۔ اپنی تربیت کے مطابق اس کے باوجود دونوں نے ایک دوسرے کی شناخت کے لئے "وہ کوڈ ورڈ" دھرائے جو انہیں

بتائے گئے تھے۔

حمید کو کسی اور ہوٹل میں قیام کا حکم ملا تھا اور یہ ہدایت بھی کہ وہ اپنی قیام گاہ سے سعید کو باخبر نہیں کرے گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔

اب تک ان دونوں کے درجنوں ساتھی یا تو پولیس کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے یا پھر گرفتار ہو کر جیلوں میں سڑ رہے تھے ان دونوں کے بچے رہنے کا راز بھی یہی تھا کہ انہوں نے ہمیشہ تربیت گاہ میں حاصل کردہ ٹریننگ پر سختی سے عمل کیا تھا اور رازداری کا اہتمام کرنے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔

حمید نے سعید کو اگلے روز رات آٹھ بجے ہوٹل کے نزدیک ایک جگہ پر ملنے کے لئے کہا تھا اور اب وہ اس سے الگ ہو کر اپنے کام پر جا رہا تھا۔

حمید تھوڑی دیر بعد ہی اس آٹو مارکیٹ کے نزدیک پہنچ چکا تھا جہاں پرانے موٹر سائیکل فروخت ہوا کرتے تھے اس نے خاصے تردد اور مختلف دلالوں سے بحث مباحثہ کے بعد ایک پرانے ماڈل کی موٹر سائیکل خریدی لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ موٹر سائیکل کا انجن بہترین حالت میں ہو وہ خود مکینک تھا اور اس بات کا اندازہ کر سکتا تھا کہ انجن کس حالت میں ہے۔

ایجنٹ کو رقم ادا کرنے کے بعد اس نے رسید لے لی اور ایجنٹ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب بھی کہے گا موٹر سائیکل اس کے نام ٹرانسفر کروا دی جائے گی۔ حمید نے مالک سے لائسنس لیٹر لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ خود اپنے نام کروائے گا۔ ایجنٹ نے اپنے ریکارڈ کے لئے حمید کو جو فارم بھرنے کے لئے دیا تھا اس میں حمید نے بڑے اطمینان سے خریدار کے نام سے شناختی کارڈ نمبر تک ہر اندراج غلط کر کے اسے دے دیا تھا البتہ موٹر سائیکل مالک سے ہر کاغذ کی چھان پھٹک کے بعد بحث مباحثہ کر کے وصول کیا تھا تاکہ ایجنٹ اور مالک دونوں کو اس بات کا پکا یقین ہو جائے کہ وہ کوئی دو نمبر آدمی نہیں ہے۔

موٹر سائیکل کی ٹینکی اس نے پٹرول سے مکمل بھروا لی تھی اور اب موٹر سائیکل پر

سوار شہر میں گھوم رہا تھا اس نے اپنے منہ پر ہیلمٹ چڑھا رکھا تھا جس سے اس کی شناخت ممکن نہیں رہی تھی یوں بھی سرما کا موسم ہونے کی وجہ سے زیادہ تر موٹر سائیکل سوار ہیلمٹ استعمال کرتے تھے۔

یہ شہر حمید کے لئے کبھی اجنبی نہیں رہا تھا وہ اس سے پہلے متعدد مرتبہ یہاں آ چکا تھا اور یہاں کی بیشتر سڑکوں سے آشنائی رکھتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے ٹارگٹ ایریا" کے گرد تین چار چکر لگائے اور یہاں سے فرار کے تمام ممکنہ راستوں کا جائزہ لینے کے بعد شام کے بعد طے شدہ وقت پر مقررہ مقام پر پہنچ گیا جہاں سعید پہلے سے اس کا منتظر تھا۔

دونوں نے سردی سے بچنے کے لئے بڑی بڑی جیکٹیں پہن رکھی تھیں جن میں آسانی سے آٹھ دس ہینڈ گرینڈ اور پستول چھپائے جا سکتے تھے اور اب دونوں ٹارگٹ ایریا کی طرف جا رہے تھے۔

☆O☆

یہ شہر کا سب سے بڑا کیتھولک چرچ تھا جہاں آج بطور خاص ویٹی کن سے آئی ایک مذہبی شخصیت کے اعزاز میں تقریب ہو رہی تھی۔ اس تقریب میں شمولیت کے لئے ملک کے کونے کونے سے پادری صاحبان اکٹھے ہوئے تھے۔ شہر کا ہر قابل ذکر کرسچین یہاں موجود تھا۔

دونوں بڑے اطمینان سے اپنے گلے میں صلیب لٹکائے گرجے تک پہنچے تھے۔ موٹر سائیکل انہوں نے ایسی جگہ پارک کی تھی جہاں سے دونوں آسانی کے ساتھ موٹر سائیکل کو ہنگامے کے بعد نکال کر لے جا سکیں..... وہ خراماں خراماں گرجے کی طرف جا رہے تھے۔

گرجا گھر میں پہنچ کر دونوں نے دروازوں کے نزدیک ہجوم میں اپنے لئے جگہ بنا لی۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔ دونوں نے اپنی گھڑیاں ایک دوسرے سے ملائی تھیں اور اب ان کی سوئیوں پر نظر ڈال کر ایک دوسرے کو بھی کنکھیوں سے

دیکھ رہے تھے۔

مذہبی اجتماع اپنے نقطہ عروج کو چھو رہا تھا اب فادر جان فلپ کا خطاب تھا جو اس ملک میں پادریوں کی نہایت معتبر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے اپنا خطاب شروع کیا دونوں نے ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور دوسرے ہی لمحے دونوں نے جیبوں کے اندر ہی ہینڈ گرینڈز کی پن نکالنے کے بعد اس طرح اگلی سیٹوں پر پھینکے تھے ان کے ساتھ کھڑے لوگوں کو بھی اس بات کا علم نہ ہو سکے کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔

بم پھینکنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے نزدیکی دروازے کی طرف چھلانگیں لگائیں تھیں ان کے باہر پہنچنے کے ساتھ ہی دو زوردار دھماکے ہوئے اور اندر قیامت صغریٰ برپا ہو گئی۔ دونوں اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اپنے پاس موجود گرینڈ برق رفتاری سے پھینک رہے تھے انہوں نے اس اثناء میں تین تین گرنیڈ اور پھینک دیئے تھے اور ابھی تک کسی کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ حملہ آور کون ہے۔

ہجوم کے درمیان وہ بھی چیختے چلاتے باہر نکلے اور موٹر سائیکل تک جا پہنچے۔ دونوں پھرتی سے موٹر سائیکل پر سوار ہوئے حمید نے سعید کو سٹیشن کے نزدیک ڈراپ کر دیا جہاں اسے دوسرے صوبے تک لے جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی اور خود موٹر سائیکل سٹیشن کی پارکنگ میں کھڑی کر کے رکشہ کے ذریعے اپنے ٹھکانے تک پہنچ گیا۔

یہ اس کے ایک دور کے رشتہ دار کا گھر تھا وہ جب کبھی اس شہر میں آتا اپنے اسی غریب رشتہ دار کے ہاں ہی قیام کرتا کیونکہ یہ غریب لوگ تھے اور حمید کی طرف سے لائی گئی دو کلو مٹھائی اور دو تین سو روپے کے تحفے تحائف وصول کرنے کے بعد اس کی خدمت میں جت جاتے تھے۔

صبح وہ معمول کے مطابق سو کر اٹھا اور اخبار کا مطالعہ کرنے لگا جس کی پہلی سرخی انگارات والے سانحے سے متعلق تھی جس میں پندرہ لوگ مارے گئے اور درجنوں زخمی ہوئے

تھے۔اس نے بددلی سے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

''میں تو اخبار پڑھتا ہی نہیں چچا! سوائے مار دھاڑ کی خبروں کے اور کچھ ہوتا ہی نہیں''.....

اس نے کہا۔

''ہاں بیٹا خدا جانے کس کی نظر کھا گئی اس شہر کو''.....

چچا نے عینک ناک پر جماتے ہوئے اخبار اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔

صبح ناشتہ کرنے کے بعد وہ ریلوے اسٹیشن کی موٹر سائیکل پارکنگ میں گیا جہاں سینکڑوں موٹر سائیکلیں رات سے کھڑی تھیں اور لوگ اب لینے آ رہے تھے۔

موٹر سائیکل لے کر وہ سیدھا آٹو مارکیٹ پہنچا اور ایک ایجنٹ کو بتانے لگا کہ اس نے کل ہی موٹر سائیکل خریدی تھی لیکن آج اچانک اسے ایمرجنسی آ گئی اور اب وہ اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ایجنٹ نے معمول کے مطابق اسے بتایا کہ یہ تو کھٹارہ ہے اور اس نے بہت مہنگا خرید لیا۔حمید نے اسے اپنی غربت بے بسی اور ماں کی خطرناک بیماری کا رو رو کر کل کی قیمت سے دو ہزار روپے کم وصول کئے اور وہاں سے سیدھا چچا کے گھر پہنچ گیا۔

چچا اور ان کی فیملی کے ساتھ وہ ٹیکسی کرائے پر لے کر سیر کرنے نکل گئے۔دو روز اس طرح گذر گئے تیسرے دن وہ ان سے رخصت لے کر اپنے گھر سدھار گیا۔

☆O☆

پاکستان میں آج تک اس نوعیت کی دہشت گردی نہیں ہوئی تھی .....!!

عیسائیوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ کوئی ایسا گروپ بھی ملک میں موجود ہے جو ان پر حملہ کرے گا۔انہوں نے نہایت عقل مندی کا مظاہرہ کیا اور اس مسئلے پر جذبات کی بجائے عقل سے غور کرنے کے بعد انہیں اس بات کی اچھی طرح سمجھ آ گئی کہ یہ پاکستان دشمنوں کی کارستانی ہے۔

اعلیٰ حکام کے ساتھ رات دیر گئے تک عیسائی راہنماؤں کی میٹنگ جاری رہیں

جس کے بعد ان کی طرف سے پریس کو بیان جاری کیا گیا جس میں اسی واقعہ کے ذمہ دار پاکستان دشمن طاقتوں کو قرار دے کر اس کی زبردست مذمت کی گئی اور حکومت کی طرف سے بروقت امدادی کارروائیوں اور ان خصوصی مراعات پر شکریہ ادا کیا گیا جو زخمیوں کو دی گئی تھیں۔

حکومت کی طرف سے حادثے میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کے لئے امداد کا اعلان کیا گیا لیکن دوسری طرف دشمن نے بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اسی رات تین غیر ملکی ایجنسیوں اور اہم اخبارات کو فیکس اور فون کے ذریعے حملہ آوروں کی طرف سے اطلاع دی گئی لشکر جرار نے حملے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے حملہ آوروں نے خود کو لشکر جرار کا باغی گروپ بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہ امریکہ کی طرف سے افغانستان پر کئے جانے والے حملوں کا اس طرح انتقام لیتے رہیں گے انہوں نے اپنے مطالبات میں واضح کیا تھا کہ امریکہ افغانستان اور پاکستان سے اپنی فوجیں نکال لے ورنہ وہ اپنے حملوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے خوب چسکے لگا لگا کر یہ خبریں شائع کی تھیں۔حادثے میں مرنے والے دو غیر ملکی پادریوں کی لاشیں خاصی نمایاں کر کے شائع کی گئی تھیں اور یہ بات تکرار سے کی گئی تھی کہ اقلیتیں خود کو اس حملے کے بعد غیر محفوظ سمجھنے لگی ہیں خصوصاً دو غیر ملکیوں کی موت نے خاصا ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔

سیکورٹی حکام کا اعلیٰ سطحی اجلاس گورنر کی صدارت میں حملے کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا اور صبح ہونے تک جاری رہا جس میں شہر میں حفاظتی اقدامات کی منصوبہ بندی کی گئی۔ خصوصاً دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں اور ممتاز غیر مسلموں کی حفاظت کے اقدامات طے پائے جس کے بعد ایلیٹ فورس کے جوانوں نے قریباً ہر غیر مسلم عبادت گاہ کے باہر ڈیرے ڈال دیئے شہر میں ناکے لگ گئے لیکن ان ناکوں پر سوائے موٹر سائیکل سواروں کے اور کسی کو کچھ نہیں کہا جاتا تھا موٹر سائیکل سواروں کی کم بختی آ گئی البتہ ناکہ پارٹیوں کی چاندی

ہوگئی چونکہ ہر موٹر سائیکل سوار جلدی میں ہوتا ہے اس لئے وہ ان کا اشارہ ملتے ہی جیب میں ہاتھ ڈالتے اور ناکہ بردار کی مٹھی گرم کر کے اپنا راستہ ناپتے۔

کچھ بااصول اور پڑھے لکھے شہریوں نے اس پولیس گردی پر زبردست احتجاج بھی کیا اور اخبارات کو بتایا کہ ناکے دہشت گردوں کے لئے نہیں بلکہ شریف شہریوں کی زندگی مزید جہنم بنانے کے لئے لگائے گئے ہیں۔

لیکن.....کوتوال شہر کو اس کی پرواہ کب تھی۔ اسے تو پولیس افسران نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ جب وہ ناکے لگائیں گے تو ملک دشمن عناصر اس طرح کی خبریں اخبارات میں شائع کر کے سیکورٹی کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس پر کوتوال شہر نے انہیں ''فری ہینڈ'' دے دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ پریس کی بالکل پرواہ نہ کریں۔

اس ''فری ہینڈ'' کا پولیس نے کم اور دشمن نے زیادہ فائدہ اٹھایا اور شہر کے غیر محفوظ ہونے کا پراپیگنڈہ زور شور سے کرنے لگے۔

یہی ''را'' کا مقصود تھا۔

دھماکے کی خبر ملتے ہی ڈی جی نے جانکی داس اور اودھے شیام کو فون کیا تھا۔ دونوں نے اسے مبارکباد دی تھی۔ وزیر دفاع کو ''چوڑھا'' جان کر البتہ اس نے کبھی منہ لگانا پسند نہیں کیا تھا لیکن جب اس نے خود فون کر کے اس ''کارنامے'' پر اسے مبارکباد پیش کی تو ڈی جی کو اس کا شکریہ ادا کرنا ہی پڑا۔

☆O☆

اسے جیل تو نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ جگہ جہاں انہیں رکھا گیا کبھی باقاعدہ جیل نہیں رہی تھی البتہ ہنگامی حالات میں اس سے جیل کا کام لیا جا رہا تھا.....

گذشتہ پندرہ روز سے وہ یہاں بے بسی اور بدبختی کی تصویر بنے زندگی جھیل رہے تھے۔ ان کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی لیکن کسی ایک کو بھی اپنے ملک زندہ پہنچنے کی امید

نہیں تھی۔ کیونکہ وہ ''آن ریکارڈ قیدی'' نہیں تھے وہ تو ''آف دی ریکارڈ'' قیدی تھے جنہیں بطور تحفہ افغان حکومت نے بھارتی سرکار کو پیش کیا تھا۔

یہ سب وہ مجاہد تھے جن کا تعلق کشمیر میں سرگرم عمل جہادی تنظیموں سے تھا اور وہ اپنے ''نظم'' کے تحت ان دنوں شمالی اتحاد کے ساتھ طالبان کی طرف سے مصروف جہاد تھا جب اچانک 11 ستمبر والے سانحے کی پٹتا ان پر آن پڑی۔

انہیں بھی دوسرے سینکڑوں بے گناہ اور بے خبر مجاہدین کی طرح شمالی اتحاد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ان میں زیادہ تعداد لشکر جرار کے مجاہدین کی تھی جن کے طالبان سے جہادی رشتے بہت مضبوط تھے اور وہ ان کی مدد کے لئے ہی یہاں آئے تھے۔ یہ کوئی ہم قسم کے مجاہد نہیں تھے خصوصی تربیت یافتہ اور بدترین حالات میں بھی بہترین نتائج حاصل کرنے والے مجاہد تھے۔

کمانڈر شاہین اس گروپ کے انچارج تھے جس کو شمالی اتحاد کے سامنے اپنے کمانڈروں کے حکم پر ایک معاہدہ طے پانے کے بعد ہتھیار ڈالنے کا حکم ملا تھا لیکن ہتھیار ڈالنے کے چند منٹ بعد ہی انہیں اس تلخ حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ انہوں نے زندگی کی بدترین غلامی کا ارتکاب کر لیا ہے۔

شمالی اتحاد کے درندہ صفت سپاہیوں نے جنہیں غیر ملکی افواج کی پشت پناہی حاصل تھی انہیں گرفتار کرنے کے فوراً بعد جانوروں کی طرح پیٹنا شروع کر دیا اور پیٹنے کے بعد بڑے بڑے ٹرالروں میں جانوروں کی طرح ٹھونس کر بند کر دیا گیا۔

کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھی جس ٹرالر میں بند تھے اسے ایک مرتبہ باہر سے تالا لگانے کے بعد وہ لوگ شاید کھولنا ہی بھول گئے تھے جب قریباً چالیس گھنٹے بعد انہوں نے ٹرالر کا دروازہ کھولا تو وہاں نیم مردہ کمانڈر شاہین اور ان کے صرف پانچ ساتھی زندہ موجود تھے باقی تمام دم گھٹنے سے شہید ہو گئے تھے۔

ان نیم مردہ مجاہدین کو ٹھوکریں مارتے بیچ شیری درندے ایک قلعہ نما مکان میں

لے گئے جہاں انہیں دن بھر میں صرف ایک مرتبہ کھانے کے لئے ایک افغانی روٹی اور قہوے کی پیالی دی جاتی تھی دس بارہ دن تک انہیں وضو کے لئے بھی پانی نہیں ملا۔

اس قلعے میں بھی جس کا انچارج مقامی کمانڈر قلی خان تھا انہیں اس طرح ٹھونسا گیا تھا جیسے جانوروں کو باڑے میں بند کیا جاتا تھا۔ دن کو ان سے لکڑیاں کاٹنے کی مشقت لی جاتی تھی اور شام کے بعد تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جہاں بمشکل وہ بیٹھ سکتے تھے ٹھونس کر باہر سے تالے لگا دیئے جاتے۔ صبح پھر انہیں بالکل اسی طرح کھول دیا جاتا جیسے جانوروں کو کھولا جاتا ہے۔

کمانڈر شاہین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار کا منصوبہ بنایا تھا لیکن ابھی جسمانی طور پر ہی اس قابل نہیں تھے کہ اس پر عمل کر سکیں۔ بے چارے تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ رہے۔

ایک روز عبوری حکومت کا ایک پنج شیری وزیر جس کے متعلق انہیں اچھی طرح اس بات کا علم پہلے سے تھا کہ اس کی ایک بیٹی نے بھارتی ہندو تاجر کے ساتھ شادی کر لی تھی اور اس وزیر کی ایک ہندو بیوی بھارت میں رہتی تھی اس جیل کا دورہ کرنے آیا۔

اس کے ساتھ بھارتی حکومت کے تین افسران بھی تھے بعد میں انہیں علم ہوا کہ یہ ''را'' کے افسران ہیں جنہوں نے دو روز تک ان لوگوں کا الگ الگ انٹرویو کیا اور ان میں سے دو سو سے زیادہ کی تعداد میں ان مجاہدین کا انتخاب کیا جو کشمیری نژاد تھے۔ یہ مجاہدین پنج شیری وزیر نے اپنے ہندو آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں بطور تحفہ پیش کئے تھے جس کے عوض اسے بھارت کی طرف سے ایک خطیر رقم وصول ہوئی تھی۔

کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے باندھ کر انہیں ٹرالروں میں پھینکا گیا اور اس بڑے بار بردار جہاز تک لایا گیا جو اگلے ہی روز اس وزیر کے لئے خصوصی امدادی اشیاء بھارت سے لے کر یہاں پہنچا تھا۔ تمام قیدیوں کو اسی جہاز میں ٹھونسا گیا اور رات کے اندھیرے میں جہاز بھارت کی طرف پرواز کر گیا۔

اس جہاز کی آمد سے روانگی تک جو کچھ بھی ہوا وہ غیر قانونی' غیر اخلاقی اور غیر انسانی تھا لیکن انسانیت کے ٹھیکے دار امریکی فوجیوں نے اس سارے عمل پر اپنی آنکھیں بند کر رکھیں اور اس عمل سے لاتعلق رہے۔ جب کہ ان کے ریڈاروں نے اس بھارتی جہاز کو لینڈ کرتے اور واپس جاتے دیکھا تھا۔

جہاز اکیسویں صدی کے ان غلاموں کو جنہیں بروہ فروشوں نے بھارتیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا کب اور بھارت کے کس ائرپورٹ پر اترا اس کا علم ان بے چاروں کو کبھی نہ ہو سکا کیونکہ روانگی پر ان کی آنکھوں پر جو سیاہ پٹیاں باندھی گئی تھیں وہ اس بیرک میں پہنچنے کے بعد ہی کھولی گئیں۔

وہاں پہنچنے کے بعد پہلی مرتبہ انہیں کھانا نصیب ہوا.....

اگلے روز انہیں دس' دس پانچ' پانچ کی ٹولیوں میں اس چھاؤنی نما جیل کے مختلف کمروں میں بند کر دیا گیا جس کے بعد دوبارہ ان کی تفتیش شروع ہوئی ایک ایک قیدی کو بھارتی ایجنسیوں کے افسر لے جاتے۔ اس پر بے پناہ غیر انسانی تشدد کر کے اس کے اگلے پچھلے تمام کارناموں کا اعتراف ریکارڈ کرتے اور نیم مردہ کر کے واپس کوٹھری میں پھینک جاتے۔

کمانڈر شاہین کو بھی اس اذیت ناک عمل سے گذرنا پڑا۔ اس پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تشدد ہوا کیونکہ وہ مقبوضہ کشمیر کا ایریا کمانڈر بھی تھا۔ یہاں افغانستان کے مقابلے میں انہیں صرف اتنی رعایت حاصل تھی کہ دن میں دو مرتبہ انہیں کھانا مل جاتا تھا اور ہفتے میں ایک مرتبہ نہانے کی اجازت مل جاتی تھی۔

☆O☆

کمانڈر شاہین اور ان کے چاروں ساتھی بڑی بے بسی سے اپنی تباہی کا تماشا کر رہے تھے ان کو ذرا سا موقعہ بھی ملتا تو یہاں سے ایک مرتبہ نکلنے کی کوشش ضرور کرتے خواہ اس کے لئے اپنی جان سے ہی کیوں نہ گذرنا پڑتا کیونکہ یہاں بھی انہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بالآخر

مرنا ہی تھا۔

انہیں کھانا اس چھاؤنی کے لنگر سے سپلائی کیا جاتا تھا اس روز بھی معمول کے مطابق ایک لانگری پہلے دال کا بڑا سا لوہے کا ڈھول اٹھا کر آیا جس کے بعد دوسرا روٹیاں لے کر آتا تھا۔ اس نے قیدیوں کو فراہم کردہ تام چینی کی پلیٹوں میں دال ڈالنی شروع کی جسے لینے کے لئے قیدی اپنی کوٹھڑی کے دروازے پر آ جاتے تھے اور وہ سلاخوں کے اندر سے پلیٹ باہر نکال کر وال لے لیا کرتے تھے۔

کمانڈر شاہین کی کوٹھڑی کے سامنے وہ رک گیا اور دائیں بائیں دیکھ کر اس نے اچانک اپنے کپڑوں میں چھپا ایک کاغذ نکالا اور ان کی طرف بڑھا کر بغیر کچھ کہے تیزی سے آگے نکل گیا.....

کمانڈر شاہین نے اس سے زیادہ تیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کاغذ سنبھال لیا تھا جب روٹیاں تقسیم کرنے والا روٹیاں بانٹ کر چلا گیا تو اس نے کوٹھڑی میں لگے بلب کی روشنی میں کاغذ کھول کر دیکھا اس کی آنکھوں میں چمک جاگ اٹھی.....

یہ کمانڈر عابد کاشمیری کی طرف سے اس کے نام لکھا پیغام تھا جسے اس نے مخصوص لکھائی اور کاغذ کی مدد سے پہچان لیا' کمانڈر صاحب نے کہا تھا کہ وہ ان کی طرف سے ہرگز بے خبر نہیں۔ ''ساتھی'' نزدیک پہنچ گئے ہیں اور انشاء اللہ اگلے دو تین روز میں وہ انہیں یہاں سے نکال لے جائیں گے.....اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ خوشخبری سنائی اور پانچوں نے مل کر کاغذ کے پانچ ٹکڑے کر کے اسے نگل لیا تاکہ کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔

کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں کے لئے یہ پیغام نوید حیات تھا.....

انہیں ایک طرح سے نئی زندگی مل گئی تھی اب کم از کم وہ اپنے دل کی بھڑاس تو دشمن کے خلاف نکال ہی سکتے تھے۔ کمانڈر شاہین اس سے پہلے جموں جیل سے بھی دلیرانہ فرار کر چکے تھے لیکن وہاں وہ کسی اور نام سے قید کاٹ رہے تھے اس لئے دشمن کو ابھی تک اس بات کا علم نہیں ہوا تھا۔ اور یوں بھی وہ سمجھتا تھا کہ جس نوعیت کی تباہ کن جسمانی اور نفسیاتی اذیت

سے یہ لوگ گذرے ہیں اس کے بعد ان کا زندہ بچ جانا ہی کسی معجزے سے کم نہیں۔

کمانڈر شاہین نے اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنے فرار کا مسئلہ رکھا تو انہوں نے فوراً آمنا صدقنا کہہ دیا کیونکہ یہاں زندہ درگور رہنے سے بہر حال کوئی بھی اور قدم اٹھانا زیادہ احسن تھا۔ اب انہیں اگلے ایکشن اور حکم کا انتظار تھا جس کے بعد ہی انہیں کوئی قدم اٹھانا تھا۔

☆O☆

اگلے روز پھر وہی لانگری ڈیوٹی پر آیا تو ایک نیا کاغذ ان کے سامنے پھینک گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ کل شام کے بعد انہیں یہاں سے دوسرے کیمپ میں مختلف ٹولیوں میں منتقل کیا جائے گا انہیں آرمی کے ٹرک لے کر جائیں گے مجاہدین راستے میں حملہ کریں گے جس کے بعد انہیں فرار ہونا ہے.....

ٹرک سے نکلنے کے بعد کے تمام مراحل کی تفصیل اس خط میں درج تھی اور سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ تمام جزئیات حفظ کرنے کے بعد اس خط کو بھی چبا کر ضائع کرنا ہے تاکہ کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔

کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں کے حوصلے بلند تھے اب انہیں بے چینی سے اس لمحے کا انتظار تھا جب انہیں یہاں سے منتقل کیا جاتا۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی شروع ہوا تھا جب اچانک وہاں آرمی کے کچھ ٹرک آ گئے جنہوں نے مجاہدین کو اس میں سوار کروانا شروع کر دیا وہ کیمپ سے مجاہدین کی خاصی تعداد لے کر نامعلوم منزل کی طرف چلے گئے۔

کمانڈر شاہین اور اس کے ساتھیوں کی باری اگلے روز آ گئی جب دو مسلح گارڈ ان کی کوٹھڑی کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے انہوں نے دروازے کا تالا کھول کر انہیں باہر آنے کا حکم دیا اور پانچوں کو نکال کر ایک ٹرک کی طرف لے گئے جس میں پہلے سے کچھ قیدی موجود تھے ان کی حفاظت کے لئے ٹرک کے اگلے اور پچھلے حصے میں چار مسلح فوجی بھی چوکس کھڑے تھے۔ خلاف توقع نہ تو ان کے ہاتھ باندھے گئے اور نہ ہی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی

اور روانگی سے پہلے انہوں نے ٹرک کے پچھلے حصے پر ترپال ڈال دی۔ اس کے ساتھ ہی انہیں سختی سے ہدایت کی گئی کہ آپس میں کسی نے ایک دوسرے سے بات کرنے کی کوشش نہیں کرنی اگر ایسا کیا گیا تو ٹرک میں سوار تمام قیدیوں کو بلا دریغ گولی ماردی جائے گی۔

کل کے بعد سے کمانڈر شاہین اور ان کے چاروں ساتھی مسلسل قرآنی آیات کا ورد کر رہے تھے انہوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ ایک مرتبہ اگر فرار کا موقعہ ملا تو وہ زندہ کبھی دشمن کے ہاتھ نہیں لگیں گے۔

رخصتی سے قبل انہوں نے ایک دوسرے سے گلے مل کر غلطیوں کی معافی بھی مانگ لی تھی۔ ٹرک میں موجود دوسرے مجاہدین کو وہ نہیں پہچانتے تھے انہیں اندازا ہو گیا کہ یہ بے چارے بھی ان کی طرح افغانستان ہی سے لائے گئے ہیں۔

☆O☆

کمانڈر شاہین کے اندازے کے مطابق انہیں سفر کرتے ایک گھنٹہ گذرا تھا جب اچانک ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی اور ڈرائیور نے ٹرک کو بریک لگا کر روک دیا انہیں یوں لگا جیسے اس قافلے کے کسی ٹرک کو پہلے سے یہاں چھپے مجاہدین نے حملہ کر کے اڑا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں.....

کمانڈر شاہین اور اس کے ساتھیوں نے ایک لمحے کا توقف کئے بغیر ایک دوسرے کے تعاقب میں باہر چھلانگیں لگا دیں اور خط کی ہدایت کے مطابق مخالف سمت میں بھاگنے لگے انہوں نے اپنے عقب میں دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ گولیاں ان کے سروں پر سے گذر رہی تھیں اور دوسرے زوردار دھماکے نے زمین لرزا کر رکھ دی تھی۔

اچانک ہی کمانڈر شاہین کے پاؤں زمین نے جکڑ لئے ان کے ساتھی مجاہد خان کے شاید سر میں گولی لگی تھی۔ تینوں ساتھی اس پر جھک کر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن مجاہد خان نے بمشکل ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا۔ وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے.....

شاید ایک منٹ بھی زندگی نے انہیں مہلت نہیں دی تھی.....!

کمانڈر شاہین کی طرف دیکھ کر وہ مسکرائے اور اپنی جان جان آفریں کو سونپ دی کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں کے لئے یہاں ایک لمحہ رکنا بھی نقصان دہ تھا۔ انہوں نے جھک کر اپنے شہید ساتھی کے ماتھے کو بوسہ دیا۔ دوسرے مجاہد نے ان کی آنکھیں اپنے ہاتھ سے بند کیں اور کمانڈر شاہین کے تعاقب میں بھاگنے لگے.....

یہ کوئی پہاڑی علاقہ تھا جہاں خودرو جھاڑیوں نے جنگل کا سماں باندھ رکھا تھا.....!

اپنے اندازے سے وہ شمال کی سمت میں بھاگ رہے تھے اب تعاقب میں ہونے والی فائرنگ کی آوازیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں.....

انہیں بھاگتے ہوئے قریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا جب اچانک ایک ساتھی نے کمانڈر شاہین کو دائیں طرف قریباً سو گز کے فاصلے پر کسی سرخ رنگ کی ٹارچ کی روشنی حرکت کرتے دکھائی۔ یہ پہلا سگنل تھا جو انہیں ملا.....

چاروں بڑے محتاط قدموں سے اس کی طرف بڑھنے لگے.....!!

اب ٹارچ کی روشنی کا رنگ تبدیل ہو کر سبز ہو گیا تھا۔ جو دوسرا سگنل تھا چاروں کے دل احساس تشکر سے بھر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تھی اور انہیں ساتھیوں تک پہنچا دیا تھا۔

☆O☆

"کمانڈر شاہین صاحب ....."

انہیں اپنے عقب میں آواز سنائی دی۔

کمانڈر شاہین نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک مقامی نوجوان ان کی طرف بانہیں پھیلائے کھڑا تھا۔ چاروں نے باری باری اس سے مصافحہ کیا.....

"میرا نام اکرام ہے".....

اس نے اپنا تعارف کروایا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

چاروں اس کے پیچھے پیچھے قریباً ایک گھنٹہ تک چلتے رہے۔ اکرام نے انہیں بتایا کہ یہ سہارنپور کا علاقہ ہے اور انہیں ڈیرہ دون لے جایا جا رہا تھا۔ مقامی مجاہدین نے جو لشکر جرار کی طرف سے یہاں کے "نظم" کے انچارج تھے کمانڈر عابد کاشمیری کے حکم پر ان کے فرار کا منصوبہ بنایا۔ یہاں انہیں یہ افسوسناک خبر بھی سننے کو ملی کہ نوائے پر حملہ کرنے والوں میں سے دو مقامی ساتھی شہید ہو گئے ہیں جب کہ باقی اللہ کے فضل سے بخیریت نکل چکے ہیں۔

اپنے مقامی ساتھیوں کی شہادت اور ایثار نے ان کے دلوں کو گرما دیا۔

اکرام بھائی انہیں ڈیڑھ گھنٹہ تک پیدل چلاتے رہے اس دوران انہوں نے اپنے کندھے پر لٹکے بیگ سے انہیں کھانے کے لئے خشک گوشت دیا تھا جسے مجاہدین نے ان کے بضد ہونے پر کھایا تھا کیونکہ "تربیت" کے مطابق اس وقت اکرام بھائی ہی ان کے انچارج تھے۔

جسم کو کچھ توانائی مدتوں بعد حاصل ہوئی تھی جس نے کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں کو بہت حوصلہ دیا وہ رات دیر گئے تک سفر کرنے کے بعد ایک قصبے کے نزدیک پہنچ گئے جہاں ایک کھیت میں انہیں چھپا کر اکرام بھائی چلے گئے۔

اکرام بھائی کی واپسی قریباً پندرہ منٹ بعد ایک اور ساتھی کے ساتھ ہوئی جس نے گرم جوشی سے سب سے معانقہ کیا اور اب وہ سڑک کی طرف جا رہے تھے۔

سڑک کنارے پہلے سے کھڑی ایک پک اپ میں انہیں بٹھا دیا گیا جس کے اگلے حصے میں کچھ گتے کے ڈبے پڑے تھے تاکہ کسی کو اس بات کا شک نہ گزرے کہ اس میں مجاہد چھپے ہوئے ہیں۔ کمانڈر شاہین اور ساتھیوں سے انہوں نے پہلے ہی آئندہ سفر میں پیش آنے والی مشکلات کے لئے معافی مانگی کیونکہ انہیں پھنس کر ڈبوں کے درمیان سفر کرنا تھا۔

ان کے اپنے تئیں جذبات نے مجاہدین کے دلوں میں ان کے لئے بے حد احترام پیدا کر دیا تھا۔ اس سفر کا اختتام علی الصباح ہوا۔ پک اپ جہاں رکی وہ شاید کوئی

گاؤں تھا جس کے باہر ہی مقامی ساتھیوں نے کھیتوں کے وسیع سلسلے میں اپنا "ہائیڈ آؤٹ" (HIDE OUT) بنا رکھا تھا۔

چاروں کو یہاں ٹھہرایا گیا۔

سب سے پہلے سب نے نماز اور نوافل شکرانہ ادا کئے جس کے بعد مقامی ساتھیوں کی طرف سے ان کے لئے پرتکلف ناشتہ پیش کیا گیا اور انہیں سونے کی ہدایت کی گئی۔ چاروں تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئے۔

کمانڈر شاہین کی آنکھ کھلی تو ظہر کا وقت ہو رہا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد پھر انہیں پرتکلف کھانا دیا گیا اور اکرام بھائی نے بتایا کہ رات کو کسی وقت یہاں کے ایریا کمانڈر ابراہیم صاحب ان سے ملنے آئیں گے.....

اب انہیں بے چینی سے حافظ ابراہیم صاحب کا انتظار تھا کیونکہ کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے ابھی تک ان کے ساتھ کام نہیں کیا تھا اس لئے وہ انہیں نہیں پہچانتے تھے لیکن عشاء کے بعد جب ابراہیم صاحب تشریف لائے تو کمانڈر شاہین نے انہیں پہچان لیا کیونکہ وہ ان کے ساتھ تین سال پہلے فیضان بھائی کے نام سے مقبوضہ کشمیر میں جہاد کر چکے تھے۔

دونوں جذباتی انداز میں ان سے بغل گیر ہو گئے.....!

☆O☆

کمانڈر ابراہیم نے رات دیر گئے ان سے مشاورت کی اور تازہ ترین حالات سے آگاہ کرنے کے بعد کہا کہ لشکر جرار کے کمانڈر عابد کاشمیری کو حکومت نے گرفتار کر لیا ہے۔ حالات بدترین ہو گئے ہیں اور پاکستان میں تمام ہمارے ساتھی یا تو گرفتار ہو چکے ہیں یا پھر زیر زمین چلے گئے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ کمانڈر صاحب کے ساتھ آخری رابطے میں ایک اہم منصوبہ طے پایا تھا اور مجلس شوریٰ نے طے کیا تھا کہ مجاہدین کا مورال بلند کرنے کے لئے اور بھارتی

حکومت کو اس بات کا احساس دلانے کے لئے کہ مجاہدین امریکہ سے ڈرنے یا دبنے والے نہیں بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ کیا جائے اور وہ اپنے کمانڈر کے اس حکم پر عمل ضرور کریں گے۔

کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھیوں کے پاس انکار کی گنجائش کہاں تھی؟ وہ تو خود زخم خوردہ تھے اور جانے کب سے دشمن کو سبق سکھانے کے لئے تڑپ رہے تھے انہوں نے فوراً کمانڈر ابراہیم کی ہاں میں ہاں ملائی اور کمانڈر ابراہیم نے انہیں بتایا کہ انہوں نے اس سلسلے میں اب تک کیا تیاریاں کر رکھی ہیں۔

مقامی تنظیم کا ہوم ورک شاندار تھا۔

کمانڈر شاہین ان کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی منصوبہ بندی اور ٹائمنگ ایسی زبردست تھی کہ وہ عش عش کر اٹھے۔ کمانڈر ابراہیم نے انہیں بتایا کہ یہ ساری منصوبہ بندی ان کے اس ساتھی کی قربانیوں کی مرہون منت ہے جو پارلیمنٹ ہاؤس میں ایک معمولی سی جاب کر رہے ہیں لیکن جنہوں نے اس آپریشن میں اپنی جان داؤ پر لگا کر عملی شمولیت اختیار کی ہے۔

"اَللّٰھُمَّ ذِدْفِزِد"۔۔۔۔۔

بے اختیار مجاہدین کے منہ سے نکلا۔

تین روز تک وہ اسی محفوظ ٹھکانے پر چھپے رہے۔ چوتھے دن انہوں نے اپنے سفر کا دہلی کی طرف آغاز کیا۔ یہ سفر انہیں دو گروپوں کی صورت میں کروایا گیا تھا اور مجاہدین پسنجر ٹرینوں سے چھوٹے چھوٹے سفر طے کرتے دہلی پہنچے تھے۔

دو دن بعد وہ دہلی میں اپنے ٹھکانے پر اکٹھے ہو گئے اگلے روز پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ اس محفوظ ٹھکانے پر کمانڈر ابراہیم نے انہیں ہتھیار اور بارود پہنچا دیا تھا اور انہیں بتا دیا تھا کہ کس طرح حملہ کرنا ہے۔

اس روز کمانڈر ابراہیم اور کمانڈر شاہین نے "ریکی" کر کے صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں ان کے "ساتھی" نے انہیں ساری بلڈنگ کا معائنہ کروا دیا

تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد انہیں کس راستے سے راہ فرار اختیار کرنی ہے کس راستے پر سیکورٹی زیادہ ہوتی ہے اور کس پر کم۔۔۔۔۔

شام کے بعد جب دونوں اپنے ٹھکانے پر پہنچے تو انہیں یقین تھا کہ یہ حملہ کامیاب رہے گا اور وہ ضرور مطلوبہ نتائج حاصل کر کے رہیں گے۔

☆O☆

اگلے روز دن کے دس بجے انہوں نے اپنے منصوبے پر عمل کا آغاز کر دیا۔۔۔۔۔!

کمانڈر ابراہیم کی طرف سے مہیا کردہ بھارتی پیرا ملٹری فورس کی وردیاں انہوں نے پہن لیں اپنے ہتھیار سنبھال لئے اور ان کے دو گروپ بن گئے۔

کمانڈر شاہین اور ان کے تینوں ساتھی ایک گروپ میں جب کہ کمانڈر ابراہیم گاڑی کے ڈرائیور کے روپ میں ان کے ساتھ تھے۔ اس گروپ نے مین گیٹ کی طرف سے حملہ کرنا تھا جب کہ دوسرے گروپ میں جس کی کمان اکرام بھائی کر رہے تھے مخالف سمت سے حملہ آور ہونا تھا۔ نوافل اور دعا سے فارغ ہو کر اکرام بھائی اور ان کے ساتھی ایک گاڑی میں وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کی روانگی کے پانچ منٹ بعد دوسری گاڑی میں دوسرا گروپ چل دیا۔ ابراہیم گاڑی چلا رہے تھے کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھی اپنی گنیں حملے کی پوزیشن میں کئے چوکس بیٹھے تھے۔

گاڑی پارلیمنٹ بلڈنگ کے مین گیٹ پر پہنچ گئی۔۔۔۔۔

سیکورٹی والے شاید اندھے ہو گئے تھے انہوں نے گاڑی دیکھتے ہی "بیریئر" اٹھا دیا۔

کمانڈر ابراہیم نے گردن گھما کر مسکراتے ہوئے کمانڈر شاہین اور ساتھیوں کی طرف دیکھا جنہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے "تائید غیبی" قرار دیا۔

منصوبے کے مطابق پارلیمنٹ بلڈنگ کی "مین انٹرنس" (Main

(Entrance کے سامنے انہوں نے بریک لگائی تو وین میں سوار کمانڈر شاہین اور ان کے تینوں ساتھی کود کر باہر آ گئے۔

اور..... کمانڈر ابراہیم گاڑی کو تیزی سے نکال کر بلڈنگ کی دوسری سمت لے گیا۔

کمانڈر شاہین اور ان کے تینوں ساتھیوں نے فوراً اپنے ہاتھوں میں پہلے سے تیار ہینڈ گرینڈ قریباً پندرہ گز کے فاصلے پر موجود سیکورٹی والوں پر پھینک دیئے۔ اس ناگہانی مصیبت کے لئے وہ کب تیار تھے چاروں کے پرخچے اڑ گئے۔

لیکن..... اس حملے کے ساتھ ہی حفاظت کے لئے موجود پیرا ملٹری فورسز کے جوان چوکس ہو گئے اور ان کے ساتھ مجاہدین کی ٹھن گئی۔

کمانڈر شاہین اور ان کے ساتھی بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دوسری طرف مکمل خاموشی طاری تھی.....

''مقامی ساتھیوں'' کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

کمانڈر ابراہیم جس نے بارود سے دھماکہ کرنا تھا گاڑی سمیت غائب ہو چکا تھا۔

بڑی پریشان کن صورتحال تھی.....

ان کے پاس موجود گولیاں ختم ہو رہی تھیں اور دوسری طرف بھارتی فورسز کی تعداد اور فائرنگ میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا.....

''کمانڈر صاحب.....؟''

ایک ساتھی نے چلا کر شاید کمانڈر شاہین کو صورت حال کی سنگینی کا احساس دلایا۔ کمانڈر شاہین بہر حال مومن تھا جسے ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا تھا اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ وہ دھوکے کا شکار ہو گئے ہیں.....

''دھوکہ ہو گیا ساتھیو.....''

انہوں نے چلا کر کہا۔

''کیا حکم ہے کمانڈر صاحب.....''

دوسرے ساتھی نے دریافت کیا۔

''زندہ گرفتاری نہ دینا''.....

کمانڈر شاہین نے زندگی کا آخری حکم جاری کیا اور مجاہدین تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر شہادت گاہ الفت میں کود پڑے.....

وہ فائرنگ کرتے سیدھے اسی سمت بڑھ رہے تھے جدھر سے بھارتی بلیک کمانڈوز نے ان پر حملہ کیا تھا۔

ان کے جارحانہ انداز نے ایک مرتبہ تو دشمن پر کپکپی طاری کر دی۔ پہلے ہی حملے میں اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے اور قرآنی آیات کا ورد کرتے اللہ کے ان شیروں نے چھ سات بلیک کمانڈوز کو چاٹ لیا..... پھر ایک ایک کر کے وہ حق بندگی ادا کرتے گئے۔

سب سے پہلے کمانڈر شاہین نے جام شہادت نوش کیا ان کے باقی ساتھیوں نے شہید کمانڈر کے جسد خاکی کے گرد لیٹ کر پوزیشنیں لیں لیکن بمشکل چار پانچ منٹ بعد وہ بھی راہی ملک عدم ہو گئے۔

چاروں شہادت پاتے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹ گئے تھے لیکن بھارتی فوجیوں نے سب سے پہلے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کی لاشوں کی نمائش لگا دی۔

☆O☆

دہشت گردی

پارلیمنٹ کے اس اہم اجلاس کی کوریج کے لئے بھارتی اور بین الاقوامی پریس کے کیمرہ مین یہاں پہلے سے موجود تھے جنہوں نے اس اہم واقعہ کی ایک ایک تفصیل کو سلولائیڈ کے فیتے پر منتقل کرلیا تھا۔ چند منٹ بعد بھارتی وزیر داخلہ' وزیر خارجہ اور ہر قابل ذکر حکومتی نمائندہ دنیا بھر کو چیخ چیخ کر اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر دہائی دے رہا تھا۔ بھارتی حکومت نے اس حملے کی ذمہ داری پاکستانی ایجنسی آئی ایس آئی پر عائد کی تھی اور بھارتی وزیراعظم نے اسے بھارت کی خودمختاری' جمہوریت اور سالمیت پر حملہ قرار دے کر ساری دنیا سے اپیل کی تھی کہ وہ پاکستان سے سفارتی تعلقات توڑ لے۔

بھارتی الیکٹرانک میڈیا نے پاکستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اپنے معمول کے پروگرام روک کر وہ لوگ مسلسل "پارلیمنٹ پر پاکستانی دہشت گردوں کے حملے" کا راگ الاپ رہے تھے۔

چاروں شہیدوں کی لاشیں قطار میں سجائی ہوئی تھیں۔ بھارتی حکومت کی طرف

سے چاروں کے پاکستانی شناختی کارڈ' ان کے نمبر' گھروں کے ایڈریس اور تصاویر جاری کر دی گئی تھیں۔ کمانڈر شاہین کی شخصیت ایسی نہیں تھی جسے کوئی پہچاننے سے انکار کرتا۔

حکومتی اہلکاروں نے فضا ایسی جذباتی بنا دی تھی کہ فی الوقت وہاں موجود عالمی پریس کی ساری ہمدردیاں بھارت کے ساتھ تھیں۔

دنیا بھر کی حکومتوں کی طرف سے اس حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے بھارتی جمہوریت پر حملہ قرار دیا جا رہا تھا اور حملہ آوروں کی سخت زبان میں مذمت کی جا رہی تھی۔

امریکہ' لندن اور دوسرے قابل ذکر یورپی ممالک میں بھارتی سفارت کاروں نے پاؤں سر پر رکھ لئے تھے وہ ہر قابل ذکر شخصیت کے پاس خود بھاگ بھاگ کر جاتے اور اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی دہائی دے کر پاکستان کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرتے۔

بھارتی صدر نے اپنے ہنگامی خطاب میں اس واقعہ کو پاکستان کی طرف سے اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا اور امریکہ سے اپیل کی کہ وہ پاکستان کے خلاف کارروائی کرے۔ دہلی میں پاکستانی ہائی کمیشن پر بلوائیوں نے حملہ کر دیا جنہیں بمشکل پولیس نے روکا اس کے باوجود درجنوں پتھر ہائی کمیشن کی عمارت میں گرے۔ امریکہ' کینیڈا' لندن' فرانس اور جرمنی میں پاکستانی سفارتی مراکز کے باہر بھارتی باشندوں نے احتجاجی مظاہرے کئے۔

غرض ہر وہ ممکن ذریعہ جس سے پاکستان کے خلاف عالمی فضا کو مسموم کیا جا سکتا تھا اختیار کیا گیا اور بھارتی وزیر دفاع نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ بھارتی افواج کو فوراً بین الاقوامی سرحدوں پر مورچے سنبھالنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔

اگلے روز شام تک بھارتی فوجیں "ریڈ الرٹ" پر آ گئی تھیں۔

بھارتی فضائیہ کے جہازوں نے پاکستانی سرحد کے ساتھ ساتھ اڑانیں بھرنی شروع کر دی تھیں جبکہ بھارتی نیوی کے جہاز جارحانہ انداز اپناتے ہوئے پاکستانی سمندری ساحل سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہو رہے تھے۔

☆O☆

''را'' کے ہیڈکوارٹر میں پارلیمنٹ پر حملے کی براہ راست فلم دکھائی جارہی تھی۔

ڈی جی' ڈائریکٹر آپریشن' ڈائریکٹر سی آئی اور پاکستانی ڈیسک کے انچارج دوسرے افسران کے ساتھ بیٹھے اس نظارے سے لطف اندوز ہوتے بغلیں بجارہے تھے۔

''ویل ڈن تیواری..... ویل ڈن''.....

ڈی جی نے ڈپٹی ڈائریکٹر آپریشن تیواری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے تکلفی سے کہا۔

اس آپریشن کا انچارج تیواری تھا جس نے کمال ہوشیاری سے سارا آپریشن پلان کیا اور اپنے انتہائی قابل اعتماد آفیسر ور ما ملک (ابراہیم) کے ذریعے اسے کامیابی سے انجام دیا۔ اس آپریشن کی پلاننگ جب تیواری نے افسران کے سامنے پیش کی تو اس پر کئی طرح کے اعتراضات لگائے گئے تھے ....

ڈائریکٹر سی آئی نے تو اسے ناقابل عمل قرار دے دیا تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ ''آپریشن کشمیر اسمبلی'' کا انجام دیکھ چکے تھے۔

لیکن..... تیواری اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

اس نے وزیر داخلہ جانکی داس سے اپنی عزیز داری کا فائدہ اٹھا کر اس تک براہ راست رسائی حاصل کی تھی اور وزیر داخلہ نے براہ راست ڈی جی کو حکم دیا تھا کہ اس آپریشن کی اجازت دی جائے۔

تیواری نے تو اس کا نام ہی ''آپریشن وجے'' رکھا تھا اور اس نے ''وجے'' (جیت) حاصل کر لی تھی۔

وہ لوگ جنہوں نے اس منصوبے کی مخالفت کی تھی اب منہ چھپاتے پھر رہے تھے اور ڈی جی نے سکاچ کی بوتل کھولتے ہوئے جب ''جام فتح'' لنڈایا تو سب سے پہلے اس کا جام تیواری کے جام سے ہی ٹکرایا تھا۔

''واہ تیواری دل خوش کر دیا یار تو نے تو.....''

اس نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے تیواری سے کہا۔

''سر! ہمارے تو ہاتھ بندھے ہیں ورنہ انہیں تگنی کا ناچ نچا دوں سر.....''

تیواری نے بڑا سا گھونٹ حلق میں انڈیل کر زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

ڈائریکٹر آپریشن جس نے خود اپنے ڈپٹی کے اسی آپریشن کی مخالفت کی تھی کھسیانا ہو کر ایک طرف کھڑا تھا۔

''دیکھتا ہوں انہیں..... کیا جواب دیتے ہیں.....''

تیواری نے اس کی طرف عجب سی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''سر! تیواری صاحب نے ایسا کٹ لگایا ہے کہ ابھی مہینوں زخم سے لہو رستا رہے گا''

تیواری کے اسسٹنٹ نے اپنے صاحب کی چمچہ گیری کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بات تو ہے بھئی ۔ ''

ڈی جی نے قہقہہ لگایا.....

ایک مرتبہ تو انہوں نے واقعی پاکستانی انٹیلی جنس کو سرپرائز دے دیا تھا۔ ایسا زبردست منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل درآمد کروانا اور وہ بھی اتنی کامیابی سے کہ کسی بھی مرحلے پر دشمن کو شک نہ گزرے کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

بھارتی حکومت کی طرف سے بار بار حملہ آوروں کے نام اور ایڈریس جاری کئے جارہے تھے۔ یہ سب وہ تفصیلات تھیں جو گرفتاری پر افغانستان میں مرنے والوں سے ایف بی آئی نے حاصل کی تھیں اور بھارت کے وفادار پنچ شیری وزیر نے بھارتی انٹیلی جنس کو پہنچائی تھیں۔

ان معلومات کو جھٹلانا پاکستان کے لئے بظاہر ممکن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ''را'' نے بڑا گہرا زخم لگایا تھا۔

☆O☆

بریگیڈیئر جہانزیب اور ان کے ساتھی کل دوپہر سے مسلسل میٹنگ روم میں موجود تھے.....

حملے کی خبر موصول ہوتے ہی ہائی کمان کی میٹنگ شروع ہوگئی تھی۔ اب تک انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اس بات کی تصدیق کر لی تھی کہ اس حملے سے پاکستانی انٹیلی جنس یا کسی بھی مجاہد تنظیم کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہی کسی نے پاکستان سے وہاں موجود کسی بھی حملہ آور کو کوئی ہدایت دی ہے۔

تمام ثبوت اکٹھا کرنے کے بعد اب وہ جنرل صاحب کے سامنے موجود تھے۔ اس وقت ایک بڑی سکرین پر حملے کی وہ تمام ممکنہ تصاویر اور فلمیں چلائی جا رہی تھیں جو انہیں عالمی ذرائع ابلاغ سے حاصل ہوئی تھیں۔

''سر آپ کی توجہ چاہوں گا''.....

کرنل خان نے ایک جگہ فلم روک کر انہیں متوجہ کیا۔

اس منظر میں وہ گاڑی گیٹ میں داخل ہو رہی تھی جس کے ذریعے حملہ آور پارلیمنٹ ہاؤس میں داخل ہو رہے تھے۔

''ان کی ٹائمنگ دیکھیں سر! کہ حملے کے آغاز ہی سے اس کی فلم بھی بنانی شروع کر دی لیکن اس منظر سے آپ کو سارا کھیل سمجھ آ جائے گا.....''

یہ کہتے ہوئے انہوں نے آپریٹر سے کہا کہ وہ وین چلانے والے کی شکل نمایاں کرے جس نے کچھ بٹن آگے پیچھے کر کے ابراہیم کا چہرہ نمایاں کیا جو وین چلا کر یہاں تک لایا تھا۔

کرنل خان کی ہدایت پر ابراہیم کے چہرے کے مختلف انداز سے دس بارہ پرنٹ بنائے گئے جس کے فوراً بعد بریگیڈیئر جہانزیب نے ایک فائل نکال کر ان کے سامنے رکھی یہ ''ٹاپ سیکرٹ'' فائل تھی جس میں ابراہیم ہی کی تصویریں لگی تھیں لیکن اس کا نام ابراہیم کی بجائے ور ملک رکھا تھا .....

''سر! وہی ور ملک ہے جسے دو سال پہلے پرسن ٹان گریٹا (PNG) قرار دے کر سری لنکا گورنمنٹ نے اپنے ہاں سے نکالا تھا۔ یہ شخص لشکر جرار میں بھی Under Cover رہ کر کام کر چکا ہے۔ جب ہم اس کے نزدیک پہنچے تو یہاں سے نکل چکا تھا جس کے بعد اسے ''را'' نے سری لنکا میں انڈین قونصلیٹ میں پرنسپل آفیسر لگایا اور یہ تاملوں کے ساتھ سری لنکا گورنمنٹ کے خلاف سازش کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا.....''

''ہوں ں ں.....تو یہ بات ہے''

جنرل صاحب کو ساری چال سمجھ آ گئی تھی۔

وہ جان گئے تھے کہ پنچ شیری وزیر نے بھارتیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں جو کشمیری مجاہدین بطور تحفہ دیئے تھے ان میں سے اس گروپ کو (Cut Out) ''کٹ آؤٹ'' بنایا گیا۔ چونکہ وہ لوگ کمانڈر شاہین کو پہچانتے تھے جس کا ریکارڈ پہلے سے بھارتی انٹیلی جنس کے پاس محفوظ ہے اس لئے نگاہ انتخاب بھی اسی پر ٹھہری.....

تھوڑی دیر بعد ساری رپورٹ اور تفصیلات وزیراعظم کو فراہم کر دی گئیں اور اس رات ایک اعلیٰ سطحی وفد ڈی جی آئی ایس آئی کی سربراہی میں امریکہ روانہ ہوگیا جس نے امریکن حکومت کے سامنے سارا کیس پیش کرتے ہوئے اسے بتا دیا کہ ابھی قریباً دو سو اور مجاہدین بھی بھارت کے پاس موجود ہیں جن سے ''را'' اس نوعیت کی کوئی اور کارروائی کروا کر پاکستان کے کھاتے میں ڈال سکتی ہے۔

پینٹاگان میں امریکن انٹیلی جنس کمیونٹی کے عالمی دماغوں کے ساتھ ہونے والی اس میٹنگ میں ڈائریکٹر ایف بی آئی نے لشکر جرار کے سپریم کمانڈر عابد کاشمیری کے ملوث میں لئے جانے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ پندرہ روز سے اس کا رابطہ باہر کی دنیا کے ساتھ ناممکن بنا دیا گیا ہے اس لئے اس کی طرف سے کوئی ہدایت جاری ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

پاکستانی وفد کی طرف سے ملنے والی ناقابل تردید شہادتوں کی تصدیق سی آئی

اے نے اپنے لامحدود ذرائع سے اگلے دو گھنٹے میں کر دی تھی اور رات کے دوسرے پہر جب امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ اس میٹنگ میں شامل ہوئے تو وہ پاکستانی وفد کے نقطہ نظر تسلیم کر چکے تھے.....!!

دوسرے روز علی الصبح پریذیڈنٹ کو ساری رپورٹ پیش کر دی گئی جس کے بعد امریکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے پریس کانفرنس میں جو بیان جاری ہوا اس کی زبان گزشتہ روز جاری ہونے والے بیان سے بالکل مختلف تھی۔ پہلے بیان میں صدر نے پاکستانی حکومت کو وارننگ کے انداز میں دہشت گردوں پر قابو پانے کی تلقین کی تھی لیکن اس بیان میں انہوں نے دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے کردار کو سراہتے ہوئے وزیراعظم کی تعریف کی اور دونوں ہمسایہ ملکوں بھارت اور پاکستان سے (Cool Down) ہونے کے لئے کہا تھا۔ امریکن حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ سیکرٹری آف سٹیٹ اگلے ہفتے دہلی اور اسلام آباد کے دورے پر جا رہے ہیں تاکہ دونوں ممالک کو آپس میں بات چیت کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

☆O☆

گیتا پاٹھک کی زندگی کی بہترین عیاشی چرس نوشی تھی اور وہ حیران رہ گئی جب اپنے فلیٹ پر پہنچنے کے بعد شیرازی نے اسے پاؤ بھر چرس بطور تحفہ پیش کر دی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا..... بھئی میں اتنی دولت مند نہیں اس کی قیمت تو ہزاروں میں ہوگی.....''

''ارے میڈم کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ..... یہ تحفہ ہے میری طرف سے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ناں میرے انکل آفریدی پٹھان صاحب..... بھول گئیں کیا..... آپ مطمئن رہئے اور خود کو تمام فکر سے آزاد کر دیجئے''۔

اس نے گیتا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

گیتا کے لئے یہ زندگی کا ایسا زبردست سرپرائز تھا کہ وہ بے اختیار شیرازی سے

لپٹ گئی۔

''You are great.....(تم عظیم انسان ہو)''

اس نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔

اور..... چرس نوشی شروع کر دی۔

راحیل کے لئے اس کا دھواں ناقابل برداشت ہو رہا تھا لیکن اسے بہرحال یہ کچھ برداشت کرنا تھا گیتا پاٹھک نے یہ جانا جیسے زندگی میں وہ آخری مرتبہ اس نشے کا لطف اٹھا رہی ہے وہاں بھارت میں تو بڑی منتوں کے بعد اسے ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد دو چار سگریٹ کا نشہ میسر آتا تھا اور یہاں درجنوں سگریٹ کی ڈبیوں کا نشہ مفت مل گیا تھا.....

اس نے ''چین سموکنگ'' شروع کر دی۔

راحیل اس اثنا میں کبھی چائے' کبھی کافی کے بہانے وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں جاتا رہا اور اب وہ اس کے لئے کھانا لینے جا رہا تھا۔

''ارے چھوڑو یار..... آج صرف پینے کو دل کرتا ہے کھانے کو نہیں''.....

اس نے اچانک اپنے بازو اس کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں..... دیکھئے ناں آپ میری مہمان ہیں اور پلیز اب بس کیجئے آپ کی حالت ٹھیک نہیں آپ جب تک یہاں ہیں یہ کوئی مسئلہ نہیں..... میں تو کہتا ہوں دو تین کلو اپنے ساتھ بھارت بھی لے جائیے..... یہاں سے میں نکلوا دوں گا..... وہاں آپ سنبھال لیں''.....

اس نے بڑی ہوشیاری سے اسے خود سے الگ کر کے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالا۔

''میں کیا ہوا میری حالت کو..... کیا ہوا''.....

گیتا نے نشے سے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور اس کے بعد اس نے جو حرکت شروع کی وہ راحیل کے لئے اتنی اچانک

اور گھبرا دینے والی تھی کہ ایک مرتبہ تو اس کے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے.....

نشے میں دھت گیتا پاٹھک نے ایک ایک کر کے خود کو کپڑوں سے بے نیاز کرنا شروع کر دیا۔

اس سچوایشن کے لئے وہ کب تیار تھا.....

''میڈم.....میڈم پلیز.....دیکھئے میڈم''.....

اس نے گیتا کو اپنی طرف بڑھنے سے روکنا چاہا لیکن وہ اس تک پہنچ ہی گئی۔

راحیل نے پھر اسے خود سے الگ کیا تو گیتا پلنگ پر ڈھیر ہو گئی۔

شاید اسے خمار چڑھنے لگا تھا۔

انگریزی میں اول فول بکتے ہوئے وہ لمبی تان کر سو گئی اور راحیل نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ دوسرے کمرے میں جا کر ٹی وی دیکھنے لگا۔

☆O☆

گیتا پاٹھک کی آنکھ شام گئے کھلی تھی.....!

راحیل نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ نارمل تھی۔ شاید اس کو اپنی حالت کا احساس ہو گیا تھا کیونکہ راحیل نے اس پر چادر پھینک دی تھی۔

گیتا نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں راحیل کی بے وقوفی پر مسکرا کر انہیں پہن لیا.....اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس نوجوان نے جو یورپ اور شرق اوسط کے ہوٹلوں میں کام کر چکا ہے اس صورت حال سے فائدہ نہیں اٹھایا؟.....

''بے وقوف ہے سالا''.....

اس نے خود سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

لیکن.....شیرازی کے کردار نے اسے متاثر بہت کیا تھا۔

''کچھ پسند نہیں آیا کیا''.....

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا گیتا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نو میڈم.....ایسی بات نہیں.....لیکن میں امانت میں خیانت کا مرتکب کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ میری مہمان تھیں.....ہم ذرا مختلف قسم کے لوگ ہیں میڈم.....''

اس نے نوعمر لڑکوں کی طرح شرماتے ہوئے کہا تو گیتا پاٹھک کو یوں لگا جیسے شیرازی چپکے سے اس کے دل میں اتر کر کہیں دھونی لگا کر بیٹھ گیا ہے۔

''بہت عجیب لوگ ہو تم''.....

اس نے انگریزی میں راحیل کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس Complement کے لئے شکریہ میڈم''.....

راحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ راحیل کے ساتھ ہوٹل جا رہی تھی۔ اس نے شیرازی کے ذریعے کوئی بڑا اسکوپ مارنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اب اس کی تیاری کر رہی تھی۔

شام ڈھلے راحیل اس سے رخصت ہو گیا اب اسے گیتا پاٹھک کی گفتگو سننی تھی جس کا بندوبست پہلے سے ہو چکا تھا۔

☆O☆

اس کی توقعات کے عین مطابق گیتا کے ہوٹل پہنچنے تک شرما کی طرف سے تین چار ٹیلی فون میسج اس کے لئے موجود تھے۔ گیتا نے اب اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ کیپٹن راحیل کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

''او ہو تم کہاں غائب ہو گئی تھیں''

شرما نے چھٹتے ہی کہا۔

''ارے شرما جی.....کچھ مت پوچھو یار.....اس لڑکے نے تو وہ موج مستی کروائی کہ.....''

اپنی بات کا خاتمہ اس نے سسکاری لے کر کیا۔

''ہیں ہیں .....مجھے تو اب خطرہ پیدا ہونے لگا ہے اس سے''

شرما نے ذومعنی سی بات کہہ دی۔

''ارے ہمارے ایسے نصیب کہاں حضور..... سالا بالکل گدھا ہے گدھا..... جیسی گئی تھی ویسی ہی واپس لوٹ آئی ہوں..... بے فکر رہو شرما جی..... آپ کی منگیتر کی عزت کم از کم اس ملک میں محفوظ ہے''.....

اس نے کہا تو شرما نے فون پر لمبا سکون کا سانس لیا۔

''تھینک گاڈ Thank God میں تو ڈر گیا تھا یار''.....

''شرما! ایک بڑا کام مل رہا ہے..... سنو گے''.....

اس نے اچانک ہی شرما سے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں''؟.....

شرما کی بے چینی بڑھی.....

گیتا پاٹھک نے اسے شیرازی کے کمالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ''القاعدہ'' کے تین مفرور لیڈروں سے اس کے انٹرویو کا بندوبست کر رہا ہے۔

''ان لوگوں کا اسامہ سے قریبی تعلق ہے اور انہوں نے یہاں پناہ لے رکھی ہے اس کے گاؤں میں''.....

گیتا نے کہا تو شرما کی رال ٹپک پڑی۔

''Do it ڈارلنگ Do it''

اس نے شدت جذبات سے بے قابو ہو کر کہا۔

''لیکن شرما جی مہاراج..... یہ میرا ''جرنلسٹ سکوپ'' ہوگا۔ میں خود اپنا ''سٹف'' فروخت کروں گی..... میری بات سمجھ گئے ناں تم کوئی ڈیل نہ کرنا.....''

''او۔ کے او۔ کے''.....

شرما اس کی ہر شرط ماننے کے لئے بے چین تھا۔

اس نے گیتا پاٹھک کو بالکل ''فری ہینڈ'' دے دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ وہ روپے پیسے

کی کچھ پرواہ نہ کرے۔

گیتا نے فون کو آنکھ مار کر کریڈل رکھ دیا۔

☆O☆

راحیل اب اگلی تیاریاں کر رہا تھا۔

اب تک سب کچھ اس کی توقعات کے مطابق ہو رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ گیتا کے ذریعے وہ ضرور اپنے مخالفین کو چاروں شانے چت کر دے گا۔ کرنل وروگ نے اس کے لئے تمام وسائل اوپن رکھے ہوئے تھے اور بریگیڈیئر صاحب خود اس آپریشن کی کمانڈ کر رہے تھے وہ پل پل کی کارروائی سے باخبر تھے اور انہیں امید تھی کہ کیپٹن راحیل ضرور متوقع نتائج حاصل کر لے گا۔

اگلے روز صبح ناشتے پر ہی گیتا پاٹھک نے اسے طلب کر لیا.....!!

رات کو وہ انڈین ہائی کمیشن گئی تھی وہاں معاملات طے کرنے کے بعد دیر گئے اس کی واپسی ہوئی تھی اور اب اس کی طرف سے فون آنے کا مطلب یہ تھا کہ اس نے ہائی کمیشن میں اپنے لوگوں کو شیرازی کے متعلق مطمئن کر لیا ہے۔

''اتنی صبح میڈم.....''

اس نے گیتا کے کمرے میں گھستے ہی اسے صبح بخیر کے بعد کہا۔

گیتا ایک کونے میں کھڑکی کے نزدیک کھڑی سگریٹ پی رہی تھی۔

''نو بج رہے ہیں اور تم اسے صبح کہہ رہے ہو''...

گیتا نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔

''میرا مطلب تھا آپ جیسے بڑے لوگ تو بارہ بجے تک .....''

''ارے نہیں شیرازی یار..... میں کوئی ''بڑی لوگ'' نہیں اور یہ تم میڈم میڈم کیا کرتے رہتے ہو یوں لگتا ہے جیسے میں تمہاری کلاس ٹیچر ہوں..... ارے بھئی گیتا نام ہے میرا گیتا پاٹھک .....''

اس نے اچانک آگے بڑھ کر اس کے اتنے قریب ہو کر یہ بات کہی تھی کہ گیتا کے منہ سے سگریٹ کی بدبو سیدھی راحیل کی ناک میں گئی تھی..... صبر شکر کر کے وہ کھڑا رہا.....

''چلو ناشتہ کر لیں..... کیا کھاؤ گے..... یہاں منگوا لیں''.....

اس نے راحیل سے کہا اور فون پر کمرے میں ناشتے کا آرڈر دینے لگی۔

''ناشتہ آنے تک تم ٹی وی دیکھو.....''

اس نے واش روم میں گھستے ہوئے کہا اور راحیل نے ٹی وی آن کر دیا۔

ناشتے کی آمد کے ساتھ ہی اس کی واپسی ہو گئی تھی اور اب دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''دیکھو شیرازی..... اب تک تم نے جو کچھ کیا وہ تو چلے گا..... لیکن اب نہیں''.

اس نے ٹوس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں مس گیتا''.....

شیرازی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''دیکھو شیرازی سیدھی بات ہے۔ میں پروفیشنل جرنلسٹ ہوں..... مجھے کام کرنے کے پیسے ملتے ہیں اچھا نہیں لگتا کہ تم اس طرح اپنا وقت اور پیسہ ضائع کرو''.....

اس نے قدرے سنجیدگی اختیار کی.....

''اوہ مس پاٹھک..... پلیز پلیز..... وعدہ کیجئے آپ اس ٹاپک پر دوبارہ بات نہیں کریں گی..... پلیز.....''

شیرازی نے کچھ اس طرح بچوں کے انداز میں یہ بات کہی کہ گیتا پاٹھک کے لئے واقعی بات کرنا ممکن نہ رہا۔ اُس نے یہ سمجھا جیسے شیرازی سارے بھارت میں گھومنے کا ویزہ ملنے کی امید پر ہی سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔

''او۔ کے او۔ کے..... اچھا شیرازی ایک پرابلم آ گئی ہے۔ اگر تم کچھ مدد کر سکو تو؟''

گیتا نے کہا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''فرمائیے''.....

''میرا ویزہ پرسوں ختم ہو رہا ہے۔ جبکہ تم سے ملنے کے بعد اتنی جلدی واپس جانے کو جی نہیں چاہتا..... اگر تم.....''

''اوہ نو پرابلم مس گیتا..... امیگریشن آفس میں ہمارے ایک انکل بڑے سینئر آفیسر ہیں سمجھیں یہ کام ہو گیا..... اور کوئی حکم؟''.....

اس نے بڑے احترام اور دلربانہ انداز میں گیتا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اور وہ انٹرویو.....''!

گیتا نے اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

''پلیز..... مس گیتا ضرور ہو گا لیکن میں نے کہا ناں یہاں دیواروں کے بھی کان ہو سکتے ہیں''.....

اس نے گیتا کو خبردار کیا۔

اور..... گیتا نے اس کی بات مان لی۔

دونوں اب کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔ اس نے شیرازی سے کہا تھا کہ جیسے ہی وہ ''القاعدہ'' کے ممبران کا انٹرویو ریکارڈ کر کے لائیں گے گیتا اسے انڈین ہائی کمیشن میں اپنے ساتھ لے جائے گی اور اسے سارے بھارت میں سیر سپاٹے کرنے کا خصوصی ویزہ اور اجازت نامہ دلائے گی۔

شیرازی اس پیشکش پر اس کا جی جان سے شکر گزار ہو رہا تھا۔

اس نے روانگی سے پہلے اپنے ''انکل'' کو فون کر کے اپنی انڈین دوست کی پرابلم بتا دی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ ابھی امیگریشن آفس جا کر گیتا پاٹھک کے لئے پندرہ دن کا مزید ویزہ حاصل کر سکتا ہے۔

اب دونوں شیرازی کی گاڑی میں امیگریشن آفس جا رہے تھے۔ گیتا پاٹھک دیکھ

کر حیران رہ گئی کہ شیرازی کے یہاں بہت سے جاننے والے موجود تھے۔

''اپنا آنا جانا لگا رہتا ہے مس گیتا.....''

اس نے گیتا کے تعریف کرنے پر کہا۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد گیتا پھر اس کے فلیٹ پر آ گئی تھی جہاں اس نے دوبارہ جی بھر کے چرس نوشی کی اور ایک مرتبہ پھر آؤٹ آف کنٹرول ہو کر وہی حرکت دہرائی جو اس سے پہلے وہ کر چکی تھی لیکن اس مرتبہ راحیل ذہنی طور پر اس کے لئے تیار تھا اس نے بڑے اطمینان سے گیتا کو اپنے کام پر لگایا اور خود ایک ضروری فون کال کرنے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

☆O☆

لیزا مارٹن کے اغوا کو آج چھ روز ہو رہے تھے۔

ابھی تک اغوا کرنے والوں کی طرف سے صرف تین ای میل موصول ہوئی تھیں جو انہوں نے پاکستان کے مختلف شہروں میں موجود انٹرنیٹ کلبوں سے کی تھیں جہاں سے ای میل کرنے والے کو تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔

ایف بی آئی کی ایک ٹیم پاکستان میں پولیس کی مدد کے لئے پہنچ چکی تھی اور اب وہ مل کر اغوا کاروں کو تلاش کر رہے تھے لیکن ایسے چالاک لوگوں تک پہنچنا فی الوقت ان کے لئے بھی ممکن نہیں تھا۔

پیرزادہ سے پاکستان اور امریکہ کی خفیہ ایجنسیوں کے ماہرین مسلسل تفتیش کر رہے تھے اسے اب تک متعدد مرتبہ امریکنوں نے کیوبا لے جانے کی دھمکی دی تھی۔

لیکن..... حیرت انگیز طور پر اس کی صحت پر اس دھمکی کے اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے اس کا شروع سے اب تک ایک ہی بیان تھا کہ لیزا مارٹن نے انٹرویو کے لئے رابطہ ضرور کیا تھا لیکن ابھی ان دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ وہ اغوا ہو گئی اور اس کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں نہ ہی وہ اغوا کاروں کے متعلق کچھ جانتا ہے۔ اس نے امریکن اور

پاکستانی دونوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پیرزادہ کو نفسیاتی طور پر دباؤ ڈال کر اس سے اپنی مرضی کا بیان لے لیں گے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں کیونکہ جو جرم اس نے کیا ہی نہیں اسے وہ تسلیم کیسے کر سکتا ہے۔

کیوبا لے جانے کی دھمکیوں کے جواب میں اس نے کہا تھا کہ وہ اس سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ ذاتی طور پر ہمیشہ اس قسم کی صورت حال کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس کی بے اندازہ دولت سے متعلق سوالات کے جوابات میں اس نے ان لوگوں کی بھرپور تسلی کرا دی تھی اور انہیں اس بات کے ثبوت مل گئے تھے کہ پیرزادہ کے پاس کوئی بلیک منی نہیں بلکہ وہ انکم ٹیکس بھی باقاعدگی سے ادا کرتا ہے.....

اعلیٰ عدالت نے اس کے وکیل کی درخواست پر فیصلہ دے دیا تھا کہ پیرزادہ کو ملک سے باہر لے جانے کے لئے عدالت کی اجازت ضروری ہو گی اب وہ مطمئن ہو کر اس کمرے میں بیٹھا تھا جہاں اسے قید رکھا گیا تھا لیکن اس کی عبادت و ریاضت پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔

☆O☆

کمانڈر رشید اور عباس رات دیر گئے تک باتیں کرتے رہے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان سے نادانستگی میں کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے.....

لیزا مارٹن کے اغوا کے ساتھ ہی دو تین اہم واقعات نے پاکستان کے خلاف فضا خاصی مسموم کر دی تھی۔ ہر اہم واقعہ میں ''لشکر'' ہی کا نام استعمال ہو رہا تھا اور خاص طور پر گرجا گھر پر حملے کے بعد تو حکومت نے لشکر جرار کو غیر قانونی قرار دے کر اس پر پابندی لگا دی تھی۔ کمانڈر عابد کاشمیری پہلے ہی سے گرفتار تھے اب قریباً ہر قابل ذکر کمانڈر کو پولیس نے گرفتار کر لیا تھا یا پھر وہ روپوش ہو چکے تھے۔

دونوں نے یہ قدم اپنی اعلیٰ قیادت کے علم میں لائے بغیر اٹھایا تھا اور صرف مقامی ساتھیوں کی معاونت حاصل کی تھی دونوں ہی اس بات پر پریشان ہو رہے تھے کہ پولیس ان

کے اچانک غائب ہو جانے پر ان کے متعلق ضرور شک کرے گی۔

انہیں یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ جلد یا بدیر پیرزادہ صاحب کہیں ان لوگوں کو یہ بات نہ بتا دیں کہ انہوں نے لیزا مارٹن کے متعلق ان دونوں سے گفتگو کی تھی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ پیرزادہ نے واقعی اپنی تفتیش کرنے والوں سے اس ملاقات یا واقعہ کا ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ کبھی یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عباس یا کمانڈر رشید کسی امریکن جرنلسٹ کو اغوا کر لیں گے۔

اس نے ان دونوں کا ذکر تک نہیں کیا تھا محض اس خوف سے کہ ان کے نام سنتے ہی یہ لوگ دونوں کو اٹھا کر لے آئیں گے کیونکہ پیرزادہ کو اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ اس نے لیزا مارٹن کے فون کے بعد سے جتنے لوگوں کے ساتھ ملاقات کا ذکر کیا تھا ان سے ایجنسیوں نے تفتیش کی تھی۔

''کمانڈر صاحب .... میرے خیال سے ہمیں لیزا مارٹن کو چھوڑ دینا چاہئے''

عباس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ہاں عباس! میں بھی یہی بات سوچ رہا ہوں..... اب اسے مزید قید رکھنے سے ملک کے لئے کوئی بڑا مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے..... بھارتیوں نے اس سے پہلے بھی بہت مسائل کھڑے کر دیئے ہیں''.....

کمانڈر رشید نے کہا۔

''آپ جانتے ہیں کمانڈر صاحب کہ کمانڈر شاہین کو شمالی اتحاد والوں نے گرفتار کر لیا تھا''.....

عباس نے کہا۔

''ہاں..... ہمیں تو اس بات کا بھی علم ہو گیا تھا کہ انہیں بطور تحفہ بھارتی حکومت کے سامنے پیش کر کے اس بدبخت پنچ شیری وزیر نے نہ جانے کتنے پیسے حاصل کئے تھے اور اب اخبارات میں یہ خبر شائع ہونے کے باوجود کسی نے نوٹس نہ لیا''

کمانڈر رشید نے کف افسوس ملا۔

''نتیجہ سامنے آ گیا..... میرا دل گواہی دیتا ہے کمانڈر شاہین بھی کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ تو بہت سمجھدار تھے..... بھارتی قید سے اگر فرار بھی ہو جاتے تو بھی اعلیٰ کمان کو اعتماد میں لئے بغیر وہ پارلیمنٹ پر حملہ کیسے کر سکتے تھے''؟

عباس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''میرے عزیز ہمارا محاصرہ کیا جا رہا ہے..... گھیراؤ ہو رہا ہے..... دشمن کو گردش حالات نے موقعہ فراہم کر دیا ہے کہ وہ جہادی قوتوں پر بھرپور ضرب لگا کر اپنی دیرینہ خواہش پوری کرے اور وہ ایسی اتمام حجت کا اہتمام کر رہے ہیں جس سے اپنے اس گھناؤنے عمل کو جائز ثابت کر سکیں..... اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے..... بہرحال ہم اگلے دو روز میں لیزا مارٹن کو رہا کر دیں گے..... اب اس فیصلے میں ترمیم کی گنجائش نہیں.....''

کمانڈر رشید نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''جو حکم کمانڈر صاحب''.....

عباس نے کہا اور دونوں مطمئن ہو گئے۔

☆O☆

ان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ دروازے سے لگی نبیلہ نے ان کی باتیں سن لی ہیں۔

اسے اس بات سے اتفاق نہیں تھا.....

''نہیں لیزا مارٹن..... تمہیں زندہ رکھنے کے لئے یہاں نہیں لایا گیا تھا''.....

اس نے دل ہی دل میں کہا اور جس طرح دبے قدموں یہاں تک گئی تھی اسی طرح واپس لوٹ آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ عباس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ اس کا ذہن ابھی تک عباس اور کمانڈر رشید کی گفتگو میں الجھا ہوا تھا جبکہ اپنے کسی بھی عمل سے اس نے اس کا اظہار نہیں

ہونے دیا تھا۔

☆O☆

''مسٹر شکتی آپ دشمن کو (Under Estimate) انڈر ایسٹیمیٹ کر رہے ہیں.....''

ڈیوڈ نے بے چینی اور غصے کے ملے جلے جذبات سے یہ فقرہ قدرے بلند آواز میں کہا تو اس کے ساتھ بیٹھا تیواری بھی چونکے بغیر نہ رہا۔ اسے ڈیوڈ کا یہ لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

''را'' اور ''موساد'' کی یہ ہنگامی میٹنگ دہلی میں ہو رہی تھی۔ ''موساد'' کو اس بات پر اعتراض تھا کہ حسب سابق ''را'' نے منصوبے میں تردد بدل شروع کر دیا ہے۔

''نہیں مسٹر ڈیوڈ! ایسی کوئی بات نہیں لیکن میرے خیال سے آپ بھی انہیں Over Estimate کر رہے ہیں..... اتنے سمجھدار ہوتے تو اب تک کچھ کر چکے ہوتے''.....

شکتی کو اس بات پر غصہ آ گیا تھا کہ ''موساد'' نے خواہ مخواہ آئی ایس آئی کی تعریف کیوں کی۔

''آخر آپ اس معاملے کو اتنا کیوں کھینچ رہے ہیں..... یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے.....''

ڈیوڈ نے براہ راست سوال کیا۔

''Sensation (سنسنی)''

شکتی کے بجائے تیواری نے کہا تو ڈیوڈ کے ساتھیوں کو اچھا نہیں لگا۔

''یہ Sensation (سنسنی) کبھی کبھی معاملہ چوپٹ بھی کر دیا کرتی ہے مسٹر تیواری..... ہمارا تجربہ کم از کم یہی ہے''.....

ڈیوڈ کے ساتھی ہاکس نے کہا۔

''ہر شخص اپنے اپنے تجربات کے حوالے سے رائے قائم کرتا ہے شری مان''.....

تیواری نے سگریٹ کے دھوئیں کو مرغولے کی صورت چھت کی طرف اچھالا۔

''دیکھئے مسٹر شکتی ہمارے معاہدے میں یہ کچھ شامل نہیں تھا جو آپ کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے اپنے حصے کا سارا کام طے شدہ اصولوں کے مطابق کیا ہے۔ آپ نے تین چار دن میں کھیل ختم کرنے کے لئے کہا تھا لیکن آج دس دن ہونے کو آ رہے ہیں اور.....''

''اور آپ کو چاہئے تھا کہ اپنے باقی ایڈونچر بھی ہمارے علم میں لاتے.....''

ڈیوڈ کی بات کو ہاکس نے آگے بڑھایا۔

''دیکھئے ہمیں صورت حال کے مطابق کچھ تبدیلی کرنا پڑی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہم سے جو کچھ ممکن ہوا وہ کیا گیا۔ آپ بھی یہی کچھ کرتے..... مقصد تو ہمارا دشمن کو زک پہنچانا ہے ناں''.....

شکتی کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

''بہر حال آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ امریکن بہت چوکنے ہو گئے ہیں اور انہوں نے وہ کچھ سوچنا شروع کر دیا ہے جو ہم دونوں کے لئے بہتر ثابت نہیں ہوگا..... ان کی اپنی بھی کچھ Obligations ہیں خصوصاً 11 ستمبر کے بعد وہ اپنے فیصلے آزادی سے اور دوسروں کو اعتماد میں لئے بغیر کر رہے ہیں''.....

ڈیوڈ نے شاید اسے احساس دلانے کی کوشش کی تھی کہ امریکنوں کو یہ ''انوا'' مشکوک دکھائی دینے لگا ہے کیونکہ بھارتی میڈیا کی طرف سے وقت سے پہلے جاری ہونے والی خبروں نے سی آئی اے کو چوکس کر دیا تھا اور ان لوگوں نے ان لائنوں پر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ ''موساد'' نے ایک مرتبہ پھر بھارتیوں کے ساتھ مل کر کوئی نیا کھیل رچایا ہے۔

کارل سمتھ کی موت نے امریکنوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس مسئلے پر پینٹاگان اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی تھی۔ ایونا۔

سی آئی اے کی طرف سے مسلسل یہ شکایت سامنے آ رہی تھی کہ ''موساد'' نے انہیں اعتماد میں لئے بغیر امریکہ میں مذموم سرگرمیاں شروع کر رکھی ہیں جبکہ انٹیلی جنس کمیونٹی کا ایک بڑا حصہ جو یہاں کے عالی دماغوں پر مشتمل تھا 11 ستمبر کے حملوں کو ''موساد'' کی کارروائی قرار دینے پر تلا ہوا تھا اور اب تک اس نوعیت کی ایک اہم رپورٹ عوام کے لئے بھی چھپ کر سامنے آ چکی تھی.....

یہ بات تو ہر ذمہ دار امریکی جانتا تھا کہ سی آئی اے نے موساد کی طرف سے کسی بڑی ممکنہ کارروائی سے متعلق سرکاری حلقوں کو پہلے سے خبردار کر رکھا تھا۔

''مسٹر ڈیوڈ ہمیں آپ کی ذمہ داریوں کا احساس ہے لیکن پلیز آپ ہماری مجبوری کو بھی سمجھیں۔ اگر ایک اچھا پتہ مدت کے بعد ہاتھ لگا ہے تو اسے اپنی مرضی سے کھیلنے دیں..... امریکن کیا سوچتے ہیں میرے خیال سے یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ کچھ کرنے سے پہلے کم از کم ہمیں اعتماد میں نہیں لیتے.....''

بالآخر تیواری نے میدان سنبھالنا چاہا۔

''بہرحال مسٹر تیواری اس کھیل کو اب ختم کرنا ہوگا اس سے پہلے کہ ہم سب ننگے ہو کر سامنے آ جائیں حیرت ہے آپ کے دونوں آپریشن اپنے رزلٹ سمیت سامنے آ چکے ہیں اور آپ پھر بھی.....''

ڈیوڈ نے جان بوجھ کر بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

تیواری جانتا تھا کہ مقبوضہ کشمیر اسمبلی اور پارلیمنٹ پر حملے کے دونوں آپریشن آئی ایس آئی نے ناکام بنا دیئے تھے یہ تو ان کی ڈھٹائی کی انتہا تھی کہ انہوں نے اس کے باوجود اس منصوبے کے اگلے مرحلے پر عمل کرتے ہوئے اپنی فوجیں سرحدوں پر کھڑی کر دی تھیں کیونکہ بین الاقوامی میڈیا کی انہیں بھرپور معاونت مل گئی تھی اور شاید امریکن بھی ان کے تئیں سافٹ کارنر رکھتے تھے۔

''ٹھیک ہے مسٹر ڈیوڈ..... ہم اس کھیل کو ختم کرنے جا رہے ہیں''.....

تیواری نے بالآخر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"All the Best"

ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"Thank You"

تھکن کے تنے ہوئے اعصاب بھی ڈھیلے پڑنے لگے۔

☆O☆

تعاقب اور.....

دونوں آج میران شاہ جا رہے تھے.....!!

شیرازی کی خواہش پر اس نے اپنے کیمرہ مین کو اسلام آباد میں رکنے کے لئے کہا تھا۔ وہ تو اسے ساتھ لے جانا چاہتی تھی لیکن شیرازی نے جو بظاہر بے حد محتاط دکھائی دے رہا تھا گیتا کو منع کر دیا تھا۔

''مجھ سے اچھا کیمرہ مین نہیں وہ..... اور مس گیتا میں کسی بھی طرح کا خطرہ کم از کم ''آپ کے رسک'' پر مول نہیں لے سکتا..... آپ ان لوگوں کو نہیں جانتیں۔ وہ سب سے پہلے اس بات کا شک کریں گے کہ ہمارے ساتھ ضرور کوئی ایجنسی کا آدمی ہے اور بہت دیر لگ جائے گی ہمیں یہ ثابت کرنے میں کہ وہ غلط سوچ رہے ہیں''۔

اس نے کہا۔

اور..... گیتا پاٹھک نے آمنا صدقنا کہہ دیا۔

وہ تو اب شیرازی پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنے لگی تھی اگر شیرازی اسے کہتا

کہ وہ کنویں میں چھلانگ لگا دے تو بھی شاید وہ کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرتی۔

شیرازی نے زبردستی اسے کیمرے پر تین چار منٹ کی ایک ریکارڈنگ کر کے دکھائی تھی جس کا رزلٹ دیکھ کر گیتا پاٹھک ہی نہیں اس کے ساتھ موجود مقامی کیمرہ مین بھی عش عش کر اٹھا تھا۔

''تم تو بالکل پروفیشنل لگتے ہو''.....

گیتا نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''ذرہ نوازی ہے آپ کی محترمہ''.....

اس نے کورنش بجالاتے ہوئے کہا تو گیتا کھلکھلا کر ہنس دی۔

دونوں ڈیرہ اسماعیل خان تک شیرازی کی گاڑی میں ہی آئے تھے۔ شیرازی اسے تمام راستے ہنساتا ہوا لایا تھا اس نے گیتا پاٹھک کو یہ احساس دلا دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ زندگی کا بھرپور اور کبھی نہ بھلایا جانے والا سفر کر رہی ہے اور گیتا پاٹھک نے اس سچائی کو دل سے قبول کر لیا تھا۔

ایک ہوشیار صحافی اور ایجنٹ ہوتے ہوئے بھی اس نے شیرازی کے سامنے سپر ڈال دی تھی۔ اس کی زندگی میں ایسا مکمل اور جاندار مرد پہلے کبھی نہیں آیا تھا اور اپنی دانست میں اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اب شیرازی کو دنیش شرما والا مقام دے کر رہے گی خواہ اس کی کچھ بھی قیمت اسے ادا کرنی پڑے۔

شیرازی اس کے حواس پر سوار تھا۔ اس کے دل و دماغ پر قابض تھا اور اپنی کالج لائف کے بعد شاید زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اس تلخ حقیقت کو محسوس کر لیا تھا کہ وہ شیرازی کی محبت کی اسیر ہو چکی ہے..... یہ الگ بات کہ شیرازی پر اسے معمولی اثرات بھی دکھائی نہیں دیتے تھے۔ گیتا پاٹھک کو اس کے کردار نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا شاید پہلا ایسا انسان تھا جس نے گیتا پاٹھک کی طرف سے متعدد بھرپور مواقع ملنے کے باوجود اس کے جسم کو چھوا تک نہیں تھا حالانکہ گیتا جانتی تھی وہ اسے پسند کرتا ہے۔

رات کا کھانا انہوں نے شیرازی کے ایک واقف کار کے ہاں کھایا تھا.....

''آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن ہمیں باقی سفر رات ہی کو پورا کرنا ہے.....''

شیرازی نے اس سے کہا۔

گیتا کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا اہم بات ہو سکتی تھی.....!!

☆O☆

رات ایک پہر ڈھل چکی تھی جب انہوں نے اس سے آگے میران شاہ کی طرف سفر کا آغاز کیا۔ اس نے گیتا پاٹھک کو جیکٹ پہنا کر بالکل مرد کی شکل دے دی تھی کیونکہ اس کی کٹنگ مردانہ تھی۔ دونوں ایک جیپ میں سفر کر رہے تھے جسے کوئی تیسرا شخص چلا رہا تھا جو گیتا کو اس وقت کباب میں ہڈی دکھائی دے رہا تھا اس کا بس چلتا تو اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتی۔

''اس کی کیا ضرورت تھی''؟

اس نے بالآخر شیرازی سے کہہ ہی دیا۔

''مجھے آگے راستے کا علم نہیں..... یہ ہماری ایجنسی نہیں یہاں ہم ایک دوست کی معرفت جا رہے ہیں اور یہ کوئی عام ڈرائیور نہیں بڑا مشہور طالبان لیڈر ہے''.....

اس نے گیتا کو انگریزی ہی میں سمجھایا۔

ڈرائیور نے جب ''طالبان'' لفظ پر اچانک گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا تو گیتا کچھ گھبرا گئی۔

شیرازی نے اس سے پشتو میں کچھ کہا اور پھر گیتا سے مخاطب ہوا۔

''میں نے اسے کہا ہے کہ جرنلسٹ طالبان کو بہت پسند کرتی ہے اور تمہارے لئے بہت کچھ کرنا چاہتی ہے''.....

گیتا نے مطمئن ہو کر لمبا سانس لیا۔

''ایک بات کہوں شیرازی.....''

اس نے اچانک ہی چلتے چلتے شیرازی کو مخاطب کیا۔

''ہوں''.....

شیرازی نے خمار آلود لہجے میں اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''تم وہ ہرگز نہیں جو بظاہر دکھائی دیتے ہو''.....

اس کی بات نے شیرازی کو چونکا کر رکھ دیا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے نارمل ہو گیا۔

''ہاں مس گیتا کبھی کبھی ہم اندازے کی غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں''۔

اس نے بات مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا۔

''سگریٹ مل جائے گا''.....

گیتا نے اچانک ہی کہا۔

''میرے پاس ہے آپ نے جو سگریٹوں کی ڈبیا تیار کی تھی وہ ساری موجود ہے لیکن بہت معافی چاہتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ یہاں شاید چرس نوشی مناسب نہ ہو کم از کم اس کے سامنے تو.....''

اس نے گیتا کو احساس دلایا۔

شیرازی جانتا تھا کہ ایک کے بعد وہ دوسرا اور پھر مسلسل سگریٹ پیتی رہے گی اور آخر میں اس نے جو حرکت کرنی ہے وہ شاید اس ماحول میں اس کے لئے صحت مند ثابت نہ ہو.....

''او۔ کے''.....

گیتا نے کندھے اچکائے۔

''برا مت ماننے مس گیتا''.....

شیرازی نے معذرت کی۔

''ارے نہیں بھئی..... مجبوری ہے..... چلو واپسی پر سہی''.....

اس نے شیرازی کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اور.....شیرازی کو مجبوراً اپنے دانتوں کی نمائش کرنی پڑی۔

☆O☆

انہیں مسلسل سفر کرتے قریباً اڑھائی گھنٹے ہو گئے تھے اس دوران جیپ کچے پکے ٹیڑھے میڑھے پہاڑی اور میدانی راستوں پر برق رفتاری سے بھاگتی چلی جا رہی تھی بالآخر ایک جگہ وہ لوگ کسی پہاڑی کے دامن میں آ گئے۔

ان کے ساتھ موجود ڈرائیور نے انہیں وہیں رکنے کو کہا اور خود آگے چلا گیا۔

''کہاں گیا ہے''؟

گیتا کو واقعی کچھ خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''اپنے ساتھیوں کو خبر دینے''.....

شیرازی نے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ.....مجھے تو ڈر لگ رہا ہے''.....

وہ بے اختیار شیرازی سے لپٹ گئی۔

''ارے میں ہوں ناں.....ڈرنے کی کوئی بات نہیں''۔

اس نے اپنی دھڑکنیں سنبھالتے ہوئے گیتا کو خود سے الگ کیا اور دونوں وہیں پتھر پر بیٹھ گئے۔

اس کا دھیان بٹانے کے لئے شیرازی اسے اس علاقے سے متعلق الٹی سیدھی معلومات فراہم کرنے لگا۔ اس کی انتہائی کوشش تھی کہ ڈرائیور کے آنے تک گیتا کم از کم اس کے حوالے سے کچھ نہ سوچے۔

ڈرائیور کی واپسی بمشکل پانچ منٹ بعد ہو گئی اس کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی آیا تھا جس نے نزدیک آنے پر دونوں کے منہ پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھا پھر پشتو میں شیرازی سے باتیں کرنے کے بعد انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں آگے آگے چل رہے تھے جبکہ شیرازی اور گیتا ان کے پیچھے پیچھے.....!!

''میں نے ان لوگوں کو تمہاری نیشنیلٹی برٹش بتائی ہے''۔

شیرازی نے اس کے کان میں چلتے چلتے سرگوشی کی۔

''او۔ کے''.....

گیتا نے دل ہی دل میں اسے داد دی۔

اس سفر کا اختتام ایک گاؤں کے باہر بنی حویلی پر ہوا جہاں ایک مسلح پہرے دار ان دونوں کو حویلی کے اندر لے گیا۔

اور.....تھوڑی دیر بعد گیتا پاٹھک اپنی جرنلسٹ لائف کا بہترین سکوپ مار رہی تھی۔

اس کے سامنے ''ابو حفظ'' اور ''ابو نمرہ'' نامی القاعدہ کے دو اہم کمانڈر موجود تھے۔

شیرازی نے بتایا تھا کہ یہ دونوں مصر' سعودی عرب' یمن' مغربی دنیا اور امریکہ میں کافی عرصے سے مطلوب ہیں۔

کمرے کے واحد دروازے پر پڑے ٹاٹ کے پردے سے روشنی باہر چھن کر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

کیمرہ لائٹ میں ان کا انٹرویو ریکارڈ ہونا شروع ہوا۔ دونوں نے گیتا کے سوالات کا پشتو میں جواب دیا۔ شیرازی اس کے کیمرہ مین اور ''انٹرپریٹر'' دونوں کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

صبح کی اذان سے کچھ دیر پہلے ہی گیتا کا انٹرویو مکمل ہوا۔ اس نے اپنی زندگی کا شاندار انٹرویو ریکارڈ کر لیا تھا اور اس یقین تھا کہ ایک مرتبہ اس کے آن ایئر جانے کے بعد ساری دنیا میں صرف ایک ہی نام گونجے گا اور وہ نام ہو گا گیتا پاٹھک.....!!

ریکارڈنگ کا پروگرام چیک کرنے کے لئے اس نے تین چار مرتبہ انٹرویو کو کیمرہ وی سی آر پر چلا کر چیک بھی کیا تھا اور حیرت انگیز حد تک شاندار رزلٹ پر بہت مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

☆O☆

''میرے خیال سے اب نکلیں ..... ہمیں سورج نکلنے تک ڈی آئی خان پہنچنا ہے''.....

شیرازی نے اسے گزرتے وقت کا احساس دلایا۔

''اوہ''.....

گیتا نے گھڑی کی طرف دیکھا اور قہوے کی پیالی سے لمبا گھونٹ بھر کر رکھ دیا۔

اب دونوں رخصت ہو رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر وہی ''طالبان'' ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ گیتا پاٹھک نے ریکارڈنگ کیسٹ کیمرے سے نکال کر اپنے پاس اس طرح محفوظ کر لی تھی کہ مرنے کے بعد ہی اس کے جسم سے الگ ہو سکے۔ اس نے اس کیسٹ سے بہت کچھ حاصل کرنا تھا اپنے بہت سے ادھورے خواب پورے کرنے تھے اور اس کے ذریعے اسے بالآخر سارے میڈیا پر چھا جانا تھا۔

جیپ نے انہیں وہیں لا کر چھوڑا جہاں سے انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

گیتا کو اپنی کامیابی ''سیلیبریٹ'' کرنے کے لئے فوراً کوئی بھی نشہ درکار تھا لیکن محتاط شیرازی نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے نشہ فراہم کرنے سے معذرت کر لی اور اسے اس طرح مطمئن کیا کہ گیتا کو متعدد مرتبہ اس کا شکریہ ادا کرنا پڑا۔

دونوں اس محفوظ ٹھکانے پر گئے۔

گیتا کے بضد ہونے کے باوجود شیرازی نے اس کے کمرے میں سونے سے انکار کر دیا تھا۔

''یہ بڑے ظالم لوگ ہیں اگر کسی کو اس بات کا شک بھی ہو گیا کہ میں نے رات آپ کے کمرے میں گزاری ہے تو صبح میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیلوں کو کھلا دیں گے..... شاید آپ کو کچھ نہ کہیں کیونکہ یہ کم بخت غیر ملکیوں کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن مجھے..... نہ باباناں..... میری توبہ..... مجھے تو فوراً مار ڈالیں گے ان کا ہم زبان اور ہم قبیلہ جو

ہوں میں.....''

اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اس طرح اپنی بات مکمل کی کہ گیتا پاٹھک کی ہنسی نکل گئی۔

گیتا ایسی بھی سیدھی سادی نہیں تھی کہ اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی۔ وہ جانتی تھی کہ شیرازی اس کی صحبت سے احتراز برت رہا ہے۔

اور..... اس کی شخصیت کا یہ پہلو گیتا کے دل کو بھا گیا تھا۔

اس کا واسطہ زندگی میں آج تک ایسے انسان سے نہیں پڑا تھا جسے اپنی دہشت دکھانے کے اتنے مواقع مل رہے ہوں اور وہ ان سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

وہ کوئی بھی تھا لیکن اس کے کردار نے گیتا جیسی آزاد منش جرنلسٹ کا دل جیت لیا تھا۔

صبح دیر گئے گیتا کی آنکھ کھلی کیونکہ سورج نکلنے کے بعد تک وہ سگریٹ نوشی کرتی رہی تھی۔ دوپہر کے بعد جب وہ نیند سے بیدار ہوئی تو دوسرے کمرے میں موجود شیرازی اس کے لئے کھانے کا بندوبست کر رہا تھا۔ اس نے جانے کیسے یہاں گیتا کے لئے کافی کا انتظام کر لیا تھا۔ گیتا کو ہر ممکن سہولت شیرازی کی طرف سے میسر آ رہی تھی۔

کھانا دونوں نے اکٹھے کھایا اور شیرازی کی گاڑی میں اسلام آباد کی طرف چل دیئے.....!!

گیتا نے اسے سیدھے ہوٹل جانے کے لئے کہا تھا..... راستے میں شیرازی اس کا دھیان بٹانے کے لئے اسے کار میں لگے ٹیپ ریکارڈر پر گانے سناتا آیا تھا۔ گیتا کے لئے ان بھارتی گانوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن آج اسے ہر چیز بہت اچھی دکھائی دے رہی تھی۔

اچانک ہی اس نے ایک عجیب و غریب بات شیرازی سے کہہ دی۔

''اگر کبھی میرے ساتھ شرما صاحب بھی ہوں تو پلیز اس انٹرویو کا ذکر نہ کرنا''.....

''جیسے آپ کا حکم''.....

اس نے گردن گھما کر گیتا کی طرف دیکھا۔

''شرما سرکاری ملازم ہے میرا منگیتر ضرور ہے لیکن بزنس از بزنس..... میں نہیں چاہتی کہ یہ انٹرویو اس کے علم میں آئے میں اسے براہ راست اپنے چینل کو دینا چاہتی ہوں اور کوئی بات نہیں''۔

اس نے بڑی رازداری سے شیرازی کو اعتماد میں لینا چاہا۔

''جیسے آپ کی مرضی میڈم..... ظاہر ہے آپ اس بات کو زیادہ بہتر سمجھتی ہیں اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو اس نام کے کسی صاحب کو جانتا ہی نہیں..... بلکہ آپ یوں سمجھئے کہ میں نے آپ کے ساتھ کوئی سفر کیا ہی نہیں.....''

اس نے گیتا کو مطمئن کیا۔

''نہیں یہ بڑے ہوشیار لوگ ہوتے ہیں۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہارے ساتھ گئی ضرور ہوں لیکن وہاں القاعدہ کے لوگ مل نہیں سکے۔ میران شاہ میں امریکی آپریشن کی خبر سن کر وہ فرار ہو چکے تھے اور بس.....''

گیتا نے اسے تلقین کی۔

''ایسا ہی ہوگا محترمہ..... ویسے بائی دی وے..... یہ شرما صاحب ہیں کون؟''

اس نے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

''دیکھو شیرازی تم میرے بہترین دوست بن گئے ہو۔ میں زندگی میں کبھی کسی مرد سے اتنا متاثر نہیں ہوئی اس لئے تم سے جھوٹ بولنے کو جی نہیں چاہتا..... شرما ہے تو ڈپلومیٹ لیکن ان لوگوں کو تم جانتے ہی ہو..... یہ کچھ بھی ہو سکتے ہیں اور یہ میرا تجربہ ہے کہ ہائی کمیشن بھارتی ہو یا پاکستانی دونوں کے لوگوں کا خفیہ ایجنسیوں سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق

ہوتا ہے..... ویسے وہ میرا ہونے والا شوہر بھی ہے.....''

اس نے یہ بات کہہ کر اپنی دانست میں شیرازی کے احسانات کا کسی حد تک قرض اتارنے کی کوشش کی تھی۔

''چھوڑیئے مس گیتا ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔ میں جانتا ہوں ان لوگوں کو..... اس لئے میں ان ڈپلومیٹس سے دور ہی رہتا ہوں۔''

اس نے گیتا سے لاپروائی سے کہا۔

رات ڈھل رہی تھی جب وہ اسلام آباد ہوٹل میں پہنچے۔ شیرازی اسے ڈراپ کر کے چلا گیا تھا اسے امید تھی کہ یہ بیل ضرور منڈھے چڑھے گی۔

☆O☆

لیزا مارٹن کے لئے زندگی جہنم بن کر رہ گئی تھی.....

اسے اب دن اور رات کے کسی بھی حصے میں وہ لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ کر سیر کے لئے باہر نکالتے اور سیر کرواتے رہے اب تو اسے اندھے انسانوں کی طرح اس بات کا اچھی طرح تجربہ ہو گیا تھا کہ کتنے قدم چلنے کے بعد اسے واپسی کے لئے گھومنا ہے اور کہاں سے سیدھے ہو کر دوسری سمت کا رخ کرنا ہے۔

پہلے پہل تو صاعقہ اس کا بازو پکڑ کر اسے چلایا کرتی تھی لیکن اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ صاعقہ اسے لان میں لا کر چھوڑ دیتی اور خود نگرانی پر بیٹھ جاتی۔ اس دوران کئی مرتبہ لیزا کا دل چاہا کہ وہ کسی بہانے آنکھوں پر چڑھا ربڑ بینڈ ہٹا کر یہ تو دیکھ لے کہ آخر یہ کون سی جگہ ہے؟

لیکن..... اپنی اس خواہش پر وہ کبھی عمل نہ کر سکی۔

اسے یہی خوف دامن گیر رہا کہ جیسے ہی اس کا ہاتھ منہ کی طرف گیا نزدیک موجود کسی نگران کی بندوق سے نکلی گولی اسے چاٹ جائے گی۔

اسی دوران اس کے کھانے پینے کا مکمل خیال رکھا گیا۔ اس نے بازار سے اپنے

لئے ادویات منگوائیں جو اسے فراہم کر دی گئیں لیکن صاعقہ نے ان تمام ادویات کو اپنے کنٹرول میں رکھا تھا صرف طلب کرنے پر لیزا مارٹن کو متعلقہ دوا فراہم کی جاتی تھی۔

لیزا مارٹن عباس اور صاعقہ کی شکل دیکھتے ہی ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتی تھی۔ اس نے متعدد مرتبہ ان کی منت سماجت کی کہ اس کا رابطہ امریکہ میں کسی سے بھی کروا دیا جائے اس نے یقین دلایا کہ وہ ایسا کوئی کلو نہیں دے گی جس سے اس کی حالت یا اس جگہ کا علم ہو سکے لیکن نہ اسے کبھی کسی سوال کا جواب ملا نہ ہی اس کی اس نوعیت کی فرمائش پوری کی گئی۔ البتہ عباس کی طرف سے اسے صرف یہ کہا جاتا تھا کہ ان کا رابطہ امریکن حکومت سے قائم ہے اور جیسے ہی وہ اغوا کاروں کی ڈیمانڈ پوری کریں گے اسے رہا کر دیا جائے گا۔

لیزا مارٹن نے یہ بات بطور خاص محسوس کی تھی کہ گزشتہ چار پانچ روز سے عباس کا رویہ اس کے تئیں خاصا نرم تھا اس کی گفتگو میں بھی الجھاؤ دکھائی پڑتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لوگ لیزا مارٹن کے متعلق کوئی اہم فیصلہ نہیں کر پا رہے۔

البتہ صاعقہ کا رویہ روز بروز سخت ہوتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے زبردستی لیزا مارٹن پر ظلم کرنے یا اسے قتل کرنے سے روکا جا رہا ہو.....

لیزا مارٹن کو کبھی کبھی ٹی وی دیکھنے کی اجازت ملتی تھی جس پر اسے صرف فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ پڑھنے کے لئے اسے مرضی کا اخبار نہیں دیا جا رہا تھا۔ اسے اس بات کا ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ یہاں کتنے روز سے قید ہے اور نہ ہی اس بات کا علم کہ اس قید سے کبھی زندگی میں رہائی بھی مل پائے گی یا نہیں؟

ان لوگوں کے حفاظتی انتظامات سے تو یوں دکھائی دیتا تھا جیسے ان تک کبھی پولیس نہیں پہنچ پائے گی .... انہوں نے ابھی تک سوائے ایک خط لکھوانے کے لیزا مارٹن سے اور کچھ نہیں لکھوایا تھا۔ البتہ اس کی تصاویر کیمرے سے ضرور اتاری گئی تھیں اور اس کا اپنی والدہ اور اخبار کے ایڈیٹر کے نام پیغام بھی ریکارڈ کیا گیا تھا۔

☆O☆

آج جب صاعقہ اسے باہر سیر کروانے کے لئے معمول کے مطابق لینے آئی تو وہ بہت غصے میں دکھائی دے رہی تھی۔

''مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ''.....

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی لیزا مارٹن سے کہا تو لیزا کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے اعصاب پر بم پھینک دیا ہو۔

''کک کیا مطلب ہے تمہارا''؟

اس نے خوف سے کپکپاتے لہجے میں دریافت کیا۔

''تمہاری حکومت نے ہمارے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ انہیں تمہاری جان کی قطعی پرواہ نہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم مر جاؤ.....اور اگر وہ یہی چاہتے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے''.....

صاعقہ نے سفاک لہجے میں کہا اور لیزا مارٹن کو اپنے سارے بدن میں خوف اور سنسناہٹ پھیلنے کا احساس ہونے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ابھی کسی بھی لمحے اس کے بدن سے جان نکل جائے گی اور وہ ایک ڈھانچے کی طرح دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گی۔

''گھبراؤ نہیں.....ہم تمہاری لاش ان تک پہنچا دیں گے.....''

صاعقہ نے اس کے خوف سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا .....

''لیکن ٹکڑوں میں''.....

آخری فقرہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی تو لیزا مارٹن کو یوں لگا جیسے اس کے سامنے کوئی عورت نہیں بلکہ ''ویمپائر'' کھڑی ہو۔ اسے امریکہ میں خون پینے والی عورتوں کی دیکھی ہوئی فلمیں یاد آنے لگیں۔

لیزا مارٹن کو اچانک چکر آیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ گرے صاعقہ نے اس کا بازو سختی سے پکڑ لیا

''تم شاید وقت سے پہلے مرنا پسند نہیں کرو گی..... خبردار اگر زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش کی۔ چلو زندگی کی آخری ''واک'' Walk کرلو.....''

اس نے لیزا مارٹن کی آنکھوں پر حسب معمول ربڑ بینڈ لگایا اور اس کا بازو پکڑ کر باہر لے آئی۔ باہر لان میں اس نے لیزا کو چھوڑ دیا اور خونزادہ لیزا مارٹن نے ڈگمگاتے قدموں سے زندگی کی آخری واک (Walk) شروع کردی۔

صاعقہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہی تھی۔

عباس کمرے میں اپنے کام میں مصروف تھا۔

آج صاعقہ نے لیزا مارٹن کو جان بوجھ کر لان کے کنارے پر چھوڑا تھا تاکہ وہ اندازے کی غلطی کا شکار ہو کر دوسرے کونے میں اس دیوار سے ٹکرائے جس کے ساتھ بجلی کی وائرنگ اس نے آج صبح ہی بگاڑ دی تھی اور کچھ تار اس طرح ننگے کردیئے تھے کہ کسی کو اس بات کا اندازہ ہی نہ ہو سکے۔ اس نے اپنی دانست میں ایسا منصوبہ بنایا تھا کہ لیزا مارٹن جلد ہی ان تاروں سے ٹکراتی اور اس کا کام تمام ہو جاتا.....

اس صفائی سے ہونے والے قتل کو سوائے حادثاتی یا اتفاقی کے اور کچھ نہ کہا جا سکتا۔ اب وہ بے چینی سے ان لمحات کی منتظر تھی جب لیزا مارٹن اپنے انجام کو پہنچتی۔ اس کی خواہش تھی کہ عباس یہاں نہ آئے کیونکہ عباس اور کمانڈر رشید نے آج صبح ہونے سے پہلے پہلے لیزا مارٹن کو یہاں سے پندرہ بیس کلومیٹر دور لے جا کر سڑک کنارے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور بڑی رازداری سے وہ اس کا اہتمام بھی کر رہے تھے جبکہ صاعقہ لیزا مارٹن کو یہاں سے زندہ جانے کا موقعہ دینے کو تیار نہیں تھی۔

☆O☆

عباس غیر ارادی طور پر کمرے سے نکل کر ان کی طرف جا رہا تھا جب اچانک اسے لیزا مارٹن کی چیخ سنائی دی اور وہ بھاگ کر لیزا کے نزدیک پہنچا.....

صاعقہ اس سے پہلے وہاں پہنچ کر لیزا کو سہارا دے کر کھڑا کر رہی تھی۔ لیزا کی

خوش قسمتی یا پھر صاعقہ کی بدقسمتی کہ لیزا اس کے بچھائے جال کے بالکل نزدیک پہنچ کر وہاں شیشے کی ایک ٹوٹی ہوئی بوتل پر اچانک پاؤں پڑنے سے گر پڑی۔

وہ ننگے پاؤں سیر کر رہی تھی اور ٹوٹا ہوا شیشہ اس کے پاؤں میں لگنے سے پاؤں سے خون جاری تھا۔ عباس کے اشارے پر صاعقہ نے اسے کندھے پر ڈالا اور تیزی سے اس کے کمرے میں لے آئی۔ عباس اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔

صاعقہ نے چیختی چلاتی لیزا مارٹن کو غصے کی حالت میں پلنگ پر پھینکا تو عباس نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا.....

اس نے لیزا مارٹن کی آنکھوں سے ربڑ بینڈ اتار دیا.....

لیزا خوف کے مارے منہ سے آواز بھی ڈھنگ سے نہیں نکال پا رہی تھی۔ عباس نے اس کے پاؤں کا زخم وہاں موجود ڈیٹول سے دھویا اور اس پر پٹی باندھ دی۔ اس دوران اس نے درجنوں مرتبہ اس حادثے پر لیزا مارٹن سے معافی مانگی تھی.....

اس کے برعکس صاعقہ چپ چاپ ایک طرف کھڑی رہی۔ وہ لیزا مارٹن سے زیادہ عباس کی دلجوئی کر رہی تھی اسے یوں لگا جیسے لیزا مارٹن کے ساتھ پیش آنے والے اس حادثے کا ذمہ دار عباس اسی کو سمجھ رہا ہو.....

وہ دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی کہ اس نے وہاں موجود شیشے کی اس ٹوٹی ہوئی بوتل کو کیوں نظر انداز کر دیا.....

لیزا مارٹن کا زندہ رہنا اس کے لئے کوئی نیک شگون نہیں تھا۔

لیزا مارٹن کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر عباس نے اسے درد ختم کرنے والی گولی دے کر سونے کی ہدایت کی اور دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔

''تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا''.....

اس نے باہر آتے ہی نبیلہ سے کہا۔

''یہ میری غفلت سے نہیں ہوا عباس''.....

نبیلہ نے شاکی لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں نے کب کہا ہے کہ تمہاری وجہ سے ہوا لیکن اچھا نہیں ہوا۔ نبیلہ میں تم سے کوئی پردہ نہیں رکھنا چاہتا ہم نے لیزا کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے''؟

اس نے بالآخر نبیلہ کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ''؟

نبیلہ نے بالکل اسی انداز سے یہ بات کی جیسے آج پہلی مرتبہ اسے اس کا علم ہوا ہو۔

''ہاں نبیلہ ہم نے اس بات پر بہت غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی..... لشکر پر پہلے ہی پابندی لگ چکی ہے۔ لیزا مارٹن کے اغوا کے فوراً بعد ہونے والے دونوں اہم واقعات بھی پاکستان کے خلاف سازش دکھائی دیتے ہیں..... اللہ تعالیٰ معاف کرے مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ہم بھی کسی سازش کا شکار ہو چکے ہیں''.....

اس نے نبیلہ کی طرف دیکھا جس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے جذبات پر قابو پا رکھا تھا۔

''عباس آپ نے کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا۔ آپ نے اپنے مظلوم ساتھیوں کی رہائی کے لئے کوشش کی تھی لیکن اللہ کو شاید ابھی ہمارا اور امتحان مقصود ہے۔ خدارا آپ ایسے مت سوچئے کہ کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں''۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا خاوند کسی بھی بدگمانی کا شکار ہو یا اس کا ذہن نبیلہ کی طرف جائے کیونکہ لیزا مارٹن کے متعلق اسے نبیلہ نے ہی اطلاعات دی تھیں جو اسے لندن سے جانتی تھی اور بتایا تھا کہ وہ یہودی اور سی آئی اے کی ایجنٹ ہے۔

''ہم نے آج صبح تک اسے چھوڑنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن ابھی اس کی حالت ٹھیک نہیں لگتی.....''

اس نے نبیلہ سے کہا۔

اور..... نبیلہ چونکی!

''ہاں عباس ابھی دو تین دن ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ پاؤں کا زخم ٹھیک ہو جائے ورنہ ساری دنیا کا پریس مجاہدین کے ظلم و ستم کی ایسی ایسی کہانیاں سنائے گا کہ خدا کی پناہ..... آپ مطمئن رہیں میں اسے بتا دوں گی کہ اسے دو روز میں رہا کر دیا جائے گا۔ اس طرح خوشی سے وہ جلدی روبصحت ہو جائے گی.....''

نبیلہ نے کہا۔

''نہیں نبیلہ..... تمہارا رویہ چونکہ اس کے تئیں سخت رہا ہے تمہارے منہ سے یہ بات نکلنا ٹھیک نہیں۔ میں خود اسے یہ اطلاع دوں گا اور کوشش کروں گا کہ اس کا دل ہماری طرف سے صاف ہو جائے کیونکہ مجاہدین کے خلاف اپنوں اور غیروں میں نفرت پہلے ہی بہت بڑھ چکی ہے.....''

عباس نے کہا.....

اور..... نبیلہ مطمئن ہو گئی۔ ابھی لیزا مارٹن دو دن یہاں رہے گی۔ یہ اس کے لئے بڑی خوش خبری تھی۔

☆O☆

تھوڑی دیر بعد وہ لیزا مارٹن کے کمرے میں موجود تھا جسے خوف کے مارے نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔

''کیا محسوس کر رہی ہیں آپ''؟

اس نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں..... نارمل''.....

لیزا خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ خوفزدہ نہ ہوں میں معذرت چاہتا ہوں آپ کو اب تک جن حالات سے گزرنا پڑا لیکن پلیز ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اگر آپ سے وہ سلوک ہوتا جو ہم سے کیا جا

رہا ہے تو آپ پر کیا گزرتی''.....

اس نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور پندرہ بیس منٹ تک لیزا مارٹن کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں نہ ہی وہ اسے دانستہ کوئی نقصان پہنچانا چاہتے تھے نہ ہی ان کا مذہب کسی کو اس طرح اغوا کر کے مار دینے کا سبق دیتا ہے انہوں نے یہ سب کچھ صرف امریکہ کو یہ سمجھانے کے لئے کیا ہے کہ جو سلوک وہ ہمارے ساتھ کر رہا ہے وہ اس کے شہریوں کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

لیزا مارٹن آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی تھی.....

پہلی مرتبہ اس طرح کھل کر اس نے لیزا سے بات کی تھی۔ اس کو ایک امید سی بندھ گئی تھی کہ شاید قسمت اس پر مہربان ہے۔

عباس نے اپنی گفتگو کے آخر میں اس سے معافی مانگتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ دو روز میں اسے رہا کر دیا جائے گا۔ لیزا نے اسے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ زخمی حالت ہی میں اسے رہا کر دے نہ ہی صاعقہ کی دھمکی کا ذکر کیا البتہ اس کا شکریہ ضرور ادا کر دیا۔ عباس نے بتایا کہ اسے اخبارات بھی صبح سے ملیں گے۔

☆O☆

سرپرائز

علی الصبح جب اس کے فون کی گھنٹی بجی اور سی ایل آئی نے ہوٹل کا نمبر دکھایا تو کیپٹن راحیل سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اتنی صبح گیتا پاٹھک اٹھنے والی نہیں تھی۔

''ہیلو''.....

اس نے جان بوجھ کر خمار آلود لہجے میں کہا جیسے سو رہا ہو۔

''ویری سوری شیرازی پلیز برا مت ماننا تمہیں نیند سے جگایا۔ مجھے ایک ضروری کام آ پڑا ہے۔ تم ہوٹل چلے آؤ۔ ناشتہ میرے ساتھ کرنا''.....

اس نے بڑی لگاوٹ سے کہا اور راحیل کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

بہت سوچ بچار کے بعد اس نے شیرازی کو فون کیا تھا کیونکہ شرما نے اچانک اسے ایک کام سونپ دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی بڑے ملتجی لہجے میں کہا تھا کہ اگر اس نے یہ کام نہ کیا تو دنیش شرما یعنی اس کے ہونے والے شوہر نامدار کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

شرما نے بتایا تھا کہ انہیں آج ہی ہدایت ملی ہے کہ یہ ''ایمپیول'' ایک لڑکی تک

پہنچانا ہے جو کل دس بجے سپر سٹور پر شاپنگ کرنے آئے گی۔ اس لڑکی کی تصویر اس نے گیتا کو دکھادی تھی۔

''شرما تم مجھے کسی روز مروادو گے..... کیا ہے اس میں''۔

گیتا جھنجھلا گئی تھی۔

''Poison (زہر)''

شرما نے کہا اور گیتا چونکی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا''؟

''ہندی میں poison کو زہر کہتے ہیں''۔

شرما نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''لیکن..... میں..... میرا مطلب ہے۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم''؟

گیتا نے قدرے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''مس گیتا پاٹھک یہ حکم دہلی سے آیا ہے تمہیں یہ 'ایمپول' اس لڑکی کو دینا ہے اور بس..... تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے تمہیں خود یہ زہر نگلنے کے لئے کہا گیا ہو''؟

شرما کا لہجہ قدرے غیر سنجیدہ ہونے لگا۔

''شرما میں یہ کام نہیں کر سکتی''.....

گیتا نے اپنی دانست میں فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ایسا ممکن تھا مس گیتا اگر اس سے پہلے تم نے ایجنسی کا کوئی کام نہ کیا ہوتا تو شاید یہ ممکن ہوتا۔ تم جانتی ہو یہاں اپنی مرضی سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں مس گیتا پاٹھک۔ جس کے لئے جس کام کا انتخاب کر لیں اسے کرنا ہی پڑتا ہے''.....

شرما نے اتنی سنجیدگی سے یہ بات کہی تھی کہ اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی ایک لہر سرایت ہونے کا احساس ہوا۔

''پھر بھی اگر میں نہ چاہوں تو''؟

گیتا نے سنبھل کر پوچھا۔

''کئی آپشن ہیں۔ تمہیں آئی ایس آئی کے ہاتھوں گرفتار کروایا جا سکتا ہے اور ان کے متعلق یقیناً تمہیں کوئی خوش فہمی نہیں ہوگی۔ تمہارے خلاف ایسے ثبوت دیئے جائیں گے جو تمہیں ساری زندگی پاکستانی عقوبت خانوں میں رکھیں گے جب تک کہ تم پاگل نہ ہو جاؤ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں یہاں کچھ نہ کہا جائے اور یہی سلوک ادھر تمہارے ساتھ کیا جائے..... ظاہر ہے تم ڈپلومیٹ Cover نہیں رکھتیں..... میرا مطلب ہے کچھ بھی ممکن ہے''.....

شرما نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

ایک سفاک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچ رہی تھی۔

گیتا پاٹھک دودھ پیتی بچی نہیں تھی.....

اسے علم تھا ایک مرتبہ اس دلدل میں اترنے کے بعد پھر اپنی مرضی سے باہر آنے کا راستہ نہیں ملا کرتا۔ وہ ''را'' کے لئے گزشتہ تین سال سے چھوٹے موٹے کام کر رہی تھی لیکن اس نوعیت کا کوئی کام اس نے اس سے پہلے نہیں کیا تھا نہ ہی اسے شرما سے امید تھی کہ وہ اس کے ساتھ ایسا گھٹیا برتاؤ کرے گا.....

اس نے ساری زندگی اپنی مرضی و آزادی سے بسر کی تھی لیکن یہاں شرما کی بات نہ مان کر وہ پاکستانی انٹیلی جنس کے ہاتھوں زندہ درگور ہونا نہیں چاہتی تھی اس کے لئے سوائے ہاں کرنے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

''ٹھیک ہے شرما..... اب ہماری ڈیل پروفیشنل ہی ہوا کرے گی''.....

اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''Up to You (تمہاری مرضی)''

شرما کی مسکراہٹ برقرار تھی۔

چھوٹا سا کیپسول پولی تھین کی تھیلی میں پیک تھا جسے اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں منتقل کر لیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود کسی کو جان سے مارنے کے لئے زہر

پلانے جارہی ہو۔

ہوٹل پہنچنے کے بعد اس نے تین پیگ اوپر نیچے وہسکی کے اپنے حلق میں انڈیلے تھے جب کہیں جا کر وہ نارمل ہوئی.....

لڑکی کی تصویر اس کے پرس میں موجود تھی اور شرما نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ اسے ذہن نشین کر کے ضائع کر دے۔

شراب کے نشے میں رات دیر گئے تک وہ بے سدھ ہو کر سوتی رہی لیکن ایک ڈراؤنے خواب نے اسے جگا دیا جس کے بعد اس کے لئے سونا ممکن نہ رہا۔

وہ تو قریباً دو گھنٹے سے بستر پر کروٹیں بدلتی شیرازی کو فون کرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ نجانے کوئی غیبی طاقت کیوں اسے بار بار یہ بات کہہ رہی تھی کہ شیرازی کو اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دے.....

یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ خود رنگے ہاتھوں پکڑی جائے؟

اس نے سوچا جس لڑکی کو زہر کا یہ ایمپول پہنچانے جارہی ہے وہ ''را'' کی ہی کوئی ایجنٹ ہوگی عین ممکن ہے وہ پاکستانی انٹیلی جنس کی نظروں میں آ چکی ہو.....

مجھے سب کچھ شیرازی کو نہیں بتانا چاہئے؟

اس نے بالآخر فیصلہ کر لیا۔ شیرازی کی اس سے ہمدردی بجا لیکن وہ بھی اپنے کسی انٹیلی جنس والے دوست کے ذریعے ہی اس کا مسئلہ حل کرواتا۔

اور..... انٹیلی جنس کے لوگ قابل اعتبار نہیں تھے۔ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ عین ممکن ہے اس تعاون کے نتیجے میں وہ اسے کچھ نہ کہتے لیکن دوسری ایجنٹ کو تو بہر حال پکڑ لیتے جس کے بعد انڈیا میں ''را'' اس کے لئے مسائل پیدا کرتی.....

اس نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ شیرازی کو بتائے بغیر کسی بہانے سے سپر سٹور لے جائے جہاں لڑکی سے اچانک ملاقات کرے یا پھر شیرازی کے علم میں آ بھی جائے تو اسے اتفاقی ملاقات قرار دے کر اپنی جان چھڑا لے ..

ایک مرتبہ بھارت پہنچنے کے بعد وہ شرما اور اس کے بلیک میلر ساتھیوں سے نمٹ سکتی تھی۔ اس کا جتنا اثر و رسوخ پریس میں تھا اس کے بعد عین ممکن تھا کہ ''را'' والے اسے زیادہ تنگ نہ کرتے۔

☆O☆

خیالات کا تانا بانا شیرازی کی آمد سے ٹوٹا۔

''خیریت ..... آپ کچھ پریشان لگتی ہیں۔ میرا مطلب ہے نیند نہیں آئی کیا''؟.....

اس نے گیتا کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر دریافت کیا۔

''نہیں بس میرے دماغ میں کوئی بات پھنس جائے تو پھر نکلتی نہیں''.....

گیتا نے اپنے ذہن میں تیار کردہ Cover Story پر کام شروع کیا۔

''کیا پھنس گیا آپ کے اتنے خوبصورت دماغ میں.....''

شیرازی نے ماحول کو قدرے غیر سنجیدہ کرنا چاہا۔

''وہ ہے ناں یہاں کوئی سپر سٹور.....؟''

سوالیہ انداز میں گیتا نے پوچھا۔

''ہاں ہاں بھئی ہے..... زیادہ تر سمگل شدہ چیزیں ملتی ہیں وہاں''.....

شیرازی کو یاد آ گیا۔

''ہاں وہی کوشلیا نے مجھے وہاں سے کچھ آرٹی فیشل جیولری خریدنے کے لئے کہا تھا۔''

اس نے شیرازی سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ نجانے کیوں اس کا دل شیرازی سے جھوٹ بولنے پر راضی نہیں تھا۔

''اوہو تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے..... چلتے ہیں وہاں کوئی واقف نکل آئے گا مناسب قیمت پر شاپنگ ہو جائے گی .....اور رہا یہاں سے سامان لے جانا کا مسئلہ

تو نو پرابلم.....بھئی میں چرس تو نہیں نکلوا سکتا لیکن باقی آپ کے سامان پر کوئی نظر بھی نہیں ڈالے گا.....''

شیرازی نے حسب معمول اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''کتنا فاصلہ ہے یہاں سے سپر سٹور کا''؟

اس نے پوچھا۔

''پندرہ بیس منٹ.....''

شیرازی نے کہا۔

''او۔کے ناشتہ کر کے آرام سے نکلتے ہیں۔Thank God تم آ گئے ورنہ میرے لئے مصیبت بن جاتی.....معلوم نہیں میں اتنی Dependent کیوں ہو گئی ہوں .....تمہیں ملنے سے پہلے تو ایسا کچھ نہیں تھا''.....

آخری فقرہ بے اختیار اس کے ہونٹوں سے پھسلا۔

''آپ کی ذرہ نوازی ہے مس گیتا''.....

شیرازی نے قریباً جھکتے ہوئے کہا۔

اور.....وہ بے ساختہ مسکرا دی.....

شیرازی کی موجودگی میں وہ غسل خانے میں چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد جب اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اب اس کی ٹائمنگ صحیح رہے گی تو وہ شیرازی کے ساتھ سپر سٹور کی طرف چل دی۔

اس بات کا اندازہ اسے نہیں تھا کہ یہاں روانگی سے پہلے شیرازی نے فون پر کرنل دردگ سے بات کی تھی جس کے بعد بریگیڈیئر جہانزیب سے رابطہ کیا تھا اور اب اس کی پلاننگ کے مطابق کام جاری تھا۔

☆O☆

دس بجے رہے تھے جب دونوں سٹور پر پہنچ گئے۔

یہ سٹور دن رات کھلا رہتا تھا اور یہاں رش لگا رہتا تھا۔ راحیل جانتا تھا کہ ضرور اسے گیتا پاٹھک یہاں cover بنا کر لائی ہے اور اس کی خواہش تھی کہ جس کام کے لئے وہ یہاں آئی ہے وہ اس طرح پورا کرے کہ اسے یقین رہے شیرازی کو اس کا علم نہیں ہو پایا۔

اس نے جان بوجھ کر گیتا پاٹھک کو اس بات کا موقعہ دیا تھا کہ وہ جیولری سیکشن میں جا کر اپنی مرضی کا سامان پسند کرے۔

''قیمت کی پرواہ نہ کرنا مس گیتا.....بس یہ بات ذہن میں رکھنا کہ میں آپ کو پرنٹڈ قیمت سے نصف پر سامان دلا دوں گا.....اپنا یار ہے ایک یہاں.....''

اس نے گیتا کے اتنے نزدیک ہو کر سرگوشی کی تھی کہ مسرت وانبساط سے وہ جھوم اٹھی وہ تو نجانے کب سے یہی کچھ چاہتی تھی۔

گیتا پاٹھک اس سے الگ ہو کر لیڈیز ڈیپارٹمنٹ کی طرف گئی تھی جہاں وہ پہلے ریڈی میڈ گارمنٹس والے حصے میں گھومتی رہی جس کے بعد جیولری والے پورشن میں آ گئی اسے اس نوعیت کی ہدایات ملی تھیں۔

ابھی وہ جیولری کے ایک شوکیس پر جھکی ایک نقلی موتیوں کا ہار دیکھ رہی تھی جب چھٹی حس کے تابع اس نے سامنے سے اُسی لڑکی کو اس طرف آتے دیکھا جس کی تصویر وہ اپنے ہوٹل میں ضائع کر آئی تھی۔

ایک مرتبہ اس کا دل زور سے دھڑکا۔

لڑکی اس کے نزدیک آ گئی وہ بالکل اس طرح یہاں آئی تھی جیسے دوسری خواتین جیولری میں دلچسپی لیتے ہوئے گھومتی ہوئیں اس طرف آ جاتی ہوں.....

گیتا کے نزدیک پہنچ کر اس نے گیتا کے پہلو کے بہت قریب آ کر اسے مخاطب کیا تھا۔

''ہیلو مس گیتا.....تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں بس اس ہار کو دیکھتی رہو مجھے پولی تھین کی تھیلی دے دو.....میری طرف دیکھے بغیر.....''

اس کے ''ہیلو'' کہنے پر ہی گیتا کو یوں لگا تھا جیسے اس کا دل سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آ گرے گا حالانکہ وہ دو منٹ پہلے سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

لیکن.....اس کم بخت کو ذرہ برابر پرواہ نہیں تھی کسی بات کی.....وہ تو بالکل نارمل دکھائی دے رہی تھی۔

گیتا نے چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھا اور بڑی پھرتی سے اپنے گریبان میں چھپایا ہوا ایمپیول نکال کر مٹھی میں بند کر لیا.....

لڑکی اس کی حرکات وسکنات ہی نہیں یہاں موجود تمام خواتین کا جائزہ لے رہی تھی۔

گیتا نے کپکپاتے ہاتھ سے ایمپیول اس کو تھما دیا۔

''بہت سمجھدار لگتی ہو.....ویل ڈن.....اسی طرح میری طرف دیکھے بغیر آگے نکل جاؤ اور ہاں یہاں سے کوئی چیز ضرور خرید لینا.....''

لڑکی نے اسے ہدایت دی اور تیزی سے دوسری سمت گھوم گئی۔

اس کے وہاں سے ہٹنے پر گیتا نے سکھ کا لمبا سانس لیا اور وہی ہار اٹھا کر کاؤنٹر کی طرف چل دی۔

دونوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ان کی تمام حرکات کو نہ صرف یہاں موجود دو سمارٹ خواتین نے نوٹ کیا ہے بلکہ ایک کیمرے نے ریکارڈ بھی کر لیا ہے۔

گیتا نے ہار پکڑا اور اس سمت چل دی جہاں وہ شیرازی کو چھوڑ کر آئی تھی۔

لیکن.....اچانک ہی شیرازی اس سے ٹکرا گیا۔

''اتنی دیر.....میں تو سمجھا آپ مجھے چھوڑ کر بھاگ گئی ہیں.....ڈھونڈتا ہوا اس طرف آ گیا۔''

شیرازی نے حسب معمول مزاحیہ انداز سے کہا۔

''نہیں شیرازی میں کم از کم تمہیں چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتی.....البتہ تم بھاگ جاؤ یہ الگ بات ہے''.....

اس نے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے شیرازی سے کہا۔

''ارے میڈم ہم بھاگنے والے نہیں ہیں.....ہم تو جان سے گزر جانے والے لوگ ہیں''.....

شیرازی کا بات کہنے کا انداز ایسا جان لیوا تھا کہ گیتا بے اختیار اس سے لپٹ گئی اس کا یہ عمل قطعاً غیر ارادی تھا۔

ایک لمحے کے لئے تو شیرازی بوکھلا ہی گیا۔

''مس گیتا پلیز.....یہ انڈیا نہیں۔ مجھے جوتے پڑوانے کا پروگرام بنا رکھا ہے کیا''؟

اس نے گیتا کو آہستگی سے خود سے الگ کرتے ہوئے نارمل رہنے کی تلقین کی۔

گیتا کے اس عمل کی شاہد وہاں موجود صرف ایک لڑکی تھی جس نے مسکرا کر شیرازی کی طرف دیکھا اور اسے آنکھ مار کے آگے نکل گئی.....

شیرازی کے ساتھ اس نے کاؤنٹر پر بل کی ادائیگی کی اس کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود ضد کرتے ہوئے اس نے شیرازی کے لئے یہاں سے دو شرٹس اور نکٹائیاں خریدیں اور ان کی قیمت بھی خود ادا کی۔

''اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو میں ابھی یہاں رونا شروع کر دوں گی''.....

اس نے شیرازی کو دھمکی دی تو اسے خاموش ہونا پڑا.....سپر سٹور والوں نے اسے خاصی رعایت کر دی تھی۔

دونوں باہر آئے۔

گیتا کو اپنا وجود ہوا میں اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اگلے ہی روز یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ حالانکہ اس کا ویزہ ابھی چند روز باقی تھا۔ لیکن اب وہ اپنے اس

پیارے دوست کے لئے مزید مسائل پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی.....

ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے شیرازی کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''یس''.....

اس نے کہا اور دوسری طرف سے کچھ سننے لگا۔ اس درمیان میں وہ صرف ''ہوں ہوں'' ہی کر رہا تھا۔

گیتا کے پلے کچھ نہیں پڑتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اس نے پشتو میں بات شروع کر دی اور بالآخر فون بند کر دیا۔

''خیریت''.....

گیتا نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''No..... بالکل نہیں..... ایک تو خدا جانے یہ بڑے بھائی دُنیا میں کیوں پیدا ہوتے ہیں''۔

اس نے گیتا کی طرف دیکھ کر اگلی بات کی تمہید باندھی۔

''کیوں بھئی بڑے دکھی لگتے ہو''.....

گیتا کا موڈ خوشگوار تھا۔

''میں خیر سے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہوں۔ ایک کزن لندن سے آ رہی ہے اور فلائیٹ ایئرپورٹ پر لینڈ کر چکی ہے۔ مجھے محترمہ کو بچوں سمیت وصول کر کے گھر پہنچانا ہے''.....

اس نے کہا تو گیتا کو دکھ سا ہوا..... وہ چاہتی تھی کہ اب یہاں سے بھارت روانگی تک وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے جدا نہ ہو۔

''نو پرابلم..... میں چلی جاؤں گی ہوٹل''.....

گیتا نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

''ارے نہیں مس یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کو یہاں اتار دوں..... ہم پاکستانی

لوگ مہمان کو گھر تک پہنچا کر آتے ہیں.....''

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہوٹل پہنچنے تک وہ گیتا پاٹھک کو اپنے خاندان کے لطیفے سناتا رہا پھر اسے ہوٹل کی لابی میں چھوڑ کر شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

☆O☆

لڑکی بڑے اطمینان سے سپر سٹور کے باہر آئی اور وہاں سے ایک نزدیکی پی سی او کی طرف گئی جہاں سے اس نے کسی کو فون کیا اب وہ ٹیکسی کی منتظر تھی.....!

اس کی طرف آنے والی دونوں ٹیکسیاں جیسے پہلے سے اس کی منتظر تھیں۔ ان دونوں کو کیپٹن راحیل کے ساتھی چلا رہے تھے۔

ملک نواز کے حصے میں اسے منزل تک پہنچانے کی سعادت آئی.....!!

لڑکی نے اسے اسلام آباد کے مضافات میں اس علاقے کا نام بتایا تھا جہاں ایک ماڈرن کالونی زیر تعمیر تھی اور بمشکل تین چار گھر ہی آباد ہوئے تھے وہ بھی ایک دوسرے سے اتنے زیادہ فاصلے پر تھے کہ عام حالات میں کسی کو دوسرے کی خبر ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

کالونی سے کچھ فاصلے پر ہی وہ ٹیکسی سے اتر گئی.....

ملک نواز نے اپنا کرایہ وصول کیا اور آگے نکل گیا.....

اس کے تین اور ساتھی موٹر سائیکل اور کار پر ان کے ساتھ ہی یہاں تک پہنچے تھے جو مختلف راستوں سے لڑکی کی نگرانی کر رہے تھے۔

لڑکی چلتی ہوئی یہاں سے دو فرلانگ دور واقع ایک کوٹھی تک پہنچی اور اندر چلی گئی۔

اس کے گھنٹی بجانے پر جس باریش نوجوان نے دروازہ کھولا تھا آنکھوں سے دور بین لگائے انسپکٹر خاور شاہ کو وہ کچھ جانا پہچانا چہرہ لگا اور اس نے اپنے ذہن پر زور دینا شروع کیا۔

اچانک ہی ایک کوندا اس کے دماغ پر لپکا اسے یاد آ گیا اس نوجوان کو اس نے پیرزادہ کے ہاں دو تین مرتبہ دیکھا ہے۔

اس نے فوراً ہی موبائل پر کیپٹن راحیل سے رابطہ قائم کر کے اگلی ہدایات طلب کر لی تھیں۔

کیپٹن راحیل اس وقت ''ٹاسک فورس'' کے ساتھ موجود تھا۔ بریگیڈیئر جہانزیب کی کمان میں قائم ہونے والی اس ایمرجنسی ٹاسک فورس نے لیزا مارٹن کو برآمد کرنے کی ذمہ داری اٹھائی تھی انہیں امید تھی کہ کیپٹن راحیل جس طرح انڈین ہائی کمیشن نیٹ ورک اور گیتا کے نزدیک پہنچ چکا ہے وہاں سے ضرور کوئی بڑا ''سرپرائز'' سامنے آئے گا۔

کیپٹن راحیل کی ٹیم کی طرف سے پراسرار لڑکی کے متعلق بل بل کی اطلاع یہاں وصول ہو رہی تھی۔ سپر سٹور میں موجود ٹیم نے گیتا پاٹھک کو اپنے گریبان سے کوئی شے نکال کر اس لڑکی کو تھماتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس منظر کو فلما بھی لیا تھا۔

اس وقت بریگیڈیئر جہانزیب دوبارہ اس فلم کو چلا کر دیکھ رہے تھے۔ اس منظر کو جہاں گیتا نے لڑکی کو ایمپول دیا تھا بریگیڈیئر صاحب نے فوکس کر رکھا تھا اور کیپٹن راحیل کمپیوٹر سکرین پر نظریں گاڑے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''ون منٹ پلیز.....''

اس نے کچھ سوچتے ہوئے آپریٹر سے کہا۔

''اسے جتنا کلوز کر سکتے ہو کر کے دکھاؤ''.....

راحیل نے گیتا کے ہاتھ سے لڑکی کے ہاتھ میں منتقل ہوتے پولی تھین کے چھوٹے سے پیکٹ پر انگلی جمائی۔

آپریٹر نے اسے مختلف اینگلز Angels سے دکھانا شروع کیا۔

''او مائی گاڈ''.....

اچانک ہی کرنل وردگ کے منہ سے نکلا.....

''سر یہ تو Poison ہے''

''یس سر''.....

کیپٹن راحیل نے ہامی بھری۔

''آل رائیٹ''..... بریگیڈیئر جہانزیب کچھ سوچنے لگے.....

'گیتا پاٹھک نے اس لڑکی کو Poison کس کے لئے دیا ہے..... اگر اسے زہر درکار تھا تو یہاں بھی با آسانی مل سکتا تھا..... کوئی خاص قسم کا زہر تو نہیں ہے..... کوئی خاص قسم کا.....''

انہوں نے بڑبڑانے کے انداز میں بات کہنی شروع کی اور کچھ دیر بعد ہی وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔

''کیپٹن راحیل ایس ایس جی کے ساتھ ریڈ (Raid) کرو۔ اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو آج رات ہم لیزا مارٹن کو برآمد کر لیں گے..... But بہت محتاط ہو کر..... خبردار اس زہر کو استعمال نہیں ہونا چاہئے.....''

''رائیٹ سر''.....

کیپٹن راحیل چوکس ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمانڈوز کی ایک خصوصی ٹیم کو خصوصی ہدایات کے ساتھ کیپٹن راحیل اس جگہ لے جا رہا تھا جسے اس کے ساتھیوں نے گھیرا ہوا تھا۔

ہنگامی صورت حال سے نمٹنے والے سپیشل کمانڈوز کی اس ٹیم کی کمانڈ کیپٹن راحیل کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے اس طرح کوٹھی کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا کہ یہاں کے کسی مکین کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

اب وہ گھڑیوں کی سوئیوں پر نظریں جمائے کیپٹن راحیل کے اگلے اشارے کے منتظر تھے۔

کیپٹن راحیل کی طرف سے اشارہ موصول ہوتے ہی کمانڈوز ایسی برق رفتاری سے دیواریں پھلانگ کر اندر داخل ہوئے تھے کہ گھر کے مکینوں کو خبر ہی نہ ہو سکی۔

راحیل سب سے آگے تھا۔ اس کے اشارے پر انہوں نے چاروں کمروں کو گھیر لیا تھا اور اب وہ کھڑکیوں کے باہر چوکس کھڑے تھے۔ اگلے اشارے پر وہ بند کھڑکیوں کے شیشے توڑ کر اتنی تیزی سے اندر داخل ہوئے کہ یہاں موجود عباس' کمانڈر رشید' نبیلہ اور ان کے دو اور ساتھیوں کو جو آج ہی یہاں پہنچے تھے سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔

لیزا مارٹن کو اپنے سامنے دیکھ کر کیپٹن راحیل نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر اپنے سیٹ سے میسج دے دیا۔

''ٹارگٹ ہٹ سر''(Target Hit Sir)

اس نے قریباً چیختے ہوئے کہا۔

اچانک حاصل ہونے والی اس کامیابی نے اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل دیا تھا۔ اسے اپنے بدن میں خون کی جگہ انگارے تڑپتے محسوس ہو رہے تھے۔

کیپٹن راحیل نے آگے بڑھ کر خوفزدہ اور زخمی لیزا مارٹن کو اپنا تعارف کروایا اور دوسرے ہی لمحے وہ اسے سہارا دے کر باہر نکل آیا.....

سب سے پہلے اس نے لیزا مارٹن کو کمانڈوز کی حفاظت میں سیف ہاؤس کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

نبیلہ سمیت تمام گرفتاروں کو وہ الگ الگ کر کے یہاں سے لے گئے تھے۔ اس آپریشن کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

☆O☆

صبح تک کی تفتیش کے بعد لڑکی نے ہتھیار ڈال دیئے۔

''اگر تم اپنے دماغ پر زور ڈالو تو یاد آ جائے گا کہ ہم ''چکراتا'' میں مل چکے ہیں''.....

راحیل نے کچھ سوچتے ہوئے اسے کہا۔

نبیلہ کے لئے ''چکراتا'' کا لفظ کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ ''را'' کے سپیشل آپریشنل ونگ کی تربیت یافتہ کمانڈوز تھی جسے ''چکراتا'' ہی میں تربیت دی گئی تھی۔ اسے راحیل کا چہرہ تو یاد نہیں رہا تھا لیکن اس بات کا علم ضرور تھا کہ پاکستانی انٹیلی جنس کے کچھ ایجنٹ ''ڈبل کراس'' کر کے یہاں آ چکے ہیں۔

''میری یادداشت بہت مضبوط ہے مس شیلا پالیکر''۔

کیپٹن راحیل کا اگلا انکشاف تو شیلا پالیکر کے اعصاب پر بم کی طرح پھٹا تھا۔

''مس شیلا تمہیں ایک خاص منصوبے کے تحت کمانڈر عباس سے دہلی میں ٹکرایا گیا۔ تم نے اسے ''را'' سے بچایا۔ شادی کی اور یہاں ایک مجاہد کمانڈر کی بیوی بن کر رہنے لگیں۔ یہ بڑا شاندار Cover تھا۔ تمہیں تمام ہدایات لندن سے مل رہی تھیں جس کے لئے پی سی او محفوظ ذریعہ تھا اور تمہاری ہی تحریک پر عباس نے لیزا مارٹن کو اغوا کیا کیونکہ وہ یہودی اور امریکن تھی اس طرح ایک ہی وقت میں تمہارے دوستوں نے بھی ''موساد'' اور ''سی آئی اے'' سے ٹکرانے کا منصوبہ بنایا لیکن تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں تھا کہ تم اس منصوبے کا آخری حصہ ہو..... تمہارے ذریعے تمہارے مالکان کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ مجاہدین کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور وہ لیزا مارٹن کو رہا کرنے والے ہیں..... اس پر پہلے تم نے بجلی کے تار ننگے کر کے اس کی جان لینے کی کوشش کی لیکن تمہاری بدقسمتی کہ اس کا پاؤں زخمی ہو گیا اور وہ مرنے سے بچ گئی..... کیونکہ تم کامیابی سے اپنا کام کر رہی تھیں اور ابھی اس گدھے سے جو تمہارا خاوند بھی ہے ''را'' کو کچھ اور کام بھی لینے تھے اس لئے لیزا مارٹن کو ایسے زہر سے مارنے کا منصوبہ بنایا گیا جو کھانے والے پر معدے میں جانے کے ایک گھنٹے بعد اثر کرتا ہے کیونکہ تمہارے مالکان لیزا مارٹن کو مار کر ہی وہ گھناؤنے اور مذموم مقاصد حاصل کر سکتے تھے..... یہ خاص زہر بھی تمہاری ایجنسی کی ایجاد ہے جو بے ذائقہ اور بے بو ہوتا ہے۔ تم نے کافی میں لیزا کو یہ زہر پلانا تھا جس کے بعد عباس اور اس کے ساتھی

جنہیں اس بات کا کبھی علم نہ ہو پاتا اسے یہاں سے باہر چھوڑ آتے اور ایک گھنٹہ بعد وہ مر جاتی۔

اس طرح لیزا مارٹن کی موت کا شک کوئی بھی تم پر نہ کرتا..... یہ زہر تمہیں انڈین ہائی کمیشن میں موجود ''را'' کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر دنیش شرما کے ذریعے پہنچایا گیا جس کے لئے جرنلسٹ گیتا پاٹھک کو جو ''را'' کی ''پے لسٹ'' پر موجود ہے ذریعہ بنایا گیا.....''

کرنل وردگ نے اگلے روز صبح ہوتے ہی جب ان کی ٹیم تمام گرفتاروں سے الگ الگ تفتیش کر چکی تھی اسے ساری کہانی سنا کر حیران کر دیا۔

☆O☆

اس روز بریگیڈیئر جہانزیب الیف بی آئی کی پاکستان میں موجود ٹیم کے ساتھ مذاکرات کر رہے تھے۔ لیزا مارٹن کی ملاقات ان سے کروادی گئی تھی۔ ان تک ساری کہانی ثبوتوں کے ساتھ پہنچ گئی تھی اور اب وہ اخلاقی طور پر اس بات کے پابند تھے کہ پاکستانی انٹیلی جنس کی خواہش کا احترام کرتے.....

بریگیڈیئر جہانزیب نے ان سے درخواست کی تھی کہ انہیں ابھی کچھ اور ملزمان کو بھی کیفر کردار تک پہنچانا ہے اس لئے وہ تین دن تک لیزا مارٹن کی بازیابی کی خبر آؤٹ نہ ہونے دیں اور ان لوگوں نے یقین دلایا تھا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

لیزا مارٹن کو راتوں رات امریکی ایمبیسی پہنچا دیا گیا تھا جہاں اس سے تعاون کی درخواست کی گئی جو اس نے قبول کر لی تھی۔

☆O☆

شگاف

گیتا پاٹھک اس کے کندھے سے لگی سسکیاں لے رہی تھی اور راحیل کی گھبراہٹ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ایک کونے میں کھڑے کرنل وردگ اس کی حواس باختگی پر مسلسل مسکرا رہے تھے اور کیپٹن راحیل کو شرم آ رہی تھی۔

بڑی مشکل سے اس نے گیتا کو نارمل کیا اور اسے یقین دلایا کہ وہ اگلے ماہ اس سے ملنے دہلی آئے گا کیونکہ گیتا پاٹھک نے اس کے لئے ویزے کا بندوبست کر دیا تھا اس نے انڈین ہائی کمیشن کا ایک نمبر دے کر کہا تھا کہ یہاں موجود ٹھاکر صاحب سے جب بھی وہ فون پر گیتا کے حوالے سے بات کرے گا تو اس کا کام ہو جائے گا وہ تو اسے اپنے ساتھ لے جا کر ویزہ لگوانے پر تلی تھی تاکہ اسے دہلی بھی اپنے ساتھ ہی لے جائے لیکن برا ہو شیرازی کے پاسپورٹ کا جو وہ اپنے گاؤں بھول آیا تھا اور اسلام آباد تک اسے پہنچنے میں کم از کم تین دن لگ جاتے۔

''شیرازی میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گی''.....

اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اسے کہا۔

''میں بھی مس گیتا پاٹھک.....''

وہ اس کے سوا اور کیا کہتا۔

جہاز کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا جب وہ دل پر پتھر رکھ کر اس سے الگ ہوئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے مسلسل جاری تھے۔

''اب تم بھی رونا نہ شروع کر دینا''.....

کرنل ورڈگ نے اس کے نزدیک پہنچ کر کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے تکلفی سے کہا تو کیپٹن راحیل بے ساختہ ہنس دیا۔

☆O☆

گیتا پاٹھک کا استقبال دہلی ایئرپورٹ پر ہیروئن کی طرح ہوا تھا۔ اس روز شام کو اس کے حوالے سے ایک خصوصی پروگرام انڈین چینل سے جاری کیا گیا جس میں چینل نے دعویٰ کیا کہ ان کی رپورٹر گیتا پاٹھک نے پاکستان میں چھپے القاعدہ کے دو اہم ممبران سے انٹرویو کیا ہے۔

اس پروگرام کا آغاز بھارتی مبصرین کی طرف سے پاکستان کے خلاف زہر افشانی سے ہوا جس میں انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ''القاعدہ'' کو پاکستان کی مکمل حمایت حاصل ہے اور اس کے لیڈروں نے پاکستان میں پناہ لے رکھی ہے۔ اس کے بعد ان لیڈروں کا انٹرویو شروع ہوا جن کے انٹرویو گیتا پاٹھک نے ریکارڈ کیے تھے۔ پروگرام میں سوال جواب انگریزی اور پشتو میں ہو رہے تھے جن میں ان لیڈروں کے منہ سے عجیب و غریب قسم کی باتیں نکل رہی تھیں۔ انٹرویوز کے خاتمے پر چینل کے ''عالی دماغوں'' کو زبردست مبارکبادوں کے فون آنے لگے اور دنیا کے کئی ٹی وی چینل نے ان سے ریکارڈنگ کی کاپی بھی طلب کی۔

اس روز رات گئے پاکستانی چینل نے جو دنیا کے قریباً ستاسی ملکوں میں دکھائی دیتا

تھا۔ بھارتی چینل کے اس انٹرویو کے حوالے سے ان دونوں ''القاعدہ'' لیڈروں کو ٹی وی پر پیش کر دیا جنہوں نے بتایا کہ وہ سٹیج کے اداکار ہیں اور اب تک کئی ڈراموں میں کام کر چکے ہیں۔ ان کے ڈراموں کے مختصر مناظر بھی دکھائے گئے۔

دونوں نے بتایا کہ ان کے ایک ساتھی نے انہیں ''القاعدہ'' کا سوانگ رچا کر ایک غیر ملکی خاتون سے انٹرویو کی بات کی تھی اور پانچ ہزار روپے فی کس اس کا معاوضہ بھی دیا تھا لیکن انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ مذاق مذاق میں انہیں دہشت گرد بنا دیا جائے گا..... !

پاکستان ٹی وی کی طرف سے تین روز تک مسلسل وقفوں کے ساتھ بھارتی پراپیگنڈہ کا ایسا مسکت جواب ملنے پر ساری دنیا کے پریس نے بھارتی چینل پر لعن طعن شروع کر دی۔ گیتا پاٹھک کی حالت نیم پاگلوں جیسی ہو چکی تھی۔

☆O☆

لیزا مارٹن کے اغوا کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔

گیتا پاٹھک کی اس اہم رپورٹ کا ''کریا کرم'' (پوسٹ مارٹم) ہونے کے دوسرے ہی روز یورپی ملک کے ایک بھارتی قونصلیٹ کو فلم موصول ہوئی جو لیزا مارٹن کے قتل کی فلم تھی۔ اس فلم میں لیزا مارٹن نے وہ کپڑے پہن رکھے تھے جو اس نے اغوا کے وقت پہنے ہوئے تھے۔ اس کے اغوا کاروں نے لیزا کے منہ پر کالے رنگ کا لمبا ماسک چڑھا کر اسے پنکھے سے لٹکا کر پھانسی دی تھی اور امریکہ سے کہا تھا کہ وہ امریکہ کے ہر شہری کا یہی حشر کریں گے.....

یہ فلم ایسے شاندار طریقے سے فلمائی گئی تھی کہ بھارتی ماہرین نے ہر طرح چیک کرنے کے بعد اس کے اصلی ہونے کی تصدیق کر دی اور اگلے ہی روز بھارتی حکومت کے ایک خاص چینل نے لیزا مارٹن کے اغوا کاروں کے ہاتھوں قتل کی کہانی کے ساتھ انہیں بذریعہ ڈاک موصول ہونے والی یہ فلم بھی چلا دی..... O

ساری دنیا میں غلغلہ مچ گیا۔ پاکستانی سکیورٹی افسران نے اس فلم کو بوگس بتایا اور

کہا کہ وہ لیزا مارٹن تک پہنچ گئے ہیں عنقریب اسے برآمد کرلیں گے۔

بھارتی میڈیا نے اس بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے ہوئے لیزا مارٹن کے قتل کا پراپیگنڈہ شروع کیا اور کہا کہ پاکستان ساری دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اس فلم اور بھارتی بیانات کو ساری دنیا کے میڈیا نے خوب خوب اچھالا جس پر پاکستانی دفتر خارجہ کی طرف سے بیان جاری ہوا کہ لیزا مارٹن زندہ ہے اور امریکہ میں موجود ہے۔

اس بیان کے بمشکل پندرہ منٹ بعد امریکی صحافیوں نے امریکہ میں لیزا مارٹن کو دریافت کرلیا جس کے انٹرویو ساری دنیا کے چینلز پر چلنے لگے اس نے بتایا کہ تین روز پہلے اسے پاکستانی ایجنسیوں نے اغوا کاروں کی قید سے رہا کروالیا تھا اور ان کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے لئے اس سے کچھ دن خاموشی اختیار کرنے کی درخواست کی تھی لیکن اپنے قتل کی فلم دیکھنے کے بعد اس کا خاموش رہنا غلط تھا۔ اس نے پاکستانیوں کی بے حد تعریف کرتے ہوئے اپنی رہائی اور مہمان نوازی پر ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

اب یورپی میڈیا کی باری تھی جس نے بھارتیوں کو جھوٹے قرار دیتے ہوئے کہنا شروع کردیا کہ انہوں نے دو دنوں میں دو بڑے جھوٹ بولے ہیں۔ اداکاروں کو ''القاعدہ'' بنا کر ان کے انٹرویو نشر کئے اور دوسری طرف لیزا مارٹن کے قتل کی جھوٹی فلم بنا کر ساری دنیا کو پاکستان کے خلاف گمراہ کرنے کی سازش کی۔

☆O☆

''را'' کے ہیڈ کوارٹر میں اس وقت کھلبلی مچی ہوئی تھی۔

جانکی داس اور اودھے شرما غصے میں افسران کو گالیاں دے رہے تھے اور وہ سب گردن جھکائے سن رہے تھے۔

''تم لوگ نالائق اور احمق ہو۔ کروڑوں کا فنڈ کھانے کے بعد تمہاری آؤٹ پٹ Output یہ ہے ☹ آنی چاہئے''.....

جانکی داس نے جس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی، کہا۔

''سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا کم بختوں نے''.....

اودھے شرما نے اپنے سر پر باقاعدہ دونوں ہاتھ رکھ کر دہائی دی۔

''سر! اس کھیل میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ کبھی بھی بازی پلٹ سکتی ہے''۔

ڈی جی نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

''شٹ اپ''.....

جانکی داس نے اتنے زور سے چلاتے ہوئے کہا کہ اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ غصے سے لال پیلے ہوتے ڈی جی ''را'' کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کمبخت کا ٹینٹوا دبا دے اس کے تمام ماتحت زبردست بیکی محسوس کررہے تھے۔ عین ممکن تھا کوئی طیش کھا کر جانکی داس کی ٹھکائی ہی کردیتا لیکن خوش قسمتی سے جانکی داس کی طبیعت اتنی خراب ہوگئی کہ اسے وہاں سے لے جانا پڑا۔

اودھے شام ابھی تک وہیں جما بیٹھا تھا جب اچانک ٹی وی سکرین پر ایک نیا کھیل چلنے لگا۔ یہ پاکستانی چینل تھا جس پر ''حالات حاضرہ'' کے پروگرام بھی وہ لوگ دیکھ رہے تھے۔ پاکستانی چینل نے ایک خصوصی رپورٹ کا اعلان کیا اور یہ رپورٹ ''را'' کی انتہائی تربیت یافتہ ایجنٹ شیلا پالیکر کے بیان کے ساتھ شروع ہوگئی جس نے لیزا مارٹن کے اغوا سے رہائی تک کی ساری کہانی سنادی۔

پاکستان ٹی وی نے اس کے ساتھ ہی بھارتی ہائی کمیشن کے پروٹوکول آفیسر دنیش شرما اور گیتا پاٹھک کی ملاقات، گفتگو کا ٹیپ چلا کر دکھادیا۔ جس سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ لیزا مارٹن کو ''را'' نے اغوا کروایا تھا اور آخر میں اسے جان سے مارنے کی کوشش بھی کی تھی۔

☆O☆

مرے پر سو دُرّے امریکن میڈیا نے لیزا مارٹن سے انٹرویو کیا جس نے شیلا پالیکر کو صاعقہ کے نام سے پہچان لیا اور اس کی اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی ساری کہانی بھی سنادی۔ اس نے بتایا کہ دوسرے اغوا کاروں کے برعکس شیلا پالیکر نے اسے قتل کرنے

کی کوشش بھی کی تھی۔

اس خصوصی رپورٹ کے بعد بھارتی میڈیا کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

☆O☆

جنرل صاحب خود میٹنگ میں موجود تھے اور بریگیڈیئر جہانزیب انہیں بریفنگ دے رہے تھے۔ انہوں نے کیپٹن راحیل خان کا تعارف کرواتے ہوئے اس کی مساعی سے جنرل صاحب کو آگاہ کیا تو وہاں موجود افسران اس کے لئے دو منٹ تک مسلسل تالیاں بجاتے رہے۔

''دشمن ہمارا محاصرہ باندھ رہا ہے سر! ہم جانتے ہیں۔ اپنے بے پناہ وسائل اور ہمارے مجاہدین کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر وہ ہم پر نت نئے حملے کر رہا ہے..... لیکن جب تک کرنل وردگ، کیپٹن راحیل اور ان کے سٹاف کے باقی جوانوں جیسے سرفروش موجود ہیں ہم دشمن کو محاصرہ مکمل نہیں کرنے دیں گے..... اس میں شگاف ڈالتے رہیں گے..... یہ تھکا دینے والی جنگ ہے سر! لیکن ہمیں اسے لڑنا ہے۔ ہم چوکس ہیں سر! خبردار ہیں..... کیوں جوان؟''

انہوں نے کیپٹن راحیل کی طرف تحسین بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''یس سر''.....

کیپٹن راحیل نے تن کر جواب دیا۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ فخر کا احساس ہوا تھا !!

''ویل ڈن کیپٹن..... ویل ڈن''

جنرل صاحب نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

طارق اسمٰعیل ساگر

25 مئی 2002ء